عربی ادب کے شہ پارے

(مع شاندار اردو ترجمہ)

مئولفہ و مرتبہ

صوفی محمد اسحاق

(فاضل، بی اے)

نام کتاب	—— عربی ادب کے شہ پارے
مصنف	—— صوفی محمد اسحٰق (فاضل، بی اے)
طبع اول	—— اپریل ۲۰۰۰ء
تعداد	—— ایک ہزار (۱۰۰۰)
کمپوزنگ اینڈ پرنٹنگ	—— سلور لنک کمپوزرز اینڈ پرنٹرز احسان منزل، رائل پارک، لاہور — فون: ۶۳۶۹۸۸۷
قیمت	—— -/۱۰۰ روپے

ترتیب کتاب

۱۔	پیش لفظ	۵
۲۔	عربی ادب کی دلچسپ اور پرلطف روایات	۸
۳۔	چند مشہور عرب شعراء کے دلچسپ حالات، کردار، نمونۂ کلام	۱۸۴
۴۔	تتمہ۔۔۔جماعت احمدیہ پر کئے گئے مظالم اور اس کے مقدس امام کے معجزۂ مباہلہ کے متعلق دو تاریخی نظمیں	۲۴۳
۵۔	حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کا خط	۲۴۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

عربی زبان ہر سچے مسلمان کو بے حد پیاری ہے اس لئے کہ بانیٔ اسلام حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اَحِبُّو الْعَرَبَ لِثَلَاثَةٍ لِاَنِّی عَرَبِیٌّ وَالْقُرْاٰن عَرَبِیٌّ وَلِسَانُ اَهْلِ الْجَنَّةِ عَرَبِیٌّ" (شعب الایمان)

یعنی اے مسلمانو! تم تین وجوہ کے باعث عربی باشندوں سے محبت کرو! اس لئے کہ میں عربی ہوں، قرآن عربی زبان میں ہے اور اہل جنت کی زبان بھی عربی ہے۔

پس عربی زبان سے شغف و رغبت رکھنا نہ صرف اس لئے ضروری ہے کہ یہ ہماری دینی زبان ہے، بلکہ اس لئے بھی کہ مامور زمانہ، بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ، حضرت میرزا غلام احمد صاحب نے سب سے پہلے یہ دعویٰ فرمایا ہے کہ عربی زبان ہی "ام الالسنہ" ہے۔ آپ نے اس دعوے سے متعلق اپنی ایک تصنیف لطیف "مِنَنُ الرَّحْمَان" کے ذریعے ایک عالم کو ورطۂ حیرت میں ڈال کر ایک نئی لسانی تحقیق کی راہ پر چلا دیا۔ آپ کے ایک مرید باصفا جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ ضلع فیصل آباد، برصغیر پاک و ہند میں وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے امام زمانہ کے مذکورہ دعوے کی تائید میں متعدد زبانوں کے مادوں پر تحقیق کی بنیاد رکھتے ہوئے کچھ تحقیقی کتب شائع کی ہیں مثلاً:

1. English traced to Arabic 2. Sanscrit traced to Arabic

اس کے علاوہ آپ نے بعض اور زبانوں کے بعض الفاظ کے متعلق بھی تحقیق کر کے دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ ان کا ماخذ بھی عربی زبان ہے۔

اپنے اس تحقیقی کام پر مکرم شیخ صاحب نے نہ صرف مغربی محققین بلکہ اہل مصر سے بھی خراج تحسین حاصل کیا ہے۔ ان کی یہ کتابیں مشرق و مغرب کی لائبریریوں کی زینت بنی ہوئی ہیں۔

مزید برآں عبرانی زبان کے متعلق تو ماہرین لسانیات کا اتفاق ہے کہ یہ عربی زبان کی جڑواں بہن ہے۔ پھر خاکسار کو چونکہ ایک عرصۂ دراز تک مشرقی افریقہ میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے اور میں نے سواحیلی زبان کا کافی مطالعہ کیا ہے اس لئے میں اپنے تجربے کی بناء پر پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ زبان جو مشرقی افریقہ، وسطی افریقہ اور جنوبی افریقہ میں بھی کروڑوں انسانوں کی Lingua Franca یعنی بین الاقوامی زبان ہے یہ بھی یقیناً عربی زبان سے نکلی ہوئی ہے کیونکہ اس کے تقریباً ۶۰ فیصد الفاظ بالکل عربی یا عربی سے ملتے جلتے ہیں۔

عربی زبان کی اس فضیلت و اہمیت کے پیش نظر مجھے بھی اس الہامی و دینی زبان سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ چنانچہ طالب علمی کے دور میں مجھے اپنے دو انتہائی قابل اور لائق صد احترام بزرگوں سے عربی زبان کے تلمذ کا شرف حاصل ہوا۔ ان میں سے ایک تو علامہ سید میر محمد اسحٰق صاحب تھے۔ جو دہلی کے ایک مشہور سادات خاندان کے زیرک و دانا اور عالم باعمل چشم و چراغ تھے۔ آپ حضرت خواجہ میر درد علیہ الرحمہ کے خاندان سے نبیرہ کے مقام پر تھے۔

حضرت میر صاحب سے یہ خاکسار اور اس کے ہم مکتب طلبہ مدرسہ احمدیہ قادیان عربی زبان کی گرامر پڑھا کرتے تھے۔ آپ ہر روز نماز مغرب کے بعد بورڈنگ مدرسہ احمدیہ کے صحن میں ہم سب کو ایک حلقے میں بٹھا کر گرامر کا سبق اس عمدگی سے پڑھایا کرتے تھے کہ بس اسی وقت وہ ازبر ہو جاتا تھا۔ ان اسباق کو بعد ازاں آپ نے "خلاصہ النحو" کے نام سے شائع کروا دیا۔ اس کتابچے کے متعدد ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ اب بھی یہ کتابچہ گاہ بگاہ خاکسار کے زیر مطالعہ رہتا ہے۔

میرے دوسرے محترم استاد حضرت مولانا ابو العطاء صاحب فاضل جالندھری تھے۔ آپ سالہا سال تک بلاد عربیہ: مصر، شام اور فلسطین میں قیام پذیر رہے اور دفاع اسلام کے سلسلہ میں عیسائی منادوں، اور پادریوں کو ایسے دندان شکن جواب دیئے کہ وہ جو بزعم خویش مکہ و مدینہ پر صلیبی جھنڈا لہراتے دیکھنے کے سہانے خواب دیکھا کرتے تھے، وہ نہ صرف دبک کر رہ گئے بلکہ اُنہیں اپنے دفاع کی فکر پڑ گئی۔

حضرت مولانا مرحوم کا یہ بلند پایہ علم کلام متعدد کتب و رسائل کی صورت طبع ہو چکا ہے اور آج بھی دستیاب ہے۔ ان کی عربی زبان میں بول چال اور تحریر نہایت سلیس و سادہ مگر فصیح و بلیغ ہوتی تھی۔ ان کے اس انداز نے میرے شوق عربی کے لئے مہمیز کا کام کیا۔ اسی شوق کی بدولت خاکسار نے جامعہ احمدیہ میں اپنے عرصہ تلمذ کے دوران ہی مشہور مصری مصنف جرجی زیدان کی مشہور کتب سِلْسِلَةُ رِوَايَاتِ تاريخ الْإِسْلَام کا مکمل سیٹ پڑھ لیا تھا۔ پس ان دونوں بزرگوں کے طفیل ہی مجھے عربی زبان کا شوق پیدا ہوا اور کچھ دسترس ملی فَجَزَاهُمَا اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ

فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ

اس کتاب میں جو تحریریں پیش کی جا رہی ہیں، وہ سوائے چند ایک کے سب قبل ازیں ہفت روزہ "لاہور" ایسے ادبی و علمی اور مؤقر جریدے میں سالہا سال تک چھپ کر قارئین کی نظروں سے گزر چکی ہیں۔

میں مکرم ثاقب صاحب زیروی مدیر شہیر ہفت روزہ "لاہور" کا خصوصاً ممنون ہوں کہ وہ میری ان تحریروں کی نوک پلک سنوار کر انہیں حسین سے حسین تر بنا کر کئی سالوں تک اپنے مؤقر ہفتہ وار "لاہور" میں شائع کرتے رہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

والسلام

خاکسار محمد اسحٰق صوفی عفی اللہ عنہ

بانی احمدیہ مشن لائبیریا (مغربی افریقہ)

و سابق استاد جامعہ احمدیہ ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عربی ادب کی دلچسپ اور پُرلطف روایات

حاضر جوابی

عربی زبان سامی زبانوں میں سے ایک ایسی زبان ہے جو تین امتیازات کی حامل ہے۔ یعنی "سلاست عبارت"، "بلاغت استعارات" اور "مصادر کی کثرت"۔ مصادر کی کثرت اس حد تک ہے کہ بعض علمائے لغت کے نزدیک ان کی تعداد تین لاکھ ہے اور اگر ان مصادر کو ان سے بننے والے "مشتقات یعنی الفاظ سے ضرب دیا جائے تو عربی زبان کے الفاظ کی تعداد دو کروڑ کے قریب پہنچ جاتی ہے اور اس لحاظ سے اغلبا دنیا کی کوئی زبان عربی زبان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

عربوں کو اپنی زبان سب سے زیادہ عزیز تھی۔ اس حد تک کہ وہ اِسے عجمیت یعنی غیر عربی سے پاک رکھنے کے لئے غیر عربوں سے اختلاط کو بہت ناپسند کرتے تھے۔

عربوں کو اپنی زبان دانی پر بڑا ناز تھا اور وہ "حاضر جوابی" کو بہت پسند کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے "نِعْمَ النَّاصِرُ الْجَوَابُ الْحَاضِرُ" یعنی حاضر جوابی بہترین مددگار ہے۔ اور اس لحاظ سے قریش عرب کے سب قبائل میں ممتاز تھے۔ چنانچہ روایت ہے کہ جب حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد امیر معاویہؓ کی حکومت مُلک شام میں مستحکم ہو گئی تو ایک روز حضرت علیؓ کے بھائی عقیل بن ابی طالب اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُس وقت آپ کی بصارت قریباً ختم ہو چکی تھی۔ امیر معاویہؓ نے انہیں بیٹھتے ہی کہا مَالَكُمْ تُصَابُونَ فِي اَبْصَارِ كُمْ یعنی اے بنی ہاشم تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ ہمیشہ تمہاری بصارتیں ہی خراب ہوتی ہیں؟ اس پر حضرت عقیل بن ابی طالب نے اُنہیں فی الفور جواب دیا —— وَ مَا لَكُمْ تُصَابُوْنَ فِيْ بَصَائِرِ كُمْ "یعنی ہماری تو بصارتیں ہی خراب ہوتی ہیں لیکن اے بنو امیہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تمہاری ہمیشہ بصیرتیں ہی خراب ہوتی ہیں۔

اس فی البدیہہ جواب پر امیر معاویہ کو خاموش ہوتے ہی بنی۔

قرآن پاک کی تاثیر

قرآن مجید اپنی روحانی تاثیر اور اخلاقی تعلیم کے لحاظ سے بلاشبہ ایک بے مثل کتاب ہے۔ اس کی ہر عبارت دلوں پر اس طرح اثر انداز ہوتی ہے کہ قرآن اپنے عاشق خود پیدا کرلیتا ہے۔

قرآنِ پاک کی تاثیر روحانی کا ایک شاہکار مشہور صوفی حضرت فضیل بن عیاض تھے جو شروع شروع میں بڑے نامی گرامی ڈاکو ہوا کرتے تھے۔ ایک روز وہ چوری کی نیت سے ایک مسلمان کے گھر میں ایسے وقت میں داخل ہوئے کہ صاحب خانہ اس وقت تلاوت قرآن مجید میں مشغول تھا اور جب حضرت فضیل اُس کے گھر میں داخل ہوئے، تو وہ اُس وقت یہ آیت پڑھ رہا تھا "اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ" "یعنی کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ مومنوں کے دل اللہ کی یاد کے لئے خشوع اختیار کریں" اس آیت کا حضرت فضیل کے کان میں پڑھنا تھا کہ اُسی دم آپ کے محسوسات کی کایا پلٹ گئی۔ آپ نے وہیں توبہ کی اور پھر عبادت و ریاضت میں اس درجہ ترقی کی کہ آپ کا شمار صوفیئہ اسلام کے ممتاز ترین طبقہ میں ہوتا ہے۔

ایک نادر واقعہ

قرآن مجید سارے کا سارا مختلف قسم کے سوال و جواب سے بھرا پڑا ہے۔ یہ سوالات دہریوں، مشرکوں اور کافروں کے ہیں اور قرآن مجید کے سارے جوابات عقلی دلائل اور مطالعہ کائنات پر مبنی ہیں۔ سوال و جواب کے لحاظ سے عشق قرآن کا ایک بالکل نادر واقعہ ایک بدوی عرب عورت کا ہے، جو ہر سوال کے جواب میں صرف قرآن مجید کی کوئی آیت پڑھ کر اپنے سائل کو جواب دیتی تھی۔

عربی ادب کی روایات میں آتا ہے کہ ایک دفعہ یہ عورت حج کے اِرادے سے اپنے گھر سے نکلی لیکن اپنے قافلے سے بچھڑ گئی۔ اس حالت میں یہ ایک درخت کے نیچے بیٹھی تھی کہ اُدھر سے امام عبداللہ بن مبارک (امام فقہ و حدیث) کا گُزر ہُوا جو خود بھی حج پر جارہے تھے، آپ نے اُس بڑھیا کو یوں تنہا دیکھ کر اُس کے قریب جا کر اُسے "السلام علیکم" کہا تو اُس عورت نے اُس کے جواب میں قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی "سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ"

اس کے بعد امام عبداللہ بن مبارک نے اُس سے پوچھا "مَاذَا تَصْنَعِیْنَ هُنَا" یعنی تم یہاں بیٹھی کیا کر رہی ہو؟ جواباً اُس نے کہا

وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ جسے اللہ گمراہ کر دے اُسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں ہے۔

مطلب یہ تھا کہ میں قافلے سے بچھڑ کر راستہ بھول گئی ہوں۔ اس پر امام صاحب نے اُس سے پوچھا کہ آپ کدھر جانا چاہتی ہیں تو اُس عورت نے اس کے جواب میں قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی

"سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَام"

یعنی مَیں مسجد حرام یعنی خانہ کعبہ جانا چاہتی ہوں۔

اس پر آپ نے اُس سے استفسار کیا "اے خالہ! آپ کب سے یہاں ٹھہری ہوئی ہیں؟" تو اُس عورت نے جواباً کہا

"ثَلَاثَ لَیَالٍ سَوِیًّا" یعنی لگاتار تین راتوں سے۔

اس پر آپ نے اُس سے پوچھا کہ تم وضوء کے لئے پانی کہاں سے لیتی ہو تو اُس نے جواب دیا

"فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْ مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا" "یعنی پانی دستیاب نہ ہونے کے باعث تیمم کر کے نماز پڑھتی ہوں۔"

اس پر امام صاحب نے اُسے کھانا پیش کرتے ہُوئے کہا کھانا تناول کریں، اُس نے جواباً کہا:

"ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْل یعنی مَیں روزہ دار ہوں۔

غروب شمس سے پہلے کھانا نہیں کھا سکتی۔ اس پر امام صاحب نے کہا کہ یہ تو رمضان کا مہینہ نہیں ہے۔ اس پر اُس عورت نے کہا

وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَیْراً فَاِنَّ اللّٰہَ شَاکِرٌ عَلِیْمٌ مراد یہ کہ مَیں نے نفلی روزہ رکھا ہُوا ہے۔

اس پر امام صاحب نے کہا کہ سفر میں تو روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے، اس پر اس عورت نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی:

"وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْن" کہ روزہ رکھنا بہرحال بہتر ہے۔

اس پر امام عبداللہ بن مبارک نے اُسے کہا کہ جس طرح مَیں کلام کرتا ہوں تم بھی اُسی لہجے میں کلام کرو۔ اس پر اس عورت نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی:

"مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْد" یعنی تم خواہ کس طرح بولو کراماً کاتبین اُسے لکھ لیتے ہیں۔

اس پر امام صاحب نے اُسے پوچھا: "خالہ! آپ کا تعلق کس قبیلہ سے ہے؟" اُس نے جواباً

قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی۔

"وَ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ" یعنی جس چیز کا تجھے علم نہیں اُس کے پیچھے نہ لگ۔

اس سرزنش کے بعد امام صاحب نے اُسے کہا، "خالہ مجھے معاف کر دیں کیونکہ مَیں نے غلطی کی ہے" اس پر اُس عورت نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی:

"لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ یعنی اللہ آپ کو معاف کرے تم پر کوئی ملامت نہیں۔

اس پر امام صاحب نے اُسے کہا کیا آپ میری اُونٹنی پر سوار ہو کر اپنے قافلہ سے جا ملنے کو پسند کریں گی؟ اس پر اُس عورت نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی: "قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَ اِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ مراد یہ تھی کہ امام صاحب اپنی آنکھیں نیچی رکھیں۔ مَیں اس سواری کے لئے خدا کی تعریف کرتی ہوں اور ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

اونٹنی پر سوار ہونے کے بعد جب امام صاحب نے اپنی اُونٹنی کی مہار پکڑ کر اُسے ہانکا تو اُس عورت نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی:

"وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ" یعنی چال میانہ رکھو اور اُونچی آواز سے نہ ہانکو۔

اس پر آپ آہستہ چلنا شروع ہوئے اور حدی خوانی شروع کر دی۔ اس پر عورت نے کہا:

"فَاقْرَ ؤُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰن" یعنی حدی کی بجائے قرآن مجید پڑھو۔

کچھ دیر کے بعد امام صاحب نے کہا "خالہ! کیا آپ شادی شدہ ہیں؟ اس پر عورت نے کہا:

"لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَاءَ اِنْ تُبْدَلَكُمْ تَسُؤْكُمْ" یعنی ایسی باتوں کے متعلق مت پوچھو جو اگر تمہیں بتا دی جائیں تو تمہیں برا لگے گا۔

مراد یہ تھی کہ مَیں شادی شدہ ہوں۔ پھر جب چلتے چلتے آپ اُس عورت کے ساتھ اُس کے قافلے کے قریب پہنچے تو امام صاحب نے اُس سے پوچھا کہ "کیا اس قافلے میں تمہارا کوئی بیٹا یا کوئی اَور رشتہ دار ہے اس پر اُس عورت نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی: "اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا" مراد یہ تھی کہ اس قافلہ میں میرے بیٹے ہیں۔ اس پر آپ نے اس سے پوچھا کہ اس قافلہ میں تمہارے بیٹے کس کام پر مامور ہیں؟ تو اس نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی "وَ عَلَامَاتٌ وَ بِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ" یعنی میرے لڑکے اس قافلے کے گائیڈ یعنی رہبر ہیں۔ اس

پر امام صاحب نے اُس عورت سے اس کے لڑکوں کے نام پوچھے تو اُس عورت نے قرآن مجید کی یہ آیات پڑھیں وَاتَّخَذَاللّٰهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلاً" "وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا" "وَ يَا يَحْيٰى خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ" یعنی میرے تین بچے ہیں۔ ابراہیم، موسیٰ اور یحییٰ۔ یہ سن کر امام صاحب نے بلند آواز سے اِن تینوں لڑکوں کو پکارا تو وہ سب بڑی تیزی سے آپ کے پاس آ گئے اور اُس عورت نے یہ آیت پڑھی "فَابْعَثُوْا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَا اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ" یعنی جلدی کسی آدمی کو رقم دے کر بھیجو اور کھانا منگاؤ" چنانچہ ان لڑکوں میں سے ایک جلدی کھانا لے کر آ گیا تو اس عورت نے امام صاحب کو مخاطب کر کے یہ آیت پڑھی: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْئاً بِمَا اَسْلَفْتُمْ فِى الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ" یعنی امام صاحب آئیں اور ہمارے ساتھ کھانا کھائیں۔

کھانا کھانے کے بعد اُس عورت کے لڑکوں نے امام صاحب سے کہا کہ ہماری والدہ گذشتہ چالیس سال سے صرف قرآن مجید کی عبارت میں ہی ہم سے کلام کرتی ہیں جو اُن کے قرآن کریم سے عشق کی منہ بولتی گواہی ہے۔

کسی عرب نے کیا ہی خوب کہا ہے:

"وَلِلنَّاسِ فِيْمَا يَعْشَقُوْنَ مَذَاهِبُ"

یعنی لوگوں کے عشق کی کئی قسمیں ہیں، اس بدوی عورت کو قرآن مجید سے سچا عشق تھا۔ اس لئے وہ ہر بات میں قرآن ہی کی کوئی آیت پڑھ کر اپنا مدعا بیان کرتی تھی۔

اس دَور میں قرآن کریم کے ایک عاشق صادق (حضرت بانی سلسلہ احمدیہ) نے بھی کس وارفتگی سے اس صحیفہ ربانی کے ساتھ اپنے عشق کا اظہار کیا ہے کہتے ہیں ؎

دِل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے

محاسن اور اضداد

یہ دنیا بوقلموں رنگوں سے مزین و مرصع ہے۔ کچھ رنگ مرغوب ہیں تو کچھ رنگ مکروہ لیکن یہ تضاد اگر مٹ جائے تو نہ مرغوب کا پتہ چلے اور نہ مکروہ کا علم ہو سکے۔ بالکل ایسے ہی جیسے اگر دن اور رات دونوں اپنی ممیز و ممتاز علیحدہ علیحدہ شکلوں میں موجود نہ ہوں تو نہ دن کا پتہ چلے نہ رات کا۔ اسی لئے ذوق کہتا ہے ع

اَے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

اور عربی زبان کا محاورہ ہے وَ بِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْاَشْيَاءُ یعنی اشیاء اپنی ضد یعنی اُلٹ سے پہچانی جاتی ہیں۔

اور اس زمانہ کا ایک بزرگ کامل اپنے فارسی کلام میں زندگی کی اس کیفیت کو یوں بیان کرتا ہے ؎

گر نہ بودے در مقابل روئے مکروہ و سیاہ
کس چہ دانستے جمال شاہد گلفام را

علامہ جاحظ نے اس بارہ میں ایک کتاب مدون کی ہے جس کا نام ہی اُس نے "اَلْمَحَاسِنُ وَالْاَضْدَاد" رکھا ہے۔

علامہ حریری نے بھی اپنے قیمتی مقالات میں سے بعض میں اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور اس ضمن میں اس کا مقالہ "دیناریہ" پڑھنے کے قابل ہے جس میں وہ مال کی تعریف میں اوّلاً یوں لب کشائی کرتا ہے ؎

وَحبَّذَا مَغْنَاتُهٗ وَ نَضْرَتُهٗ
كَمْ اُمِرٍ اسْتَتَبَّتْ بِهٖ اِمْرَتُهٗ
وَ كَمْ اَسِيرٍ اَسْلَمَتْهُ اُسْرَتُهٗ
اَنْقَذَهٗ حَتّٰى صَفَتْ مُسَرَّتُهٗ
وَ حَقِّ مَوْلٰى اَبْدَعَتْهُ فِطْرَتُهٗ
لَوْ لَا التُّقٰى لَقُلْتُ جَلَّتْ قُدْرَتُهٗ

(ترجمہ) یعنی مال انسان کو کیسے بے فکر کر دیتا ہے اور اس کی تر و تازگی کیسی اچھی ہے اور کتنے آمر ہیں کہ جن کی آمریت صرف مال کے باعث قائم ہو جاتی ہے اور کتنے ہی قیدی ہیں کہ جن کو اُن کے گھر والوں نے بے پروائی سے قید میں چھوڑ دیا۔ لیکن مال نے اُسے اس اسیری سے رہائی دلا کر اُس کی خوشی کو دوبالا کر دیا اور خدا کی قسم جس نے مال کو اس بے نظیر حالت میں پیدا کیا ہے۔ اگر خدا کا خوف نہ ہوتا تو مَیں کہتا کہ جہاں اللہ تعالیٰ کی ذات جل جلالہ ہے وہاں مال بھی اپنی قدرت میں اس کا شریک ہے۔ اور جل جلالہ کہلانے کا مستحق ہے۔

پھر اسی مقالہ میں علامہ حریری مال کی مذمت ان الفاظ میں کرتے ہیں ؎

تَباً لَهٗ مِنْ خَادِعٍ مُمَاذِقٍ
اَصْفَرَذِى الْوَجْهَيْنِ كَالْمُنَافِقِ
وَ حُبُّهٗ عِنْدَ ذَوِى الْحَقَائِقِ
يَدْعُوا اِلٰى ارْتِكَاب سُخْطِ الْخَالِقِ

لَولَاهُ لَمْ تُقْطَعْ يَدُ السَّارِقِ
وَلَا بَدَتْ مَظْلَمَةٌ مِن فَاسِقٍ

(ترجمہ) یعنی خدا اُس کا بیڑہ غرق کرے، یہ دھوکہ باز اور بے وفا ہے۔ زرد رنگ کا ہے اور منافق کی طرح اس کے دو چہرے ہیں۔ (بلکہ اس کی دونوں طرفیں چھپی ہوئی ہوتی ہیں) اہل حقیقت کے نزدیک اس کی محبت ایسی چیزوں کے ارتکاب پر آمادہ کرتی ہے جس سے خدا ناراض ہوتا ہے اگر مال نہ ہوتا تو نہ تو کسی چور کا ہاتھ کاٹا جاتا اور نہ ہی کسی فاسق سے فسق کا ارتکاب ہوتا۔

بہترین طنز

خالد بن صفوان نے ایک دن فرزوق شاعر کو جو قدرے بدشکل تھا کہا لَو رَاَتْكَ صُوَيْحَبَاتُ يُوسف لَمَا اَكْبَرْنَكَ وَ لَمَا قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ یعنی اگر یوسفؑ کے وقت کی عورتیں تمہیں دیکھتیں تو کبھی تیری عظمت کی قائل نہ ہوتیں۔ اور نہ حیرت سے اپنی انگلیاں کاٹتیں۔ اس پر فرزوق نے اسے ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا "لو رَاَتْكَ صَاحِبَةُ مُوسٰى لَمَا قَالَتْ يٰاَبَتِ اسْتَاجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْن" یعنی اگر موسیٰؑ کے وقت کی عورت تجھے دیکھ لیتی تو کبھی اپنے باپ سے یہ نہ کہتی کہ اے باپ اس کو ملازم رکھ لے کیونکہ بہترین ملازم وہ ہوتا ہے جو امین بھی ہو اور طاقتور بھی۔ گویا کہ فرزوق نے اُس پر الزام لگایا کہ نہ تو تُو امین ہے اور نہ ہی طاقتور۔

مامون کی ذہانت

خلیفہ ہارون الرشید کا صاحبزادہ مامون الرشید علامہ کسائی سے قرآن مجید پڑھ رہا تھا۔ اور کسائی کا دستور یہ تھا کہ وہ اپنے سر کو نیچے کیے ہوئے سنتا رہتا۔ جونہی مامون سے کوئی غلطی ہوتی تو وہ اپنا سر اوپر اٹھاتا جس پر مامون سمجھ جاتا کہ کوئی غلطی ہوئی ہے اس لئے وہ اس آیت کو دوبارہ توجہ سے پڑھ کر صحیح کر لیتا۔

ایک دن مامون نے سورہ الصف کی یہ آیت پڑھی: "يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ" اس پر علامہ کسائی نے اپنا سر اٹھایا تو مامون سمجھا کہ شاید مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے اس لئے اُس نے اس آیت کو دوبارہ غور کے بعد پڑھا لیکن کوئی غلطی نظر نہ آئی اور نہ ہی علامہ کسائی نے دوبارہ اپنا سر اُٹھایا۔

سبق پڑھنے کے بعد مامون گھر آیا اور اپنے والد ہارون الرشید سے واقعہ بیان کرتے ہوئے

پوچھا "ابا جان! کیا آپ نے علامہ صاحب سے کوئی وعدہ کیا تھا۔ اگر کیا تھا تو علامہ صاحب اُس کی وعدہ وفائی چاہتے ہیں"۔ اس پر ہارون الرشید نے کہا "وعدہ تو مَیں نے ضرور کیا تھا لیکن تمہیں کیسے پتہ چلا کہ مَیں نے اُن سے کوئی وعدہ کیا تھا۔ اس پر مامون نے سارا واقعہ من و عن بیان کر دیا تو ہارون الرشید کو مامون کی حدت ذکاوت و ذہانت سے بہت خوشی ہوئی۔

ہرن مذکر ہے یا مؤنث؟

ایک راوی روایت کرتا ہے کہ ابو العباس احمد بن یحییٰ نے ایک دن اُس سے پوچھا "اَلظبیُ مَعْرِفَةٌ اَوْ نِکْرَةٌ؟ یعنی کیا ہرن مذکر ہے یا مؤنث؟" راوی کہتا ہے کہ میں نے اُسے فی الفور جواب دیا اِنْ کَانَ مَشْوِیًّا عَلَی الْمَائِدَةِ فَمَعْرِفَةٌ وَ اِنْ کَانَ فِی الصَّحْرَاءِ فَهُوَ نَکِرَةٌ یعنی اگر تو وہ بھنا ہوا دستر خوان پر مل جائے تو معرفہ ہے اور اگر صحرا میں ہو تو وہ نکرہ ہے۔

طبیب لاجواب

بغداد میں نعمان نامی ایک طبیب تھا جس کے ہاتھ سے کسی مریض کو شفا نہ ہوتی تھی۔ اس پر ایک عرب شاعر نے اُس کے متعلق کہا ؎

اَقُولُ لِنُعْمَانَ وَ قَدْ سَاقَ طِبُّهٗ
نَفُوسٌ نَفِیسَاتٌ اِلٰی دَاخِلِ الْاَرْضِ
اَبَا مُنذِرٍ اَفْنَیْتَ فَاستَبقِ بَعْضَنَا
حَنَانِیكَ بَعْضُ الشَرِّ اَهْوَنُ مِن بَعْضٍ

(ترجمہ) یعنی میں لقمان حکیم سے کہتا ہوں اس حال میں کہ اُس کی طبابت نے نہایت اعلیٰ نفوس کو زمین میں داخل کر دیا ہے کہ اے ابو منذر تو نے فنا پر زور دیا ہُوا ہے۔ رحم کر اور ہم میں سے کچھ کو تو باقی رہنے دے۔ کیوں کہ کچھ شر تو دوسرے شر سے کم ہوتا ہے۔

اسی واقعہ سے ملتا جلتا ایک واقعہ علامہ اقبال کو بھی پیش آیا تو انہوں نے کہا ؎

موچی دروازہ میں ہیں فخر اطبائے زماں
اُن سے امید شفاء لیکن خیالِ خام ہے

حرص و آز

حرص و آز اور طمع و لالچ انسانی معاشرے میں تمام برائیوں اور خرابیوں کی جڑ ہے۔ ہر برائی کا

محرک حرص و آز ہے۔ اسی لئے سب انبیاء، اولیاء، عقلاء اور نیک طینت شعراء نے اس قباحت کو معاشرہ سے اکھاڑنے کی پوری پوری کوشش کی ہے۔ حضور سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ایک حدیث میں فرماتے ہیں: لَوْ کَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِیًا مِنْ ذَھَبٍ لَابْتَغٰی ثَانِیًا وَ لَوْ کَانَ لَہٗ اثْنِیْنِ لَابْتَغٰی ثَالِثًا وَ لَا یَمْلَأُ فَاہُ اِلَّا التُّرَابُ (ترجمہ) "اگر انسان کو سونے کی بھری ہوئی ایک وادی مل جائے تو اُس کا دل یہی چاہتا ہے کہ کاش اُسے ایک اور اَیسی وادی مل جائے اور اگر اُسے دوسری بھی مل جائے تو پھر اُس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ کاش! اُسے تیسری وادی بھی مل جائے اور اُس کے منہ کو قبر کی مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔"

ہندوستان کا مشہور فارسی شاعر مرزا عبدالقادر بیدل کہتا ہے ۔

حرص قانع نیست بیدل ورنہ اسباب جہاں
آں چہ ما در کار داریم اکثرے درکار نیست

اور غالبؔ نے بھی تو سوچ سمجھ کر یہی کہا تھا کہ ۔

حرص کے پھیلتے ہیں پاؤں بقدر وسعت
تنگ ہی ہوتے ہیں دنیا میں امیری والے

اور یہ بھی تو حرص و آز ہی کا کرشمہ ہے کہ وہ اشیاء جو غرباء کے نزدیک "لکشریز" یعنی سامان تعیش شمار ہوتی ہیں۔ جیسے ریفریجریٹر، ٹی وی، اور وی سی آر وغیرہ امراء کے نزدیک اُن کا شمار ضروریات زندگی اور حوائج ضروریہ میں ہوتا ہے۔

بہرحال عربی ادب میں حرص و آز سے باز رہنے پر بہت زور دیا گیا ہے تاکہ سب انسان خوشگوار زندگی بسر کر سکیں اور دولت سمٹ سمٹا کر چند ہاتھوں میں اکٹھی نہ ہو جائے —— قرآن کریم نے اس کے لئے دو طریق وضع کئے ہیں —— ایک —— تو سود سے منع کیا اور دوسرے زکوٰۃ کو ایک فریضہ قرار دیا اور اسے ایک ایسا صدقہ قرار دیا جو امراء پر غرباء کا حق ہوتا ہے اور ان دونوں امور کی وجہ یہ بیان کی کہ لِکَیْلَا یَکُوْنُ دُوْلَۃً بَیْنَ الاَغْنِیَاءِ مِنْکُمْ (یعنی) تاکہ دولت صرف امراء ہی میں چکر نہ لگاتی رہے —— ایک عرب شاعر کہتا ہے ۔

اَرَی الدُّنْیَا لِمَنْ ھِیَ فِی یَدَیْہِ
عَذَابًا کُلَّمَا کَثُرَتْ لَدَیْہِ
تُھِیْنُ الْمُکْرِمِیْنَ لَھَا بِصِغْرٍ
وَ تُکْرِمُ کُلَّ مَنْ ھَانَتْ عَلَیْہِ

یعنی "مَیں دیکھتا ہوں کہ دنیا کا مال و دولت کسی انسان کے پاس جس قدر زیادہ ہوتا ہے اُتنا ہی

اس کے لئے وبالِ جان بن جاتا ہے۔ یہ دُنیا تو ایسی ہے کہ جو اس کی عزت کرتے ہیں۔ یہ حقارت کے ساتھ اُن کی توہین و تذلیل کرتی ہے لیکن جو لوگ اس سے منہ موڑتے ہیں یہ ان کی عزت کرتی ہے۔ جیسے انبیاء اور اولیاء کہ یہ دنیا سے بھاگتے ہیں اور دنیا ان کے پیچھے بھاگتی ہے۔"

ایک اور عرب شاعر کہتا ہے۔

وَ لا تَجْمَعْ مِنَ الْمَالِ
فَلاَ تَدْرِی لِمَنْ تَجْمَعْ
وَ اَمْرُ الرِّزْقِ مَقْسُوْمٌ
وَ سُوْءُ الظَّنِّ لاَیَنْفَعْ
فَقِیْرٌ مَنْ لَهٗ حِرْصٌ
غَنِیٌّ کُلُّ مَن یَقنَعْ

یعنی: "مال و دولت کو جمع نہ کر کیونکہ تجھے معلوم نہیں کہ تُو کس کے لئے جمع کر رہا ہے (اہل کے لئے، یا نااہل کے لئے) اور رزق تو اللہ تعالیٰ نے مقدر میں لکھا ہُوا ہے۔ اس لئے بدظنی کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہر وہ شخص جو حریص ہے۔ سدا محتاج ہے۔ لیکن ہر قناعت پسند شخص اصل میں مالدار ہے۔

شعروشاعری

شعروشاعری انسانی مافی الضمیر کے اظہار کا ایک بہت ہی عمدہ ذریعہ ہے اور انسانی فطرت ایسی واقع ہوئی ہے کہ اُسے مقفی و مسجع عبارت نہ صرف اچھی لگتی ہے بلکہ اُس کے دل نشیں بھی ہوتی ہے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ایک حدیث میں فرماتے ہیں۔

"اِنَّ مِنَ الشِّعرِ لَحِکمَةٌ وَ
اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرٌ"

یعنی: "بعض اشعار حق و حکمت سے لبریز ہوتے ہیں اور بعض کلام جادو اثر ہوتے ہیں۔"

اس لئے ہر ذی شعور شاعر کے منہ سے بعض اوقات ایسے اشعار نکلتے ہیں جو درحقیقت حق و حکمت کے موتی ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں زہیر بن ابی سلمیٰ (جو اصحاب معلقات میں سے ایک ممتاز شاعر ہے) کے قصیدہ کے آخری چند اشعار درج ذیل ہیں ملاحظہ ہو زمانہ کے لحاظ سے جاہلیت یعنی زمانۂ ماقبل اسلام کا شاعر ہے۔ مگر اُس کے منہ سے کیسے کیسے پھول جھڑتے ہیں۔ کہتا ہے:

سَئِمتُ تَکَالِیْفَ الْحَیٰوۃ وَ مَن یَعِشْ
ثمَانِیْنَ حَوْلاً لاَ اَبَالَكَ یَسْئَم

وَ اَعْلَمُ مَا فِی الْیَوْمِ وَالْاَمْسِ قَبْلَهٗ
وَلٰکِنَّنِی عَنْ عِلْمِ مَا فِی غدٍعَمِ

وَ مَنْ یَّكُ ذَافَضْلٍ فَیَبْخَلْ بِفَضْلِهٖ
عَلَی قَوْمِهٖ یُسْتَغْنَ عَنْهٗ وَ یُذْمَم

وَ مَنْ لَمْ یَذُدْ عَنْ حَوْضِهٖ بِسَلاَحِهٖ
یُهَدَّمْ رَ مَنْ لاَ یَظْلِمِ النَّاسَ یُظْلَم

وَ مَهْمَا تَکُنْ عِندَ امْرِیءٍ مِنْ خَلِیقَةٍ
وَ اِنْ خَالَهَا تَخفَی عَلَی الناسِ تُعْلَم

لِسَانُ الْفَتَی نِصْفٌ وَ نِصْفٌ فوادُهٗ
فَلَمْ یَبْقَ اِلا صُورَةُ اللَّحْمِ وَالدَّم

وَ اِنَّ سَفَاهَ الشَّیخِ لاَحِلْمَ بَعْدَهٗ
وَ اِنَّ الْفَتَی بَعْدَ اسَّفَاهَةِ یَحْلُم

(ترجمہ) ا۔۔۔ "مَیں زندگی کی تکالیف سے اکتا چکا ہوں اور تیرا باپ مرے جو اسی سال کا ہو جائے وہ اکتائے نہ تو اور کیا کرے۔

۲۔۔۔ اور مجھے یہ تو علم ہے کہ آج کیا ہُوا ہے اور کل کیا ہُوا تھا لیکن میں آئندہ کل کے بارے میں بالکل لاعلم ہوں۔

۳۔۔۔ اگر کوئی صاحب فضیلت ایسا ہے جو اپنی قوم کو اپنی فضیلت سے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا تو لوگ لازماً اس سے بے نیاز ہو جائیں گے بلکہ اس کی مذمت بھی کی جائے گی۔

۴۔۔۔ اور جو شخص اپنے ہتھیاروں سے اپنے حوض کی مدافعت نہیں کرے گا اس کا حوض گرا دیا جائے گا اور جو لوگوں پر دباؤ نہیں ڈالے گا اس پر ظلم کیا جائے گا۔

۵۔۔۔ کسی آدمی کے پاس کیسی ہی کوئی خصلت ہو اور اسے یہ خیال ہو کہ یہ چھپی رہے گی، یہ ضرور معلوم کر لی جائے گی۔

۶۔۔۔ آدمی کی زبان اس کا نصف اور نصف اس کا دل یعنی دماغ ہے اور باقی تو صرف خون اور اس کے گوشت کی شکل و صورت ہے اور بس۔

۷۔۔۔ بڑھاپے کی بیوقوفی اور جوانی کی بیوقوفی میں فرق یہ ہے کہ جوان بیوقوفیاں کرنے کے بعد سنبھل کر عقلمند ہو جاتا ہے مگر جب بوڑھا آدمی عقل کھو بیٹھے تو اس کے دوبارہ عقلمند ہونے کا کوئی امکان نہیں رہتا۔

شعر کی اقسام

لغت عرب کے "علماء ادب" کہتے ہیں کہ لفظی اور معنوی اعتبار سے شعر کی چار قسمیں ہیں۔

قسم اول:

وہ جس میں شعر کے الفاظ بھی اچھے ہوں اور معنی بھی عمدہ ہوں۔ جیسے فرزدق کے یہ دو شعر جن میں وہ حضرت علیؓ بن حسینؓ کی مدح کرتا ہے:

فی کَفِّہٖ خَیْزَرَانٌ رِیْحُہٗ عَبِقٌ
فِی کَفِّ اَرْوَعَ فِی عِرْنِیْنِہٖ شَمَمُ
یُغْضِی حَیَاءً وَ یُغْضَی مِن مَهَابَتِہٖ
فَلَا یُکَلَّمُ اِلا حِینَ یَبْتَسِمُ

"اس کے ہاتھ میں بید کی ایک ایسی چھڑی ہے جس سے ساری فضا معطر ہے اور اس کی ہتھیلی ایک ایسے خوبرو انسان کی ہے جس کی ناک بلند ہے (مراد وہ عالی النسب ہے) ـــــ ازراہ حیا وہ اپنا سر جھکائے رکھتا ہے اور لوگوں کے سر اس کی ہیبت سے جھکے رہتے ہیں اور جب تک وہ خود متبسم نہ ہو کسی کو اس سے کلام کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔"

قسم دوم

وہ شعر جس کے الفاظ تو عمدہ ہوں لیکن معانی کے اعتبار سے اس میں کوئی خاص بات نہ ہو جیسے یہ شعر ؎

فَلَمَّا قَضَیْنَا مِن مَنًی کُلَّ حَاجَةٍ
وَ مَسَحَ بِالْاَرْکَانِ مِنْ کَانَ مَاسِحُ
اَخَذْنَا بِاَطْرَافِ الْحَدِیْثِ بَیْنَنَا
وَ سَالَتْ بِاَعْنَاقِ الْمَطِیِّ الْاَبَاطِحُ

(ترجمہ) جب ہم میدان منیٰ میں تمام ارکان حج سے فارغ ہو گئے اور طواف وداع بھی پورا کر لیا تو ہم ایک دوسرے سے باتوں میں لگ گئے اور ہماری اونٹنیاں تیزی کے ساتھ مختلف وادیوں میں دوڑنے لگیں۔

قسم سوم:

وہ ہے جس میں شعر کا مفہوم تو بہت عمدہ اور اعلیٰ ہو لیکن الفاظ شایانِ شان شوکت سے معرا ہوں جیسے حضرت لبید کا یہ شعر۔

مَا عَاتَبَ الْمَرْءَ الْكَرِيمَ كَنَفْسِهٖ
وَالْمَرْءُ يُصلِحُهُ الْجَلِيسُ الصَّالِحُ

(ترجمہ) "شریف انسان کو اس کے اپنے نفس سے بہتر ڈانٹنے والا کوئی نہیں مل سکتا اور ایک نیک دوست یقیناً انسان کی اصلاح کر سکتا ہے۔"

قسم چہارم:

وہ ہے جس کے الفاظ بھی اتنے عمدہ نہ ہوں اور مفہوم بھی جلد سمجھ میں نہ آ سکے جیسے اعشیٰ نامی شاعر کا یہ شعر۔

يَاخَيرَ مَنْ يَركَبُ الْمَطِيَّ وَ لاَ
يَشْرِبُ كَاسًا بِكَفِّ مَن بَخِلاَ

(ترجمہ) "اے وہ شخص جو سواری کرنے والوں میں بہترین ہے اور جو بخیل کے ہے ہاتھ سے شراب کا پیالہ کبھی نہیں پیتا۔"

(بخیل کے ہاتھ سے مراد یہ کہ وہ چونکہ بخیل نہیں اور اُسے بخل سے اس قدر نفرت ہے کہ وہ بخیل کے ہاتھ سے پانی بھی پینے کو تیار نہیں۔)

شاہ پھلواروی کی شگفتہ مزاجی اور کفر کا فتویٰ

ایجوکیشنل کانفرنس کا ایک اجلاس ڈھاکہ میں ہو رہا تھا۔ کچھ علماء نے کانفرنس کے بارہ میں کفر کا فتویٰ صادر کر دیا تھا۔ شہر میں شدید ہنگامہ تھا۔ مخالف اور موافق بری طرح الجھ رہے تھے۔ فضاء بے حد خراب تھی حضرت سید شاہ سلیمان پھلواروی نے اثنائے تقریر میں فرمایا ــــــ "صاحبو! کچھ ملّاؤں نے کانفرنس والوں پر کفر کا فتویٰ لگا دیا ہے لیکن نواب محسن الملک مہدی علی خاں تو مہدی ہیں۔ مہدی کو بھلا کون مسلمان دجال کہے گا؟ اب رہا میں تو مجھ پر بھی تمہارے سامنے دو دو فتوے ایک پر ایک رکھے ہیں۔ ان میں سے جس کو چاہو بلا تکلف قبول کر لو۔ ایک فتویٰ مولوی صاحبان کا اور دوسرا اللہ میاں کا۔ اللہ میاں فرماتے ہیں وَ مَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَ لٰكِنَّ الشَّيَاطِيْنَ كَفَرُوا" یعنی سلیمان نے کفر نہیں بلکہ شیطانوں نے کفر کیا ہے۔

یہ سنتے ہی مجمع بے اختیار ہنس پڑا اور کفر کی گھٹا یکلخت چھٹ گئی۔

عقیل بن ابی طالب

حضرت عقیل بن ابی طالب اپنے بھائی حضرت علیؓ سے کسی وجہ سے ناراض ہو کر حضرت معاویہؓ کے پاس رہائش پذیر ہوئے تو ایک دن حضرت معاویہؓ نے اُن سے کہا کہ دیکھو علیؓ نے تم سے قطع رحمی کا سلوک کیا ہے اور مَیں نے تم سے صلہ رحمی کی ہے۔ اب تم لوگوں کے سامنے بر سر منبر علیؓ پر لعنت کرو۔ حضرت عقیلؓ نے کہا بہت اچھا اور منبر پر چڑھ کر کہا۔

"یَاایُّھَا النَّاسُ اِنَّ اَمِیْرَ الْمُومِنِیْنَ مُعَاوِیَةَ اَمَرَنِیْ اَنْ اَلْعَنَ عَلِیَّ اِبْنَ اَبِیْ طَالِبٍ فَالْعَنُوهُ فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰئِکَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ"

یعنی امیرالمومنین معاویہؓ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں علیؓ بن ابی طالب پر لعنت کروں۔ پس تم اُس پر لعنت کرو اور اللہ کی اُس کے فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت اس پر ہو۔ یہ کہہ کر منبر سے نیچے اُتر آئے۔ اس پر حضرت معاویہؓ نے اُن سے کہا کہ تونے تو یہ واضح نہیں کیا کہ تم لعنت کس پر کر رہے ہو۔ کیونکہ ہٗ کی ضمیر دونوں طرف (علیؓ اور معاویہؓ) پھر سکتی ہے۔ اس پر حضرت عقیلؓ نے کہا وَاللّٰهِ لَا زِدْتُ حَرْفًا وَّلَا انْقَصْتُ الدُّعَآءَ حَرْفًا وَّالْکَلَامُ دَائِمًا یَنْصَبُّ اِلٰی نِیَّةِ الْمُتَکَلِّمِ "یعنی بخدا اب نہ تو میں ایک حرف زائد کروں گا اور نہ دُعا سے ایک حرف کم کروں گا اور کلام تو ہمیشہ متکلم کی نیت کے مطابق ہوتا ہے۔

ہارون الرشید اور بہلول مجنون

عربی ادب میں عباسی خلیفہ ہارون الرشید کا ہم عصر بہلول جو مجنون کے نام سے مشہور ہے۔ ایک معروف کردار ہے کہتے ہیں کہ اُس نے کسی حکومتی عہدہ (غالباً قضاء) سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو جان بُوجھ کر مجنوں بنالیا حالانکہ وہ نہایت دانا اور عقل مند انسان تھا اور اشاروں کنایوں میں وہ ایسی باتیں کر جاتا تھا جو حق و حکمت پر مشتمل ہوتی تھیں۔

مشہور ہے کہ وہ اپنے آپ کو اہل تشیع میں ظاہر کیا کرتا تھا۔ ایک دن اسے کہا گیا کہ ابوبکرؓ اور علیؓ دونوں میں سے تیرے نزدیک کون افضل ہے؟ تو اُس نے کہا اَمَا وَ اَنَا فِی کِنْدَةَ فَعَلِیٌّ وَ اَمَا وَ اَنَا فِیْ ضَبَّةَ فَاَبُوبَکْرٍ یعنی جب میں کندہ میں ہوتا ہوں (جو غالی شیعوں کا مرکز تھا) تو علی افضل ہے لیکن جب میں ضبہ میں ہوتا ہوں (جو اہل سنت کا مرکز تھا) تو ابوبکرؓ افضل ہے۔

عربی ادب کی روایات میں آتا ہے کہ ایک دفعہ جب ہارون الرشید کوفہ گیا تو لوگ اُسے دیکھنے

کے لئے گھروں سے نکل کر بازاروں میں آ گئے تو اس موقعہ پر بہلول نے تین دفعہ ہارون الرشید کا نام لے کر اُسے پکارا۔ اس پر ہارون الرشید کو بڑا تعجب ہُوا۔ اور اُس نے کہا کہ مجھے میرے نام سے پکارنے کی جرأت کس نے کی ہے؟ اُسے بتایا گیا کہ یہ بہلول مجنون ہے۔ اُس پر اُس نے اپنی پالکی کا پردہ اُٹھا کر کہا بہلول! اس پر بہلول نے کہا لَبَّیْكَ یَا اَمِیْرَ الْمُومِنِیْنَ پھر کہا کہ ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ جب آنحضرت صلعم "جُمرَۃُ العُقبہ" کو کنکریاں مار رہے تھے تو حالت یہ تھی کہ "لَا ضَرْبَ وَ لَا طَرْدَ وَ لَا قِیْلَ بَیْنَ یَدَیْہِ اِلَیْكَ اِلَیْكَ" یعنی اُس وقت ہجوم میں سے کسی کو نہ تو مارا گیا نہ کسی کو دُھتکارا گیا اور نہ یہ کہا گیا کہ ہٹو ہٹو۔ اس لئے اس مقام پر یعنی آپ کی یہاں آمد پر آپ کی تواضع اور انکساری آپ کے لئے آپ کے تکبر اور تجبر سے زیادہ بہتر ہے۔ یہ سن کر ہارون الرشید آب دیدہ ہو گیا اور اُس کے آنسو زمین پر گرنے لگے اور کہا۔ اَحْسَنْتَ یَا بَھلُولُ زِدْنَا یَرْحَمُكَ اللّٰہُ یعنی بہلول تُو نے بہت اچھی بات کی ہے۔ اللہ تم پر رحم کرے کچھ اور کہو۔

اس پر بہلول نے کہا ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا اَیُّمَا رَجُلٍ اٰتَاہُ اللّٰہُ مَالاً وَ جَمَالاً وَ سُلْطَانًا فَاَنْفَقَ فِیْ مَا لِہٖ وَ عَفَّ فِیْ جَمَالِہٖ وَ عَدَلَ فِیْ سُلْطَانِہٖ کُتِبَ فِیْ خَالِصِ دِیْوَانِ اللّٰہِ مِنَ الْاَبْرَارُ یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ مال و جمال اور بادشاہت سے نوازے اور وہ اس مال سے اللہ کی راہ میں خرچ کرے اور اپنے حسن و جمال کے باوجود عفت پسند ہو اور بادشاہت میں عدل و انصاف سے کام لے تو وہ اللہ تعالیٰ کے خاص دفتر میں نیکوں میں لکھا جائے گا"۔ یہ سن کر ہارون الرشید نے کہا اے بہلول تُو نے بہت اچھی بات کہی ہے اور اُسے انعام دینے کا حکم دیا۔ اس پر بہلول نے کہا کہ اے بادشاہ یہ انعام اُن لوگوں کو واپس کر دے جن سے تُو نے لیا تھا۔ مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس پر ہارون الرشید نے کہا اے بہلول اگر تمہارے ذمہ کوئی قرض ہو تو ہم اُسے ادا کر دیں۔ اس پر بہلول نے کہا اے امیرالمومنین کوفہ کے اہل رائے نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ قَضَاءُ الدَّیْنِ بِالدَّیْنِ لَا یَجُوزُ یعنی قرض لے کر قرض کی ادائیگی ناجائز ہے۔ اس پر ہارون الرشید نے کہا "اے بہلول کیا ہم تمہارے لئے کوئی وظیفہ مقرر کر دیں؟ اس پر بہلول نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا کر کہا "اَنَا وَ اَنْتَ فِیْ عَیَالِ اللّٰہِ وَ مُحَالٌ اَنْ یَذْکُرَكَ وَ یَنْسَانِیْ یعنی اے بادشاہ مَیں اور آپ دونوں اللہ کا کنبہ ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ وہ آپ کو تو یاد رکھے اور مجھے بھول جائے اس پر ہارون الرشید بالکل لاجواب ہو گیا اور چلا گیا۔ بہلول مجنون کا یہ واقعہ اِس زمانہ کے علماء کے لئے جو بھاگ بھاگ کر حکومتی عہدوں اور وزارتوں کی طرف جاتے ہیں ایک درسِ عبرت ہے۔ اگر ان لوگوں میں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اور اُس کی ذات پر کامل توکل ہوتا تو یہ لوگ کبھی الیکشنوں میں حصہ نہ لیں بلکہ اپنے طور پر خدمت خلق اور

اصلاح اخلاق کو اپنا نشانِ امتیاز بنائیں۔ مگر اس طبقہ علماء کی حب دنیا تو چھپائے نہیں چھپ سکتی۔ آنحضرت صلعم نے تو فرمایا تھا کہ بُعِثْتُ لِاُ تَمِّمَ مَکَارِمَ الْاِخْلَاقِ یعنی میری بعثت کی غرض اخلاق فاضلہ کی تکمیل ہے۔ آج مسلمان اخلاقی اعتبار سے قعرمذلت میں پڑے ہوئے ہیں اُس کا سبب صرف اور صرف یہ علماء ہیں جنھوں نے دین کے نام پر اپنی سیاست چمکائی ہوئی ہے اور چونکہ بقول مودودی صاحب ہزار میں سے 999 مسلمانوں کو دین کا کوئی علم ہی نہیں۔ اس لئے ان ملّانوں اور مولویوں کی چاندی ہی چاندی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو مسلمانوں کی حالت زار پر رحم کرے۔

اِعتدال و اِحتیاط

انسانی زندگی میں اعتدال کا عنصر نہایت ہی اہم اور مفید چیز ہے اس کے نتیجہ میں انسان بہت سے شرور سے بچ سکتا ہے اور اسی لئے آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ خَیْرُ الامُورِ اَوْسَطُھَا کہ بہترین امر میانہ روی ہے۔ اولیاء اللہ کی تین صفات بہت مشہور ہیں جو فارسی زبان میں یہ ہیں۔ اول کم گفتن، یعنی لوگوں سے کم گفتگو کرنا تاکہ ذکر الٰہی زیادہ کیا جاسکے اور دوم کم خفتن یعنی تھوڑا سونا تاکہ عبادت زیادہ کی جاسکے۔ سوم کم خوردن یعنی تھوڑا کھانا تاکہ بدہضمی اور بدپرہیزی سے بچا جا سکے۔

ان امور کو ایک عرب شاعر نے اپنے اشعار میں منظوم کیا ہے اور اس پر ایک چوتھی چیز کا اضافہ کیا ہے ؎

اِذَا کَثُرَ الطَّعَامُ فَحَذِّرُوْنِی!
فَاِنَّ الْقَلْبَ یُفْسِدُہٗ الطَّعَامُ
اِذَا کَثُرَ الکَلَامُ فَسَکِّتُوْنِی
فَاِنَّ الدِّیْنَ یَھْدُمُہٗ الکَلَامُ
اِذَا کَثُرَ الْمَنَامُ فَنَبِّھُوْنِی
فَاِنَّ الْعُمْرَ یَنْقُصُہٗ الْمَنَامُ
اِذَا کَثُرَ اَلْمَشِیْبُ فَحَرِّ کُوْنِی
فَاِنَّ الشَّیْبَ یَشْبَعُہٗ اَلْحَمَامُ

یعنی جب میں کھانا زیادہ کھانے لگوں تو مجھے متنبہ کرو کیونکہ کثرت طعام دل کو خراب کردیتی ہے اور جب مَیں زیادہ بولنے لگوں تو مجھے خاموش کردو۔ کیونکہ کثرت کلام دین کو تباہ کردیتی ہے اور جب میں زیادہ سونے لگوں تو مجھے بیدار کردو کیونکہ کثرت نیند عمر کو کم کردیتی ہے اور جب بڑھاپا مجھ

پر غالب آنا شروع کر دے تو مجھے حرکت کی طرف مائل کرو۔ کیونکہ حرکت نہ ہو تو بڑھاپا انسان کو موت کی طرف جلد لے جاتا ہے۔

ابوالاسود دولی اور بنو قشیر

ابوالاسود دولی وہ شخص ہے جسے عربی نحو کا موجد مانا جاتا ہے۔ روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے اُسے عربی پر اعراب لگانے کو کہا اور کچھ مثالیں دے کر کہا "اُنحُ نَحوَہٗ" یعنی اسی طرح کرتے چلے جاؤ چنانچہ اسی سے عربی گرامر کا نام نحو پڑ گیا۔

یہ شخص حضرت علیؓ کے مداحوں میں سے تھا۔ اس نے حضرت علیؓ کی زندگی میں اُن کی مدح میں نہایت عمدہ قصیدے لکھے اور آپ کی وفات کے بعد ان کی شان میں عظیم الشان مرثئے لکھے۔

ایک دفعہ اتفاق سے یہ بنو قشیر کا پڑوسی بن گیا اور وہ حضرت عثمانؓ کے مداحین میں سے تھے۔ وہ لوگ ہر رات اس کے مکان پر سنگ باری کرتے۔ صبح جب اُن سے یہ شکایت کرتے تو وہ جھوٹ بول کر کہہ دیتے کہ

ہم نے سنگباری نہیں کی اللہ نے کی ہو گی۔

اور یہ اُن سے کہتے بخدا تم جھوٹے ہو کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے پتھر مارے ہوتے تو اُس کا کوئی نشانہ خطا نہ جاتا۔ لیکن چونکہ تم یہ سنگباری کرتے ہو۔ اس لئے تمہارا کوئی پتھر مجھے لگتا ہے اور کوئی چوک جاتا ہے۔

بہرحال کچھ دیر کے بعد اس نے اپنا یہ گھر بیچ کر کسی اور جگہ نقل مکانی کر لی تو لوگ اسے کہتے کہ کیا تم نے اپنا گھر بیچ دیا ہے تو یہ کہتا "مَا بِعتُ دَارِیْ بَلِ بِعتُ جَارِیْ" یعنی میں نے اپنا گھر نہیں بیچا بلکہ پڑوسی بیچ دیا ہے۔

بنو قشیر چونکہ اس کو حضرت علیؓ کی محبت کا طعنہ دیتے تھے اس لئے اس نے اُن کے بارہ میں کہا۔

يَقُوْلُ الْاَرْذَلُوْنَ بَنُو قُشَيرٍ
طِوَالَ الدَّهْرِ مَا تَنسى عَلِيا

اُحِبُّ مُحَمَّدًا حُبًّا شَدِيْدًا
وَ عَبَّاسًا وَ حَمْزَةَ والْوَصِيا

فَاِنْ يَكُ حُبُّهُمْ رُشْدًا اُصِبْهُ
وَ لَسْتُ بِمُخطِيءٍ اِنْ كَانَ غَيًّا

یعنی نہایت ہی ذلیل بنو قشیر مجھ سے کہتے ہیں کہ تُو کبھی بھی حضرت علیؓ کو نہیں بھولتا۔ مَیں آنحضرت صلعم سے سخت محبت کرتا ہوں اور حضرت عباسؓ، حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ سے بھی۔ پس اگر اُن سے محبت کرنا ہدایت ہے تو میں نے پالی ہے اور اگر یہ امر گمراہی ہے تو بھی مَیں نے قطعاً کوئی غلطی نہیں کی ہے۔ اس پر اُسے کہا گیا کہ کیا تجھے پھر اپنے عقیدہ کے بارہ میں شک ہے؟ تو اُس نے کہا کہ پھر اللہ کو بھی نعوذباللہ کوئی شک تھا جو اُس نے آنحضرت صلعم کو وحی کرتے ہوئے کہا کہ اے رسولؐ ان کفار سے کہہ دے "وَاِنَّا وَاِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْفِىْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ" جو لف و نشر مرتب ہے یعنی کہ "میں تو ہدایت پر قائم ہوں لیکن تم کھلی کھلی گمراہی میں ہو۔"

لبید بن ربیعہ نعمان بن مُنذر کے دربار میں

ایک دفعہ ابن زیاد عبسی نے شاہ حیرہ نعمان بن منذر کے دربار میں لبید بن ربیعہ کے قبیلہ کی سخت مذمت کی۔ اس پر لبید کو بڑی غیرت آئی اور اُس نے اپنے قبیلے والوں سے کہا کہ مجھے نعمان کے دربار میں لے چلو۔ مَیں اس عبسی کی ہجو کا جواب دوں گا۔ لبید کے قبیلہ والوں نے اس کی کم عمری کے باعث اسے شک سے دیکھا اور چاہا کہ وہ پہلے اس کا امتحان کرلیں۔ اگر وہ اس امتحان میں پاس ہوگیا تو اس کی خواہش پوری کردی جائے گی۔ ورنہ نہیں۔ چنانچہ اس کا چچا اُسے جنگل میں لے گیا اور ایک بوٹی کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ اس کے بارہ میں اپنے خیالات کا اظہار عربی میں کرو۔ اس پر لبید یوں گویا ہوا۔

اِنَّ هٰذِهِ الْبَقَلَةَ رَذِيلَةٌ دَقِيْقَةُ الْحِيْطَانِ۔ ذَلِيْلَةُ الْاَغْصَانِ۔ لَاتُذْكِيْ نَارًا وَ لَا تَستُرُجَارًا۔ وَ لَا تُوَهِّلُ دَارًا۔ عُوْدُهَا ضَئِيْلٌ۔ وَ خَيْرُهَا قَلِيْلٌ وَ بَلَدُهَا شَاسِعٌ۔ وَ نَبْتُهَا خَاضِعٌ۔ وَ اُكُلُهَا جَائِعٌ۔ وَالْمُقِيْم عَلَيْهَا قَانِعٌ۔ اَقْصَرُ الْبُقُوْلِ فَرْعًا وَ اَخْبَثُهَا مَرْعًى۔ وَاصْعَبُهَا قَلْعًا۔ فَحَرَبًا لِجَارِهَا وَ جَدْعًا۔ فَاَلْقَوْا اِلَيَّ اَخَاعَبْسٍ۔ اَرْجِعُهُ عَنْكُمْ بِتَعْسٍ۔ وَاَتْرُكُهُ مِنْ اَمْرِهِ بِلَبْسٍ۔

یعنی یہ پودا نہایت رذیل ہے۔ اس کے ریشے بہت باریک ہیں۔ اس کی شاخیں بہت ہی ذلیل قسم کی ہیں۔ نہ تو یہ ایندھن کا کام دے سکتا ہے اور نہ پڑوسی کو سایہ مہیا کرسکتا ہے اور نہ یہ گھر بنانے میں کام آسکتا ہے۔ اس کی لکڑی بہت کم ہے اور اس کا فائدہ بے حد کم ہے۔ اس کی جگہ دور ہے اور اس کا پودا بہت ہی نرم ہے۔ اس کو کھانے والا جانور بھوکا رہتا ہے اور جو اس کے قریب رہتا ہے وہ بہت ہی قناعت پسند ہوگا۔ سبزیوں میں سب سے چھوٹی شاخیں اس کی ہیں۔ چارہ کے لحاظ سے یہ بدترین ہے اور اُکھاڑنے میں یہ سب سے سخت ہے۔ پس اس کے پڑوسی [illegible] سے واسطہ

پڑے اور اُس کی ناک کٹے۔ پس میرے سامنے اس حبشی کو لاؤ۔ میں اُسے ہلاک کر کے تم سے دور کر دوں گا۔ اور مَیں اسے اس قدر زچ کروں گا کہ اسے اپنے معاملہ میں شک پڑ جائے گا۔

یہ سن کر اس کے چچا نے کہا ٹھیک ہے تم ہمارے ساتھ نعمان کے دربار میں چلو۔ چنانچہ لبید اُن کے ساتھ نعمان کے دربار میں گیا اور وہاں جاتے ہی کہا ۔

نَحنُ بُنُو اُمِّ الْبَنِیْنَ الاَرْبَعَةْ
اَلضَّارِ بُوْنَ الْھَامَ تَحتَ الْخَیضَعَةْ
وَالْمُطْعِمُوْنَ الْجَفْنَةَ الْمُدْعَدَعَةْ

یعنی ہم چار بیٹوں والی ماں کے بیٹے ہیں اور تلوار سے ایسی ضرب لگانے والے ہیں کہ وہ خود کو چیرتی ہوئی کھوپڑی پر جا لگتی ہے اور ہم مہمانوں کی بھرے ہوئے پیالوں سے مہمان نوازی کرتے ہیں۔

حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عمروبن عاصؓ

ایک دن حضرت عمروؓ بن عاص حضرت معاویہؓ کے پاس آئے تو امیر معاویہؓ نے یہ کہہ کر انہیں حیران کر دیا ۔

یَمُوْتُ الصَّالِحُوْنَ وَ اَنْتَ حَیٌّ
تَخَطَّاكَ الْمَنَایَا لاَ تَمُوْتُ

یعنی نیک لوگ مر رہے ہیں اور تُو ابھی تک زندہ ہے۔ موتیں تم سے اُچک گئی ہیں اس لئے تو نہیں مرتا۔

یہ دراصل ایک طنز تھی کہ تو نیک نہیں ہے۔ حضرت عمروؓ بن عاص نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا ۔

فَلَسْتُ بِمَیِّتٍ مَا دُمْتَ حَیًّا
وَ لَسْتُ بِمَیِّتٍ حتّٰی تَمُوتَ

کہ جب تک آپ زندہ ہیں میں نہیں مروں گا اور جب تک آپ نہیں مریں گے مَیں بھی نہیں مروں گا۔

اور تاریخ کہتی ہے کہ عملاً یہی ہُوا کہ حضرت معاویہؓ پہلے فوت ہُوئے اور اُس کے کافی عرصہ بعد حضرت عمروؓ بن عاص فوت ہُوئے اور یہ قصّہ بھی بڑا ہی عجیب ہے۔ لکھا ہے کہ جب حضرت معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین نامزد کر دیا اور اُن کی وفات کا وقت قریب ہوا تو انہوں نے

اپنے بیٹے یزید کو کہا کہ تمہاری خلافت کو سب سے زیادہ خطرہ عمروؓ بن عاص سے ہو گا (جو مصر کے گورنر رہ چکے تھے اور بوجہ صحابی ہونے کے اُن کا مرتبہ بھی بہت بڑا تھا۔)

اس لئے تم یوں کرنا کہ جب مجھے دفن کرنے لگو تو عمرو بن عاص کو بلانا اور کہنا کہ میرے باپ نے وصیت کی تھی کہ آپ انہیں لحد میں اتاریں اور جب وہ مجھے لحد میں اتارنے کے لئے قبر میں اُتریں تو تلوار نکال کر انہیں کہنا کہ یا تو تم ابھی میری بیعت کرو ورنہ ابھی تلوار سے تمہارا کام تمام کر دوں گا۔ چنانچہ جب بوقت تدفین یزید نے عمروؓ بن عاص سے حضرت معاویہؓ کی اس خواہش کا اظہار کیا تو وہ بڑی سادگی سے اس کے بھرے میں آ گئے اور قبر میں اُتر پڑے اور فوراً یزید نے تلوار سونت لی اور کہا کہ یا تو تم ابھی میری بیعت کرو ورنہ ابھی تم بھی اسی قبر میں دفن کر دیئے جاؤ گے۔

حضرت عمروؓ بن عاص یہ سن کر ہنس پڑے اور بیعت کرتے ہوئے کہا کہ یہ تمہاری عقل نہیں بلکہ اس بوڑھے کی عقل ہے۔ ایسی چالاکیوں کے باعث ہی امیر معاویہؓ کو دَاهِيَةُ الْعَرَبَ۔" کا خطاب دیا گیا ہے۔

وفا کی بہترین مثال

وزیر محمد مہلبی وزیر بننے سے قبل ایک زمانہ میں نہایت بدحال اور مفلس و قلاش ہُوا کرتا تھا۔ ایک دن اُس کے دل میں گوشت کھانے کی شدید اشتہا پیدا ہوئی لیکن پیسے نہ ہونے کے باعث وہ اپنی اس خواہش کو پورا نہ کر سکا۔ اس لئے اپنی حالت پر افسوس کرتے ہوئے اس نے یہ اشعار کہے ؎

الاَ مَوتٌ يُبَاعُ فَاَشْتَرِيْهِ　　يُخلِّصُنِی مِنَ الامْرِ الْكَرِيْهِ
الاَ مَوْتٌ لَذِيذُ الطَّعْمِ يَاتِی　　فَهٰذَا الْعَيشُ مَا لَا خَيرَ فِيْهِ
اذا اَبْصرْتُ قَبْراً مَن بَعِيدٍ　　وَدِدْتُ لَو اَنَّنِی فِيمَن يَلِيْهِ

یعنی کاش! موت کہیں بک رہی ہوتی تو مَیں اُسے خرید لیتا تاکہ وہ مجھے اس مکروہ حالت سے ؟جات دیتی۔ کاش! مجھے ایک مزے دار موت آ جاتی کیونکہ اس زندگی میں تو میرے لئے کوئی خیر ؟یں۔ جب میں دُور سے کوئی قبر دیکھتا ہوں تو میرا دل چاہتا ہے کہ کاش! اس کے ساتھ والی قبر میری ؟۔

یہ اشعار جب اُس کے ایک دوست نے سنے تو اُس نے اُسے ایک درہم کا گوشت خرید کر ؟ے دیا اور اُس کے بعد ایک لمبا عرصہ یہ دونوں آپس میں نہ مل سکے۔ اب یہ زمانہ کے انقلابات ہیں کہ کچھ عرصہ بعد یہ دوست خود مفلس و قلاش ہو گیا اور بغداد ایسی حالت میں پہنچا کہ محمد مہلبی

وزیر بن چکا تھا۔ چنانچہ اس نے ایک رقعہ اس وزیر کے نام لکھا اور کسی کے ہاتھ اُسے بھجوا دیا اس رقعہ میں اس نے درج ذیل دو شعر لکھے:

اَلَا قُلْ لِلْوَزِیرِ فَدَتْهُ نَفسِی فَقَالَ مُذَکِّراً مَا قَدْ نَسِیْهِ
اَتَذْ کُرُ اِذْ تَقُوْلُ لِضَنْقِ عَیْشٍ اَلَا مَوْتٌ یُبَاعُ فَاَشْتَرِیْهِ

یعنی سنو وزیر سے جا کر کہو کہ میری جان اُس پر فدا ہو اور پھر اُسے یاد دلاتے ہوئے وہ بات کہی جسے شاید وہ بھول چکا ہو کہ کیا تجھے یاد ہے وہ وقت جب تنگی رزق کے باعث تو نے کہا تھا کہ کاش موت کہیں بک رہی ہوتی تو مَیں اُسے خرید لیتا۔

جب وزیر کو یہ رقعہ ملا تو اس نے اُسے 700 درہم بھجوائے اور ساتھ یہ آیت لکھی۔ مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ کَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِی کُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ یعنی اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرنے والوں کی مثال ایک دانہ کی ہے جس پر سات بالیاں لگیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں۔ بعد ازاں اُس نے اسے اپنے پاس بلایا اور خلعت سے نوازا۔

خالد بن یزید اور شاعر

ایک شاعر خالد بن یزید کے پاس آیا اور اسے یہ دو شعر سنائے۔

سَاَلْتُ النَّدیٰ وَالْجُودَ حُرانِ اَنْتُمَا فَقَالَا یَقِیْنًا اِنَّنَا لَعَبِیدُ
فَقُلْتُ وَ مَنْ مَولاَ کُما فَتَطا وَ لاَ اِلَیَّ وَ قَالَ خَالِدٌ وَ یَزِیْدُ

یعنی مَیں نے جود و سخا سے پوچھا کہ کیا تم دونوں آزاد ہو؟ تو اُن دونوں نے کہا کہ ہم تو یقیناً غلام ہیں۔ اس پر مَیں نے اُن دونوں سے پوچھا کہ پھر تمہارا آقا کون ہے۔ تو ان دونوں نے آگے بڑھ کر مجھے کہا کہ ہمارے آقا خالد اور یزید ہیں۔

اس پر خالد نے اپنے غلام سے کہا کہ اسے ایک لاکھ درہم دے دو اور کہو کہ اگر تم ہمیں کچھ اور سناؤ تو ہم اور بھی زیادہ دیں گے۔ اس پر شاعر نے پھر یہ دو شعر اُسے سنائے۔

کَرِیمٌ کَرِیمُ الْاُمَّهَاتِ مُهَذَّبٌ تُدَفِقُ یُمنَاهُ النَّدَی وَ شمائلُهٗ
هُوَ البَحرُ مِنْ اَیِّ الجِهَاتِ اَتَیْتَهٗ فَلُجَّتُهٗ الْمَعرُوفُ وَالْجُودُ سَاحِلُهٗ

یعنی وہ کریم النفس ہے۔ معزز ماؤں کا مہذب بیٹا ہے۔ اس کے دائیں اور بائیں دونوں ہاتھوں سے سخاوت ٹپکتی ہے۔ وہ ایک سمندر ہے خواہ تو کسی جانب سے آئے۔ پس نیکی اس کی لہر اور سخاوت اس کا کنارہ ہے۔ اس پر خالد نے پھر کہا کہ اے غلام اسے ایک لاکھ درہم اور دے دو اور

کہو کہ اگر تم ہمیں کچھ اور سناؤ تو ہم اور بھی زیادہ دیں گے۔ اس پر شاعر نے پھر اسے یہ دو شعر سنائے۔

تَبَرَّعْتَ لِی بِالْجُودِ حَتّٰی نَعَشْتَنِی وَاَعْطَیْتَنِی حتّٰی حَسِبْتُكَ تَلعَبُ
وَ اَنْبَتَّ رِیشًا فِی الْجنَاحَیْنِ بَعْدَمَا تَسَاقَطَ مِنی الرِّیشُ اَوْ کَادَیَذْهَبُ

یعنی تو نے سخاوت کر کے میرے ساتھ بہت بڑی نیکی کی ہے یہاں تک کہ مجھے زندہ کر دیا اور تو نے مجھے اس قدر دیا ہے کہ میں نے خیال کیا کہ شاید تُو مذاق کر رہا ہے اور تُو نے میرے دونوں بازوؤں پر پَر لگا دیئے ہیں۔ بعد اس کے کہ میرے پر گر چکے تھے یا گرنے والے ہی تھے۔

اس پر خالد نے پھر کہا کہ اے غلام اسے ایک لاکھ درہم اور دے دو اور کہو کہ اگر تم ہمیں کچھ اور سناؤ تو ہم اور بھی زیادہ دیں گے اس پر شاعر نے کہا "حَسْبَ الْاَمِیْرِ مَا سَمِعَ وَ حَسْبِی مَا اَخَذْتُ" یعنی امیر نے جو کچھ مجھ سے سنا ہے وہ اس کے لئے کافی ہے اور جو کچھ مَیں نے پالیا ہے وہ میرے لئے کافی ہے چنانچہ اس کے بعد وہ شاعر رخصت ہو گیا۔

حضرت علی کی بیش بہا نصیحت

ایک دن حضرت علیؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مَیں تمہیں پانچ باتوں کی وصیت کرتا ہوں کہ اگر تم اُن کے حصول کے لئے دُور دراز سفر کرو تو وہ باتیں یقیناً اس کی اہل ہیں اور پھر فرمایا:

۱۔ لَا یَرجُوَنَّ اَحَدٌ مِنکُم اِلَّا رَبَّهٗ ۲۔ وَ لَا یَخَافَنَّ الاذَنْبَهٗ ۳۔ وَ لَا یَسْتَحْیَنَّ اَحَدٌ اِذَا سُئِلَ عَمَّا لَا یَعْلَمْ اَنْ یَقُولَ لَا اَعْلَمْ ۴۔ وَ لَا یَسْتَحْیَنَّ اَحَدٌ اِذَا لَمْ یَعلَمِ الشَّیْئَ اَلَّا یَتَعَلَّمَهٗ ۵۔ وَ عَلَیْکُم بِالصَّبْرِ الصَّبْرُ مِنَ الایْمَانِ کَالرَّاسِ مِنْ الْجَسَدِ لَا خَیْرَ فِی جَسَدٍ لَا رَاسَ مَعَهٗ وَ لَا فِی اِیمَانٍ لَا صَبْرَ مَعَهٗ ۔۔۔۔ ۱۔ تم میں سے کوئی سوائے اپنے رب کے کسی اور سے کوئی امید نہ رکھے۔ ۲۔ تم میں سے کوئی سوائے اپنے گناہ کے کسی اور چیز سے نہ ڈرے۔ ۳۔ تم میں سے کسی سے اگر کوئی ایسی چیز پوچھی جائے جس کا اُسے علم نہیں تو وہ اس بات سے ہرگز نہ شرمائے صاف کہہ دے کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ ۴۔ تم میں سے کوئی اس بات سے نہ شرمائے کہ وہ اس چیز کو سیکھ لے جس کا اُسے علم نہیں ہے۔ ۵۔ تم پر صبر کرنا لازمی ہے کیونکہ صبر کا ایمان کے ساتھ ویسا ہی تعلق ہے جیسا کہ سر کا دھڑ یا جسم کے ساتھ۔ جس طرح جس جسم کے ساتھ سر نہ ہو اُس میں کوئی برکت نہیں ایسے ہی جس ایمان کے ساتھ صبر نہ ہو اس میں بھی کوئی برکت نہیں ہے۔

معن بن زائدہ

عربی ادب میں معن بن زائدہ ایک نہایت ہی معروف کردار ہے۔ یہ شخص جود و سخا کا سمندر تھا۔ اس نے اموی اور عباسی دونوں حکومتوں کا زمانہ پایا۔ ایک وقت میں یہ یمن کا گورنر تھا اور پھر یہ عراق میں بھی گورنر رہا۔ ایک دفعہ یہ شکار کے لئے جنگل میں تھا کہ اُسے سخت پیاس لگی لیکن اس کے درباریوں میں سے کسی کے پاس پانی نہ تھا۔ یہ اِسی حالت میں تھا کہ اُس نے تین نوخیز لڑکیاں دیکھیں جو اپنے سروں پر پانی کے مٹکے اُٹھائے ہُوئے تھیں اس نے اُن سے لے کر پانی پی لیا لیکن بطور انعام پاس دینے کو کچھ نہ تھا اس لئے اُس نے ان میں سے ہر ایک کو دس دس ایسے تیر دیئے جن کے پھل سونے کے تھے یہ دیکھ کر اُن لڑکیوں میں سے ایک نے کہا کہ ـــــ ”ایسی سخاوت تو سوائے معن کے کوئی نہیں کر سکتا اس لئے ہم میں سے ہر ایک معن کی تعریف میں شعر کہے۔ جس پر پہلی نے کہا ؎

یُرَکِّبُ فِی السِّھَامِ نُصُوْلَ تِبْرٍ   وَ یَرْمِی لِلْعِدا کَرْمًا وَ جُودَا
وَ لِلمَرْضَی عِلاَجٌ مِن جَراحٍ   وَ اَکْفَانٌ لِمَنْ سَکَنَ اللُّحُوْدا

یعنی وہ تیروں میں سونے کے پھل لگاتا ہے اور دشمنوں پر جود و سخا کی بارش کرتا ہے ان تیروں کو بیچ کر زخمی اپنا علاج کرا سکتے ہیں اور جن کو موت آ جائے وہ ان کو بیچ کر کفن خرید سکتے ہیں۔ دوسری نے کہا ؎

وَ مُحَارِبٌ مِن فَرْطِ جُودِ بَنَانِہٖ   عَمَّتْ مَکَارِمُہٗ الْاَقَارِبَ وَالْعِدیٰ
صِیْغَتْ نصُولُ سِھَامِہٖ مِن عَسْجَدٍ   کَی لَاَ یُفَوِّتَہٗ التَقَارُبُ وَالنَّدَی

یعنی وہ اپنی انگلیوں کے پوروں سے سخاوت کے ذریعہ جنگ کرتا ہے اور اس کی نیکیاں قرابت داروں اور دشمنوں کے لئے بکثرت ہیں۔ اُس کے تیروں کے پھل سونے سے بنائے گئے ہیں تاکہ صلہ رحمی اور سخاوت دونوں کا حق ادا ہو سکے اور تیسری سہیلی نے معن کی تعریف یوں کی ؎

مِنْ جُودِہٖ یَرْمِی العِدَاۃَ بِاَسْھُمٍ   مِن الذَّھَبِ الْاِبْرِیْزِ صِیْغَتْ نُصولُھَا
لِیُنْفِقَھَا اَلمَجْرُوحُ عِندَ انْقِطَاعِہٖ   وَ یَشْتَرِی الاکْفَانَ مِنها قَتِیْلُھَا

یعنی یہ بھی اُس کی سخاوت کا حصّہ ہے کہ وہ اپنے دشمنوں پر ایسے تیر برساتا ہے کہ جن کے پھل خالص سونے کے ہیں اور وہ ایسا اس لئے کرتا ہے تاکہ ان تیروں سے زخمی ہونے والا جنگ کے بعد ان تیروں کا سونا بیچ کر اپنا علاج کرائے اور جو فوت ہو جائے وہ اپنا کفن خرید سکے۔

ادب شناس نوجوان

ایک دفعہ حجاج نے اپنے کوتوال شہر کو حکم دیا کہ وہ رات کو شہر میں گشت کرے اور عشاء کے بعد اگر اُسے نشہ میں مست کوئی آدمی ملے تو اُسی وقت اُس کی گردن مار دے۔ چنانچہ ایک رات کو جب کوتوال اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے گشت پر تھا۔ اُسے ایک جگہ تین نوجوان ملے جو حالت نشہ میں اِدھر اُدھر لڑھکتے جا رہے تھے۔ کوتوال نے اُن کو گھیر لیا اور اُنہیں کہا کہ

کیا تمہیں امیرالمومنین کے حکم کا علم نہیں اور تمہیں اُن کے حکم کی نافرمانی کی جرأت کیسے ہوئی؟

اس پر پہلے نے کہا۔

اَنَا ابنُ مَن دَانَتِ الرِّقَابُ لَهٗ

مَا بَینَ مَخزُومِهَا وَ هَاشِمِهَا

تَاتِیهِ بِالرَّغمِ وَ هِیَ صَاغِرَۃٌ

یَاخُذُ مِن مَالِهَا وَ مِن دَمِهَا

یعنی مَیں وہ ہوں جس کے سامنے بنو مخزوم و بنو ہاشم (مکّہ کے دو انتہائی معزز قبیلے) سب کی گردنیں مجبوراً جھک جاتی ہیں اور وہ یعنی مَیں اُن کا مال بھی اور خُون بھی لیتا ہوں۔ اس پر کوتوال رک گیا اور اُس نے خیال کیا کہ شاید یہ امیرالمومنین کا کوئی رشتہ دار ہے۔

اس کے بعد کوتوال نے دُوسرے سے پُوچھا اُس نے کہا۔

اَنَا ابنٌ لِمَن لَا تَنزِلُ الدَّهرَ قِدرُہٗ

وَاِن نَزَلَت یَومًا فَسَوفَ تَعُودُ

تَرَی النَّاسَ اَفوَاجًا اِلٰی ضَوءِ نَارِہٖ

فَمِنهُم قِیَامٌ حَولَهَا وَ قُعُودُ

یعنی مَیں اُس کا بیٹا ہوں جس کی ہنڈیا ہمیشہ آگ پر چڑھی رہتی ہے اور اگر کبھی اترے بھی تو وہ جلد دوبارہ چڑھ جاتی ہے تو لوگوں کو اُس کی آگ کی روشنی کی طرف فوج در فوج جاتا دیکھے گا اس حال میں کہ اُن میں سے بعض اُس کے گرد بیٹھے ہیں اور بعض کھڑے ہیں۔ اس پر کوتوال پھر رُک گیا اور اُس نے خیال کیا کہ شاید یہ کسی انتہائی معزز عرب خاندان کا فرد ہے جو بہت مہمان نواز ہے۔

اس کے بعد کوتوال نے تیسرے سے پُوچھا تو اُس نے کہا۔

انَا ابنٌ لِمَنْ خَاضَ الصَّفُوفَ بِعَزْمِهٖ
وَ قَوَّمَهَا بَالسَّيفِ حتّٰی اسْتَقَامَتِ
وَ رُکبَاهُ لَایَنفَکُّ رِجْلَاهُ مِنهُمَا
اِذَالْخَيْلُ فِیْ يَومِ الْکَرِيْهَةِ وَلَّتِ

یعنی مَیں اُس کا بیٹا ہوں جو صفوں میں پختہ ارادے سے گھس جاتا ہے اور اُنھیں اپنی تلوار سے سیدھا کر دیتا ہے اور جس کے دونوں گھٹنے اپنی ٹانگوں میں لڑکھڑاتے نہیں جبکہ گھوڑے جنگ میں بھاگ نکلتے ہیں۔

اس پر کوتوال پھر رُک گیا اور اس نے خیال کیا کہ شاید عرب کے کسی بہادر ترین شخص کا بیٹا ہے۔ کوتوال نے ان تینوں کو ایک کمرے میں بند کر دیا اور جب صبح ہوئی تو اُس نے اُن کا معاملہ حجاج کے سامنے پیش کیا۔ حجاج نے ان تینوں کو بلایا اور ہر ایک کے متعلق تحقیق کی تو پتہ چلا کہ

پہلا تو کسی حجام کا لڑکا ہے جس سے بال ترشواتے وقت ہر شخص اپنی گردن اُس کے سامنے جھکاتا ہے۔

اور پچھنے لگواتے وقت وہ اُن کا خُون بھی لیتا ہے اور دُوسرا اس شخص کا بیٹا ہے جس کا باپ سرِبازار پھلیوں کا سالن بنا کر بیچتا ہے۔ اس لئے لا محالہ اُس کے ہاں لوگوں کا ہجوم رہتا ہے اور تیسرا کسی بافندہ کا بیٹا ہے۔ جس کا باپ کپڑا بنتے وقت لا محالہ اپنی دونوں ٹانگوں سے کام لیتا تھا اور کام کے وقت ٹانگوں کو کرگے سے باہر نہیں نکال سکتا تھا۔ حجاج ان تینوں کی فصاحت و بلاغت سے بے حد متاثر ہُوا اور اپنے درباریوں سے کہا کہ

عَلِّمُوا اَولَادَکُمْ الْاَدَبَ فَواللّٰهِ لَو لَافَصَاحَتُهُمْ لَضَرَبْتُ اَعْنَاقَهُمْ

یعنی اپنے بچوں کو ادب سے روشناس کراؤ۔ بخدا اگر اُن کی فصاحت و بلاغت میرے سامنے نہ آتی تو مَیں آج اُن کو ضرور قتل کر دیتا۔

عقل مند گدھا

ایک آدمی ایک دلال کے پاس آیا اور اُسے کہا کہ مجھے ان صفات والا گدھا درکار ہے۔ لَيْسَ بِالصَّغِيْرِ الْمُحْتَقَرِ وَ لَا الکَبِيْرِ الْمُشْتَهَرِ اِنْ اَشْبَعَتَهٗ شَکَرَ وَ اِنْ اَجَعْتَهٗ صَبَرَ وَ اِنْ خَلَا الطَّرِيْقُ تَدَفَّقَ وَ اِنْ کَثُرَ الزَّحَامُ تَرَفَّقَ لَا يَصدِمُ بِیَ السَّوَارِیَ وَ لَا يُدْخِلُ بِیَ الْبَوَارِی اِنْ رَکِبْتُهٗ هَامَ وَ اِنْ رَکِبَهٗ غَيْرِی نَامَ

یعنی گدھا اَیسا ہو جو نہ تو اتنا چھوٹا ہو کہ لوگ اُسے حقارت سے دیکھیں اور نہ اتنا بڑا ہو کہ نمایاں نظر آئے۔ اگر مَیں اُسے پیٹ بھر کر کھلاؤں تو شکر گزار ہو اور اگر بھوکا رکھوں تو صبر کرنے والا ہو۔ اگر راستہ خالی ہو تو دَوڑ پڑے اور اگر بھیڑ ہو تو آہستہ چلنے لگے۔ وہ پا پیادہ لوگوں سے میری ٹکر نہ لگوائے اور مجھے ہلاکت والی جگہوں میں نہ لے جائے۔ اگر مَیں اُس پر سوار ہوں تو وہ گھومنے پھرنے لگے اور اگر میرا غیر اُس پر سوار ہو تو وہ کھڑا کھڑا سو جائے" ـــــ دلال بھی بہت ہوشیار تھا اُس نے اُسے کہا اَنظِرْنِی قَلِیْلاً فَاِنْ مَسَخَ اللّٰہُ ابْنَ اَبِی لَیلٰی الْقَاضِی حِمَاراً اِشْتَرِیتُہٗ لَکَ "یعنی مجھے کچھ مہلت دو۔ اگر اللہ نے قاضی ابن ابی لیلیٰ کی شکل تبدیل کر کے اُسے گدھا بنا دیا تو مَیں تجھے تمہارا مطلوبہ گدھا خرید دوں گا۔"

قرآنی علاج

ادبی روایات میں آتا ہے کہ کسی اسلامی خلیفے کو کوئی اَیسی بیماری لاحق ہو گئی جو دُور نہ ہوتی تھی۔ خلیفہ بڑا عبادت گزار اور دُعا گو تھا۔ اُس نے اللہ تعالیٰ سے اس بیماری کا علاج چاہا تو اُسے خواب میں کہا گیا کُلْ لاَ وَادْھُن لاَ یعنی "لا" کھاؤ اور "لا" کی مالش کرو۔ بادشاہ نے درباری معبرین سے اس کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے یوسفؑ کے شہ مصر کے درباریوں کی طرح کہا کہ اَضْغَاثُ اَحْلاَمٍ یعنی یہ پراگندہ خوابیں ہیں۔ لیکن خلیفہ کو اس پر اعتبار نہ آیا۔ اس لئے اُس نے کسی اور عالم کی تلاش جاری رکھی جو اسے مل گیا اور اُس نے اس خواب کی تعبیر یہ کی کہ اس سے مراد زیتون ہے کیونکہ صرف اس پودے کے متعلق ہی قرآن کریم میں دو دفعہ "لا" کا لفظ استعمال ہُوا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مِنْ شَجَرَۃٍ مُبَارَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لاَ شَرْقِیَّۃٍ وَ لاَ غَرْبِیَّۃٍ خلیفہ کو یہ تعبیر پسند آئی اور

اُس نے زیتون کھانا بھی شروع کر دیا اور اُس کے تیل سے جسم پر مالش بھی کی جس کے نتیجہ میں وہ بالکل تندرست ہو گیا۔

حماقت کی چار علامات

اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے ایک دفعہ اپنی مجلس میں کہا یُعْرَفُ حُمْقُ الرَّجُلِ بِخِصَالٍ اَربَعٍ بِطُولِ لِحْیَتِہٖ وَ شَنَاعَۃِ کُنیَتِہٖ وَ نَقْشِ خَاتِمِہٖ وَ اِفْرَاطِ شَھْوَتِہٖ یعنی کسی آدمی کی حماقت چار چیزوں سے پہچانی جا سکتی ہے ـــــ اُس کی غیر معمولی لمبی ڈاڑھی سے ـــــ اُس کی بُری کنیت سے ـــــ اُس کی انگوٹھی کے نقش سے ـــــ اور اُس کی کثرت شہوت سے

ــــــ اس پر اُس نے جو نظر اُٹھا کر دیکھا تو اُسے اپنی اس مجلس میں بے حد لمبی ڈاڑھی والا آدمی نظر آیا۔ اس نے اُسے بُلایا اور حاضرین سے کہا کہ پہلی علامت تو اس شخص کی بے حد لمبی ڈاڑھی ہے۔ پھر اُس نے اُس سے اُس کی کنیت پُوچھی تو اُس نے کہا ابُو الیاقُوتِ الْاَحْمَر ہشام نے کہا دوسری علامت اس کی کنیت ہے کیونکہ یاقوت چار یا سات رنگوں کا مجموعہ ہوتا ہے اس لئے اس کے ساتھ سُرخ کی قید لگانا اس کی حماقت کی دلیل ہے پھر ہشام نے اُس کی انگوٹھی کا نقش پُوچھا تو اس نے کہا وَ تَفَقَّدَ الطَّیْرَ جس پر ہشام نے بے اختیار کہا مَالِیَ لَا اَرَی الْھُدْھُدَ اَمْ کَانَ مِنَ الْغَائِبِیْن ہشام نے کہا کہ تین علامتیں تو پُوری ہو گئی ہیں اور چوتھی مَیں اس سے بوجہ حیا نہیں پوچھتا لیکن وہ بھی اس میں یقیناً ہو گی۔

فصاحت و بلاغت

ہر شخص کوئی نہ کوئی زبان بولتا ہے۔ یہ زبان سادہ بھی ہو سکتی ہے اور مقفّیٰ اور مسجع بھی۔ مقفی و مسجع زبان کو ادب میں اعلیٰ مقام حاصل ہے اور اُسے فصاحت و بلاغت بھی کہا جاتا ہے اور اس کے مختلف اسالیب ہیں۔ عربوں میں بادیہ نشین عربوں کی زبان سب سے زیادہ فصیح و بلیغ سمجھی جاتی تھی۔ کیوں کہ ان کا اختلاط غیر عربوں سے کم ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلعم کو طفولیت میں ایک صحرائی قبیلہ بنو سعدؓ کی ایک عورت کے گھر بھجوایا گیا۔ اور جب پوری طرح ہوش سنبھالنے کے بعد آنحضرت صلعم واپس مکہ تشریف لائے اور آپؐ کے چچا ابو طالبؓ نے آپؐ کو نہایت فصیح زبان بولتے دیکھا تو وہ بہت خوش ہوئے اور آپؐ کے متعلق کہا

جَمَالُ قُرَیْشٍ فَصَاحَۃُ سَعدٍ وَ حَلَاوَۃُ یَثْرِب

یعنی آپؐ میں قریش کی خوبصورتی و رعنائی، بنو سعدؓ کی فصاحت اور اہل مدینہ (جو آنحضرت صلعم کے ننھیال تھے) کی شیرینی اور مٹھاس پائی جاتی ہے۔

فصاحت و بلاغت کی تعریفیں

عربی ادب میں فصاحت و بلاغت کی مختلف تعریفیں بیان کی گئی ہیں۔ چند ایک درج ذیل ہیں:

O ــــ خَیْرُ الْکَلَامِ مَا قَلَّ وَ دَلَّ ــــ یعنی بہترین کلام وہ ہے جس کے الفاظ کم ہوں لیکن مفہوم بالکل واضح ہو۔

O ــــ اِنَّ اللِّسَانَ اِذَا کَثُرَتْ حَرَکَتُہٗ مَرَقَتْ عُذُوْبَتُہٗ ــــ یعنی جب زبان کی حرکت

زیادہ ہو جائے تو اس کی شیرینی ختم ہو جاتی ہے۔

- حضرت عمرؓ فرماتے ہیں مَنْ کَثُرَ کَلَامُهٗ کَثُرَ سَقْطُهٗ وَمَنْ کَثُرَ سَقْطُهٗ قَسَا قَلْبُهٗ وَ مَنْ قَسَا قَلْبُهٗ قَلَّ وَرْعُهٗ ـــــ یعنی جو زیادہ بولے گا اس کی غلطیاں بھی زیادہ ہوں گی اُس کا دل سخت ہو جائے گا اور جس کا دل سخت ہو جائے گا اس کا تقویٰ بھی کم ہو جائے گا۔
- کسی نے فصاحت و بلاغت کی تعریف یوں کی ہے مَنْ عَمِدَ اِلٰی مَعَانٍ کَثِیْرَۃٍ فَاَدَّ بِلَفْظٍ قَلِیْلٍ فَفَخَّمَهَا بِلَفْظٍ جَلِیْلٍ ـــــ یعنی بلاغت یہ ہے کہ کوئی شخص بہت سے معانی کو کم لیکن شاندار الفاظ سے ادا کرے۔
- کسی نے فصاحت و بلاغت کی تعریف یہ کی ہے مَا رَضِیَتْهُ الْخَاصَّۃُ وَ فَهِمَتْهُ الْعَامَّۃُ ـــــ یعنی ایسی عبارت جسے خاص طبقہ پسند کرے اور عام لوگ اسے سمجھ سکیں۔
- ایک شاعر کہتا ہے یُوْلِدُ اللُّؤْلُوا الْمَنْثُوْرَ مَنْطِقُهٗ وَ یُنَظِّمُ الدُّرَّ بِالْاَقْلَامِ فِی الْکُتُبِ یعنی اُس کی زبان بکھرے ہوئے موتی پیدا کرتی ہے۔ اور قلموں کے ذریعہ ان موتیوں کو کتب میں پرو دیتا ہے۔

شعراء کا مقام

اَلشُّعَرَاءُ اُمَرَاوُ الْکَلَامِ یُصَرِّفُوْنَهٗ اَنّٰی شَآوا جَائِزٌ لَهُمْ فِیْهِ مَالَا یَجُوْزُ لِغَیْرِهِمْ مِنْ اِطْلَاقِ الْمَعْنٰی وَ تَقْیِیْدِهٖ وَ مِنْ تَسْهِیْلِ اللَّفْظِ وَ تَعْقِیْدِهٖ

شعراء کلام کے بادشاہ ہوتے ہیں۔ وہ اس میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کر سکتے ہیں اور ان کے لئے وہ کچھ جائز ہے جو ان کے غیر کے لئے جائز نہیں۔ یعنی وہ چاہیں تو معنی کو مطلق رکھیں یا مقید کر دیں اور چاہیں تو آسان لفظ استعمال کریں اور چاہیں تو پیچیدہ۔

تین قسم کے آدمی

احمد بن سہیلؒ کہتے ہیں اَلرِّجَالُ ثَلَاثَۃٌ سَابِقٌ وَّ لَاحِقٌ وَّ مَاحِقٌ یعنی آدمیوں کی تین قسمیں ہیں۔ سابق وہ جو فضیلت میں اپنے باپ سے بھی آگے بڑھ جائے اور لاحق وہ ہے جو شرف و فضیلت میں اپنے باپ کا ہم پلہ ہو اور ماحق وہ ہے جو اپنے آباؤ اجداد کے شرف کو بٹہ لگا دے۔

طفیلی

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ کچھ شعراء اپنا کلام سنانے کے لئے کسی خلیفہ کے دربار میں گئے تو ایک طفیلی بھی ان کے پیچھے لگ گیا اور دربار میں جا پہنچا۔ جب شعراء باری باری اپنا کلام سنا چکے تو شاعر سمجھ کر اسے بھی اپنا کلام سنانے کو کہا گیا تو وہ کھسیانا ہو کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔ جناب! مَیں شاعر تو نہیں ہوں۔ لیکن مَیں اُن لوگوں میں سے ہوں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُھُمُ الْغَاوٗنَ اس پر خلیفہ ہنس پڑا اور اسے انعام بھی دے دیا۔

علامہ اصمعی اور ایک بچّہ

ادبی روایات میں آتا ہے کہ ایک دفعہ علامہ اصمعی کسی غریب قبیلہ کے پاس سے گزر رہے تھے کہ اُنھوں نے دیکھا کہ ایک بچّہ دیگر بچّوں کے ساتھ کھیل رہا تھا لیکن اُس کی زبان بڑی شستہ تھی۔ اس پر آپ نے اُسے کہا اَیْنَ اَبَاکَ یعنی تیرا باپ کہاں ہے؟ اس پر وہ بچہ خاموشی سے اُن کا منہ تکنے لگا جس پر اُنھوں نے کہا "اَیْنَ اَبِیْکَ" "یعنی تیرا باپ کہاں ہے؟" اس پر بچّہ پھر خاموش رہا اور اُن کو غور سے دیکھتا رہا کیونکہ یہ دونوں عبارتیں نحوی لحاظ سے غلط تھیں۔ اس پر علامہ اصمعی نے کہا "اَیْنَ اَبُوکَ" "یعنی تیرا باپ کہاں ہے؟" اب یہ عبارت چونکہ درست تھی اس لئے اس بچے نے کہا۔

> فَاءَ اِلَی الفیفَاءِ لِطَلَبِ الْفَیْئِیِ فَاِذَا اَفَاءَ الْفَیئَی فَاءَ یعنی میرا باپ صحرا کی طرف پرندوں کے شکار کے لئے گیا ہے۔ جب اسے یہ شکار مل جائے گا تو وہ واپس آجائے گا۔

علامہ اصمعی اس بچہ کی صغر سنی کے باوجود اُس کی ذہانت سے بہت متاثر ہُوئے۔

مسکت جواب

ایک دفعہ ایک یہودی نے حضرت علیؓ کو طعنہ دیتے ہوئے کہا مَا دَفَنْتُمْ نَبِیَّکُمْ حتّٰی اِخْتَلَفْتُمْ یعنی "تم نے ابھی اپنے نبی کو دفن بھی نہیں کیا تھا کہ تم جھگڑ پڑے"۔ اس پر حضرت علیؓ نے اُسے کہا اِختلَفْنَا عَنْہُ لَا فِیْہِ وَ لٰکِنَّکُمْ مَا جَفَّتْ اَرْجُلُکُمْ مِّنَ الْبَحْرِ حتّٰی قُلْتُمْ لِنَبِیِّکُمْ اِجْعَلْ لَّنَا اِلٰھًا کَمَا لَھُمْ اٰلِھَۃٌ یعنی ہم نے آنحضرت صلعم کی ذات یا تعلیم کے بارہ میں تو کوئی اختلاف نہیں کیا بلکہ اختلاف آپؐ کی جانشینی کے بارہ میں تھا۔ لیکن تمہارا اپنا تو یہ حال تھا

کہ ابھی تمہارے پاؤں پر سے سمندر کا پانی بھی (عبور کرنے کے بعد) خشک نہ ہُوا تھا کہ تم نے اپنے نبی سے کہا تھا کہ "اے موسیٰ! ہمارے لئے بھی اسی قسم کا کوئی پتھر کا معبود بنا دے۔ جیسے ان مشرکین کے پتھر کے معبود ہیں۔

علامہ جاحظ

علامہ جاحظ ایک نابغہ روزگار تھا اور اُس کی کُتب عربی ادب کا متون شمار ہوتی ہیں۔ اس نے اپنی ساری عمر عربی ادب کی خدمت کرتے ہوئے گزار دی اور اسے "شہید الکتب" بالکل بجا طور پر کہا جاتا ہے کیونکہ ایک روز جب وہ تحریر کے کام میں مشغول تھا تو چھتی پر سے اُس کی لکھی ہوئی کتب اُس کے سر پر آ کر گریں اور وہ اُس کے نتیجہ میں ہلاک ہو گیا۔

علامہ جاحظ بڑے ہی بد صورت تھے اِسی لئے کسی منچلے نے اُن کے متعلق یہ شعر کہا تھا ؎

لَو يُمْسَخُ الْخِنْزِيْرُ مَسْخًا ثَانِيًا
مَا كَانَ اِلاَّ دُونَ قُبْحِ الْجَاحِظِ

یعنی "اگر سوَر کو دوسری دفعہ اس سے بھی بدتر پیدا کر دیا جائے تو بھی اس کی بدصورتی جاحظ سے کم ہی ہو گی۔"

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ کچھ لوگ اُسے ملنے اُس کے گھر آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا تو غلام باہر آیا اور اُنہوں نے اُس سے پوچھا کہ جاحظ کیا کر رہا ہے اُس نے کہا "هُوَ يَكْذِبُ عَلَى اللّٰهِ فَقِيْلَ كَيْفَ قَالَ نَظَرَ فِى الْمِرْءَةِ فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ خَلَقَنِى فَاَحْسَنَ صُوْرَتِى" یعنی وہ اللہ پر افترا کر رہا ہے، اُسے پوچھا گیا کہ کیسے تو اُس نے کہا کہ "وہ شیشے میں اپنا منہ دیکھ کر کہہ رہا تھا الحمدللہ کہ اللہ نے مجھے پیدا کیا اور میری صورت بہت عمدہ بنائی۔"

مودّت و دوستی

انسان فطرتاً معاشرت پسند ہے اور تنہائی اور عزلت نشینی خلافِ فطرت انسانی امور ہیں۔ اسلام کے رہبانیت سے منع کرنے کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ تجرد یا رہبانیت انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ اِسی لئے قرآن کریم نے اس کے متعلق فرمایا: "وَرَهْبَانِيَةِ نِ ابْتَدَعوهَا" یعنی رہبانیت انسانی بدعت و اختراع ہے، اسی لئے انسان فطرتاً دوستی پسند ہے تاکہ یہ دوستی اور باتوں کے علاوہ بوقت ضرورت اس کے کام بھی آئے۔ چنانچہ ایک فارسی شاعر کہتا ہے ؎

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست
در پریشاں حالی و درماندگی

خود انبیاء علیہم السلام بھی دوستی کو پسند کرتے اور دوستی کے قدردان ہوتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ آنحضرت صلعم کے یارِ غار تھے اور اس دوستی کے باعث ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی الٰہی میں "صاحب" یعنی دوست کہہ کر پکارا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

"ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا"

یعنی آنخضرت صلعم دو میں سے دوسرے تھے جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ تو غم نہ کر اللہ تعالیٰ یقیناً ہمارے ساتھ ہے۔"

اور حضرت مولانا رومؒ نے تو اپنی مثنوی میں آنخضرت صلعم کے مقاصد عالیہ میں سے ایک مقصد ہی دوستی اور مودت و محبت کو پھیلانا قرار دیا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں ؎

مصطفیٰ آید کہ سازد ہمدمی
کَلِّمِیْنِی یَا حُمَیْرَا کَلِّمِی

عربی ادب میں دوستی پر بہت کچھ لکھا گیا ہے چنانچہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں ؎

فَمَا اَکْثَرَ الْاِخْوَانَ حِیْنَ تَعُدُّهُمْ
وِ لٰکِنَّهُمْ فِی النَّائِبَاتِ قَلِیْلُ

یعنی بوقت شمار تو دوست بہت ہوتے ہیں لیکن مصائب میں اُن کی تعداد بہت ہی کم ہو جاتی ہے۔ اس لئے دوستی کا انتخاب کرتے وقت انسان کو احتیاط بہت ہی لازم ہے، بالخصوص جاہل آدمی کی دوستی سے تو بہت ہی بچنا چاہئے۔ چنانچہ ایک عرب شاعر کہتا ہے ؎

وَ لَا تَصْحَبْ اَخَا الْجَهْلِ فَاِیَّاكَ وَ اِیَّاهُ
فَکَمْ من جَاهِلٍ اَردی حَلیمًا حِیْنَ اٰخَاهُ

یعنی جاہل آدمی سے کبھی دوستی نہ کرو اور اپنے آپ کو ہمیشہ اُس سے علیحدہ رکھو کیونکہ کتنے ہی جاہل ایسے ہیں جنہوں نے اُن عقل مندوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ جنہوں نے اُن سے دوستی اختیار کی۔

موت

موت ایک یقینی چیز ہے اور اس سے کسی انسان کو مفر نہیں۔ انسان خواہ کتنی لمبی عمر پائے

ایک نہ ایک دن اُس نے اس دُنیا کو چھوڑ کر ضرور یہاں سے چلے جانا ہے۔ ایک عرب شاعر کہتا ہے۔

لَعَمْرُكَ مَا الْاَیَّامُ اِلَّا مُعَارَةً

فَمَا اسْتَطَعْتَ مِنْ مَعْرُوْفِهَا فَتَزَوَّدِ

یعنی یہ زندگی چند ایام کے لئے مستعار ہے۔ اس لئے حیات مستعار میں تو جس قدر نیکی کا زادِ راہ لے سکتا ہے لے لے۔

انسان کو موت مختلف طریق سے آسکتی ہے لیکن موت موت ہی ہے خواہ وہ کس طریق سے آئے ایک عرب شاعر کہتا ہے۔

مَنْ لَم یَمُتْ بِالسَّیْفِ مَاتَ بِدُونِهٖ

تَعَدَّدَتِ الْاَسْبَابُ وَالْمَوْتُ وَاحِدُ

یعنی جو تلوار سے نہیں مرتا وہ کسی اور طریق سے مرجائے گا۔
اسباب موت مختلف ہو سکتے ہیں لیکن موت ایک ہی ہے۔

جب موت برحق ہے اور اخروی زندگی ہی اصل زندگی ہے تو پھر انسان کو موت سے کبھی بھی غافل نہ ہونا چاہئے اور ہر وقت اس کے لئے تیار رہنا چاہئے اسی لئے ایک عرب شاعر کہتا ہے۔

سِهَامُ الْمَوْتِ تَفْجَأُ یَا عَزِیْزِیْ

وَ لَوْ طَالَ الْمُدیٰ فِی الْاِنْتِظَارِ

یعنی اے عزیز من! موت کا تیر اچانک آ لگتا ہے۔ خواہ اس کے انتظار کی مدت کتنی ہی لمبی کیوں نہ ہو جائے۔

نبی اکرم صلعم نے اسی لئے اپنے ماننے والوں سے فرمایا "اَکْثِرُوا ذِکْرَهَا زِمِ اللَّذَّاتِ فَاِنَّهَا تُذَکِّرُ الْاٰخِرَةَ" یعنی موت کو اکثر یاد رکھو کیونکہ یہ آخرت کی یاد دلاتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اسلام ہرگز یہ پسند نہیں کرتا کہ

انسان زندگی کے مصائب سے دل برداشتہ ہو کر موت کے منہ جا لگے، اس قسم کی موت کو اسلام بزدلی سمجھتا ہے اور اسی وجہ سے اسلام میں خودکشی منع ہے۔

اسلام یہ چاہتا ہے کہ ہر مسلمان زندگی کے مصائب و آلام کا مردانہ وار مقابلہ کرے اور یہی وجہ ہے کہ اسلام میں کسی شخص کو اپنے لئے موت کی بددعا کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ آنحضرت صلعم نے ایک مصیبت زدہ شخص کو یہ دُعا کرنے کی اجازت دی ہے:

"اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِی مَا کَانَتِ الْحَیَاۃُ خَیْرًا لِی وَ تَوَفَّنِی اِذَا کَانَتِ الْوَفَاتُ خَیْرًا لِی" "یعنی اے اللہ جب تک میرے لئے زندگی بہتر ہے مجھے زندہ رکھ۔ لیکن جب وفات میرے لئے بہتر ہو۔ اُس وقت مجھے وفات دے دینا۔"

جدوجہد

انسان کی ہر قسم کی ترقی، دینی و دنیاوی، کا انحصار، اس کی محنت اور جدوجہد پر ہے۔ چنانچہ قرآن کریم خود فرماتا ہے۔ وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰیO وَ اَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰیO ثُمَّ یُجْزٰهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰیO یعنی ہر انسان اپنی محنت اور جدوجہد کا مرہون منت ہے اُس کی جدوجہد کے مطابق ہی اس کو بہترین جزا ملے گی۔ پس اسلام اپنے ماننے والوں کو جدوجہد پر ابھارتا ہے اور ہر قسم کی فضیلت کے لئے انہیں جدوجہد کی تلقین کرتا ہے اور طفیلی بننے سے منع کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلام موروثی بزرگی کا قائل نہیں بلکہ اُس نے شرف انسانی کے لئے دنیا کے سامنے ایک انقلابی نظریہ پیش کیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم ہی فرماتا ہے یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ یعنی اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت کے باہمی اختلاط سے پیدا کیا ہے اور تمہاری مختلف قبائل میں تقسیم محض تعارف کا ذریعہ ہے۔

یاد رکھو کہ تم میں سے اللہ کی نگاہ میں معزز و مکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

پس اسلام موروثی فضیلت کا قائل نہیں ہے اور روشن خیال اور مہذب و متمدن اقوام نے اس نظریہ کو اپنا کر ترقی کی ہے اور زمانہ حال کے عرب شعراء نے بھی اسی نظریہ کی تائید کی ہے۔ چنانچہ مصر کا "امیرالشعراء شوقی" کہتا ہے ؎

وَ دَعُوا التَّفَاخُرَ بِالتُّرَاثِ وَ اِنْ عَلَا
فَالْمَجْدُ كَسْبٌ وَالزَّمَانُ عِصَامُ

یعنی حسب و نسب خواہ کتنا ہی بلند ہو کبھی اس پر فخر نہ کرو۔ کیونکہ اصل بزرگی تو وہی ہے جو انسان خود اپنی محنت سے حاصل کرے اور زمانہ تو صرف عصام ہے۔

عصام منذر بن نعمان شاہ حیرہ کا دربان اعلیٰ تھا اور اس نے اس قدر ترقی کی کہ ـــــ منذر کی وفات کے بعد لوگوں نے اسے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا ـــــ اسی لفظ سے عربی کی ضرب المثل چلی کہ

"کُن عِصَامِیًّا لا عِظَامِیاً" یعنی ایسا آدمی بنو جس نے خود اپنی محنت سے اپنے آپ کو بڑا بنالیا ہو نہ کہ اُسے عظمت ورثہ میں ملی ہو۔ اس ضمن میں ایک لطیفہ جانوروں کی زبان سے بیان کیا جاتا ہے کہ گیدڑ جب جنگل میں اکٹھے ہوتے ہیں تو اُن میں سے ایک نعرہ لگاتا ہے کہ "پدرم سلطان بود" جس پر باقی سب اُسے کہتے ہیں "تراچہ، تراچہ" اسی موضوع کے متعلق ایک اور عرب شاعر کہتا ہے ؎

بِجِدٍّ لَا بِجَدٍّ کُلُّ مَجْدٍ
وَ لَا مَجْدٌ بِلَاجِدٍّ بِمَجْدٍ

یعنی ہر قسم کی اصل بزرگی جدوجہد سے ہے اور جدوجہد کے بغیر کوئی بزرگی دراصل بزرگی کہلانے کی اہل ہی نہیں ہے۔ اور ایک اور عرب شاعر کہتا ہے ؎

اَلنَّاسُ فِی طَلَبَ الْمَعَاشِ وَ اِنَّمَا
بِالجِدِّ یُرزَقُ مِنْهُمْ مَنْ یُرْزَقُ

یعنی سب لوگ طلب معاش میں مصروف ہیں لیکن رزق اُسی کو ملتا ہے جو کوشش کرتا ہے۔ اور ایک اور عرب شاعر کہتا ہے جو اغلبا مصر کا شوقی ہی ہے کہ ؎

وَ مَا نَیْلُ الْمَطَالِبِ بِالتَّمَنِّی
وَ لٰکِن یُوحذُ الدُّنْیَا غِلَابًا

یعنی صرف تمناؤں سے مقاصد حاصل نہیں ہوتے۔ بلکہ اس کے لئے مقابلہ کی رُوح درکار ہے۔

شعری طبع آزمائی

شعرگوئی ایک نہایت لطیف مشغلہ ہے اور اس میں آمد اور آورد دونوں قسمیں شامل ہیں۔ آورد کے لئے طبع آزمائی کرنی پڑتی ہے جس کے بعد بسا اوقات شعراء گو ہر بدست آتے ہیں۔ ایسا ہی ایک دفعہ عباسی دورِ خلافت کے تین شعراء ابو نواس، دعبل اور ابوالعتاہیہ کے ساتھ ہُوا کہ ایک دن وہ مجلس ناؤ نوش میں جمع تھے کہ فارغ ہونے سے پہلے ابو نواس نے اپنے دوسرے دو ساتھیوں سے کہا آؤ ہم طبع آزمائی کریں۔ جس کا شعر سب سے اچھا ہُوا وہ ہمارا اگلا میزبان ہو گا۔ وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اُن کو ایک نہایت ہی خوبصورت دوشیزہ نظر آئی جو مختلف رنگوں کے کپڑوں میں ملبوس تھی۔

یعنی اوپر کا دوپٹہ سفید، درمیان کی قمیض سیاہ اور ستہ بند سرخ۔

ابو نواس نے کہا۔ لو بھائی! یہ موقعہ مل گیا ہے۔ ہر ایک ایک کپڑے کے بارہ میں اپنے شعر پیش کرے۔

ابوالعتاہیہ نے سفید کپڑے کو پسند کیا اور یہ شعر کہا۔

تَبَدَّیٰ فِی دَبِیقِیٍّ بَیَاضٍ
بِاَجْفَانٍ وَ اَلْحَاظٍ مِرَاض
فَقُلْتُ لَهٗ عَبَرْتَ وَ لَمْ تُسَلِّم
وَ اِنی مِنْكَ بِالتَّسْلِیمِ رَاضِی
فَقَالَ نَعَمْ كَسَانِی اللّٰهُ حُسْنًا
وَ یخلُقُ مَا یَشَآءُ بِلاَ اعتِرَاض
فَثَوْبِی مِثْلَ ثَغْرِی مِثْلَ نَحْرِی
بَیَاضٌ فِی بَیَاضٍ فِی بَیَاض

یعنی میرا محبوب سفید ریشمی لباس میں ظاہر ہُوا۔ ایسی پلکوں اور آنکھوں کے ساتھ جو نیم وا ہونے کی وجہ سے بیمار لگتی تھیں۔ مَیں نے اُسے کہا کہ تو بغیر سلام کے چلی جا رہی ہے۔ حالانکہ مَیں تمہارے سلام سے بہت خوش ہوتا۔ اس پر اُس نے کہا کہ ہاں اللہ نے مجھے دولت حسن سے نوازا ہے اور وہ جو چاہے پیدا کرے۔ اُس پر کون اعتراض کر سکتا ہے؟

پس میرا کپڑا میرے دانتوں اور میرے سینہ کی طرح سفید در سفید در سفید ہے۔

دعبل نے سیاہ کپڑا کو چنا اور اسے اپنا موضوع سخن بناتے ہوئے کہا۔

تَبَدَّیٰ فِی السَّوَادِ فَقُلْتُ بَدْرًا
تَجلّٰی فِی الظَّلاَمِ عَلَی الْعِبَادِ
فَقُلْتُ لَهٗ عَبَرتَ وَ لَمْ تُسَلِّمَ
وَاشْمَتَّ الْحُسُودَ مَعَ الْاَعَادِی
فَقَالَ نَعَمْ كَسَانِی اللّٰهُ حُسْنًا
وَ یَخْلُقُ مَا یَشَاءُ بِلاَ عِنَادِ
فَثَوْبُكَ مِثْلَ شَعْرِكَ مِثْلَ بَخْتِی
سَوَادٌ فِی سَوَادٍ فِی سَوَادِ

یعنی میرا محبوب سیاہ کپڑے میں ملبوس ظاہر ہوا تو مَیں نے کہا کہ یہ تو چاند ہے جو اندھیری رات

میں بندوں پر طلوع ہوا ہے۔ مَیں نے اسے کہا کہ تُو بغیر سلام کے جا رہی ہے اور حاسدوں اور دشمنوں کو مجھ پر ہنسا رہی ہے۔ اُس نے کہا کہ ہاں اللہ نے مجھے دولت حسن سے مالا مال کیا ہے اور وہ کسی دشمنی کے بغیر جو چاہے پیدا کرتا ہے۔

پس تیرا کپڑا تیرے بالوں اور میرے نصیبے کی طرح سیاہ در سیاہ ہے۔

ابو نواس کے لئے اب صرف سرخ کپڑا باقی رہ گیا تھا اس لئے وہ یوں گویا ہوا ؎

تبدّی فِی قَمِیصِ اللاَّ ذِیسعِیِّ
عَدُوٌّ لِّی یُلَقَّبُ بِالْحَبِیْبِ

احْمَرَةُ وَجْنَتَیْكَ كَسَتْكَ هٰذَا
اَمْ اَنْتَ صَبَغْتَهٗ بِدَمِ الْقُلُوْبِ

فقَالَ الشَّمسُ اَهْدَت لِی قَمِیصًا
قَرِیبُ اللَّوْنَ مِنْ شَفَقِ الْغُرُوبِ

فثوبی وَالْمُدَامُ وَ لَوْنُ خدِّی
قَرِیْبٌ مِنْ قَرِیْبٍ مِنْ قَرِیْبٍ

یعنی میرا محبوب سرخ ریشم میں ملبوس دوڑتا ہوا آیا وہ محبوب جس کا نام اگرچہ محبوب ہے لیکن ہے وہ دشمن۔ اس پر مَیں نے اُسے کہا کہ یہ کیسے ہے۔ کیا تیرے رخساروں کی سرخی نے تجھے یہ لباس پہنا دیا ہے یا تُو نے اِسے دِلوں کے خُون سے رنگین کر رکھا ہے۔ اس پر اُس نے کہا کہ سورج نے مجھے بطور تحفہ یہ لباس دیا ہے جس کا رنگ غروب شمس کی شفق کی مانند ہے۔

پس میرا کپڑا اور شراب اور میرے رخساروں کا رنگ ایک دوسرے کے بالکل قریب ہیں۔

ان تینوں شعراء نے ابھی اپنے اشعار ختم ہی کئے تھے کہ وہ دوشیزہ ان کے سر پر آ پہنچی اور ان سے ان کے یہاں جمع ہونے کا سبب پوچھا۔ اس پر ان شعراء نے اپنا مقصد اُسے بتاتے ہوئے اپنے اشعار اسے سنا کر اُس سے فیصلہ چاہا تو دوشیزہ نے کہا کہ بخدا! ابو نواس کے شعر سب سے اچھے ہیں۔

تعریف حُسن

کسی اعرابی سے پوچھا گیا کہ حسین ترین عورت کیسی ہوتی ہے تو اُس نے کہا اَلْمُفْتَرَّةُ عَنِ الثَّغْرِ۔ اَلْوَافِرَةُ الشَّعرِ۔ فَمُهَا بَارِدٌ وَ شِعْرُهَا وَارِدٌ۔ یعنی حسین ترین عورت وہ ہے جو سدا ہنستی ہوئی اپنے چمکیلے دانت ظاہر کرے۔ اُس کے بال گھنے ہوں، منہ خنک ہو، اور شاعرہ ہو۔ اس

میں کیا شک ہے کہ چہرہ کے تیکھے نقشوں کے ساتھ اگر لب متبسم ہوں اور منہ میں دندانِ آب دار ہوں تو حُسن دوبالا ہو جاتا ہے۔ اس لئے تو بہادر شاہ ظفر نے بھی کہا تھا۔

تیرے دندان و لب نے کر دیا بے قدر عالم میں
گہر کو، لعل کو یاقوت کو، ہیرے کو، مرجان کو

بدو کی ذہانت

ایک بدو ایک دن خلیفہ مامون الرشید کو رستہ میں ملا اور کہا کہ مَیں ایک بدو ہوں۔ مامون نے کہا کوئی حرج نہیں اس پر وہ کہنے لگا (امیرالمومنین) مَیں حج کرنا چاہتا ہوں۔" مامون نے کہا کہ "راستہ کھلا ہے جاؤ حج کرو۔" اس پر بدو نے کہا کہ "میرے پاس زادِ راہ نہیں ہے۔" اس پر مامون نے کہا کہ "پھر تو تم پر حج فرض ہی نہیں ہے۔" اس پر بدو نے کہا "اَيُّهَا الْاَمِيْرُ جِئْتُكَ مُسْتَجْدِيًا لَا مُسْتَفْتِيًا "یعنی اے امیر میں آپ سے عطا طلب کرنے آیا ہوں نہ کہ فتویٰ" ــــــ اس پر مامون ہنس پڑا اور اسے عطا سے نوازا۔

اصل متقی

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متقیوں کی بہت تعریف کی ہے اور "اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ" کہ کر "تقویٰ کو مومنوں کا مقصد حیات بنا دیا ہے۔"

تقویٰ کی راہیں بہت ہی باریک اور متعدد ہیں لیکن حصول تقویٰ کے لئے اولین شرط یہ ہے کہ انسان پہلے اپنے آپ کو پاک کرے۔ اسی لئے اس زمانہ کے امام فرماتے ہیں ۔

کوئی اُس پاک سے جو دل لگا دے
کرے پاک آپ کو تب اُس کو پاوے

عرب شعراء نے بھی اپنے کلام میں تقویٰ کی تعریف مختلف انداز سے کی ہے چنانچہ ایک عرب شاعر کہتا ہے۔

عَمرُكَ مَا الْاِنْسَانُ اِلَّا بِدِيْنِهٖ
فَلَا تَتْرُكِ التَقوىٰ اِتِّكَالاً عَلَى الْحَسَبْ
فَقَدْ زَيَّنَ الْاِيْمَانُ سَلْمَانَ فَارِسٍ
وَ قَدوَضَع الشِّرْكُ الشريفَ اَبَا لَهَب

یعنی انسان کی قدر و قیمت تو صرف اُس کے دین کے باعث ہے پس تم اپنے حسب نسب پر

اعتماد کرتے ہوئے تقویٰ کو خیرباد نہ کہو کیونکہ سلمان فارسیؓ کو ایمان نے مزین کر دیا تھا اور ابولہب کو جو سید تھا شرک نے قعرِ مذلت میں گرا دیا۔

ایک اور عرب شاعر کہتا ہے ؎

اَلْمَالُ یَذْھَبُ حِلُّهٗ وَ حَرَامُهٗ
طُرّاً وَ یَبْقٰی فِی غَدٍ اٰثَامُهٗ
لَیْسَ التَّقِیُّ بِمُتَّقٍ لاِلٰهِهٖ
حتّٰی یَطِیْبَ شَرَابُهٗ وَ طَعَامُهٗ

یعنی مال حلال کا ہو یا حرام کا سب ختم ہو جاتا ہے اور کل صرف اُس کے گناہ باقی رہ جائیں گے اور متقی خدا کے نزدیک متقی نہیں جب تک کہ اُس کے خورو نوش دونوں پاک نہ ہوں۔ اسی لئے آنحضرت صلعم نے بھی فرمایا کہ ایک آدمی خُدا کے حضور دعا کرتا ہے لیکن مَطْعَمُهٗ حرام و مَلْبَسُهٗ حرام فانی یستجاب له ــــ "یعنی دعا تو وہ کرتا ہے لیکن اُس کا کھانا اور اوڑھنا بچھونا سب حرام سے ہیں۔ پس اُس کی دُعا کیسے قبول ہو؟"

ایک ادبی معرکہ

حضرت خنساء کا اصل نام تماضر تھا اور لقب خنساء تھا۔ آپ ایک پاک باز صحابیہ رسولؐ تھیں۔ آپ عالی نسب اور طبقہ مخضرمین (جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں کے پانے والے) سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ عربی زبان کی بے نظیر عالمہ اور بے مثل شاعرہ تھیں۔ آپ کا دیوان بہت مشہور ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عورتوں میں سے صرف دو کو ہی میدان شعر میں اعلیٰ درجہ کی فضیلت حاصل ہوئی ہے۔ ایک تو یہی حضرت خنساء تھیں اور دوسری لیلی الاخیلیہ۔ ہر دو میں کچھ بعد زمانی پایا جاتا ہے۔

حضرت خنساء ہی وہ پاکباز صحابیہ رسولؐ تھیں کہ جنھوں نے اپنے چار بیٹے جنگ قادسیہ ۱۶ ہجری میں (ایرانیوں کے ساتھ ہونے والی جنگ) میں یہ کہہ کر بھیجے تھے کہ یَا بَنِیَّ اِنَّکُم اَسْلَمْتُمْ طَائِعِیْنَ وَ ھَاجَرْتُمْ مُختَارِیْنَ .... مَا خُنْتُ اَبَاکُمْ وَ لَا فَضَحْتُ خَالَکُمْ وَ لَا ھَجَنْتُ نَسَبَکُمْ وَ لَا غَیَّرتُ نَسَبَکُمْ وَ قَدْ تَعْلَمُونَ مَا اَعَدَّ اللّٰهُ لِلْمُسْلِمِیْنَ مِنَ الثَّوَابِ الْجَزِیْلِ فِی حَرْبِ الْکَافِرِیْن .... فَاغْدُوا اَلٰی قِتَالِ عَدُوِّکُمْ مُسْتَبْصِرِیْنَ وَ بِااللّٰهِ علٰی اَعْدَائِهٖ مُتَنَصِرِیْن۔

یعنی اے میرے بیٹو! تم اپنی مرضی سے مسلمان ہوئے اور اپنی خوشی سے تم نے ہجرت کی ـــــ مَیں نے تمہارے باپ کی خیانت نہیں کی اور نہ تمہارے ننھیال کو رسوا کیا۔ میں نے تمہارے خاندان پر کوئی عیب نہیں لگنے دیا اور نہ تمہارے حسب و نسب کو بدلا ہے۔ تمہیں علم ہے اُس ثواب کا جو اللہ تعالیٰ نے کفار کے ساتھ جنگ کرنے میں رکھا ہے۔

پس تم علیٰ وجہ البصیرت ہو کر کل صبح دشمن کے ساتھ لڑائی کے لئے روانہ ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے مدد کے طالب رہو۔

تاریخ کہتی ہے کہ حضرت خنساء کے یہ چاروں بیٹے یکے بعد دیگرے اس لڑائی میں شہید ہوئے اور جب حضرت خنساء کو اُن کی شہادت کی خبر پہنچی تو انہوں نے ایک مومنانہ شان کے ساتھ فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی شَرَّفَنِیْ بِقَتْلِهِمْ وَ اَرْجُوْا مِن رَّبِّیْ اَن یَّجْمَعَنِی بِهِمْ فِی مُسْتَقَرِّ رَحْمَتِهٖ یعنی سب تعریف اُس خُدا کے لئے ہے جس نے مجھے ان کی شہادت فی سبیل اللہ سے مشرف کیا ہے اور مجھے اپنے رب سے امید ہے کہ وہ مجھے اُن کے ساتھ اپنی جوارِ رحمت میں اکٹھا کرے گا۔

سب شاعر عورتوں سے افضل

حضرت خنساء بلا ریب اُن عرب شاعر عورتوں میں سے ہے جن کی فضیلت کا اعتراف سب کو ہے اور علماء شعر کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت خنساء پہلی اور پچھلی سب عرب شاعر عورتوں سے افضل ہے۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ سوق عکاظ میں نابغہ ذبیانی کا سرخ خیمہ نصب ہُوا کرتا تھا اور عرب شعراء اُس کے سامنے اپنا کلام سنایا کرتے تھے اور وہ فیصلہ کیا کرتا تھا کہ کس کا کلام سب سے اچھا ہے۔ ایک میلہ کے موقع پر حضرت خنساء نے بھی اپنا کلام نابغہ ذبیانی کے سامنے پڑھا تو اس نے کہا کہ

اگر مَیں تجھ سے پہلے اس اندھے یعنی اعشیٰ شاعر کو افضل قرار نہ دے چکا ہوتا تو اس موسم میں تجھے سب پر فضیلت دے دیتا۔

اس کے بعد حضرت حسان آئے اور انہوں نے بھی نابغہ ذبیانی کے سامنے اپنے اشعار سنائے تو نابغہ نے اعشیٰ کو حضرت حسان پر ترجیح دی تو حضرت حسان کو بہت غصہ آیا اور غصہ میں کہنے لگے کہ مَیں تو تجھ سے اور تیرے باپ سے بھی بڑا شاعر ہوں۔ اس پر نابغہ نے اُن کا غصہ ٹھنڈا کیا اور پھر حضرت خنساء سے کہا کہ اِسے اپنے شعر سناؤ۔ یہ شعر سننے کے بعد نابغہ نے کہا کہ "اے خنساء مَیں نے تجھ سے بڑی شاعرہ عورت کبھی نہیں دیکھی" اس پر حضرت خنساء نے کہا کہ "نہ ہی کوئی بڑا مرد

شاعر دیکھا ہوگا" اس پر حضرت حسان کہنے لگے "بخدا میں تجھ سے بڑا شاعر موجود ہوں کیونکہ میں نے یہ دو شعر کہے ہیں۔

لَنَا اَلْجَفَنَاتَ الغُرُّ یَلْمَعْنَ بِالضُّحٰی
وَ اَسْیَا فُنَا یَقْطُرْنَ مِنْ نَجْدَةٍ دَ مَا
وَ لَدْنَا بَنِی العَنْقَاءِ وابْنِی مُحَرَّقٍ
فَاَکْرِم بِنَا خَالاً وَ اَکْرَمْ بِنَا اَبَا

یعنی ہم اُن روشن پیالوں کے مالک ہیں جو بوقت چاشت چمک رہے ہوتے ہیں (مراد ہم مہمان نواز ہیں) اور ہماری تلواریں میدان کارزار میں جرأت و بسالت کے کارہائے نمایاں کے باعث خون ٹپکاتی ہیں۔ ہم نے ایسی اولاد کو جنم دیا ہے۔ جن کی ماں کی گردن لمبی ہے اور باپ آگ روشن رکھنے والا ہے (مہمان نواز ہے) پس بلحاظ ننھیال دودھیال ہم بہت ہی معزز ہیں۔

اشعار میں کمزوریاں

یہ اشعار سننے کے بعد حضرت خنساء نے کہا ضَعَّفْتَ اِفْتِخَارَكَ وَ اَنْزَرْتَهٗ فِی ثَمَانِیَةَ مَوَاضِعَ اے حسان تو نے اپنے فخر کو کمزور کر دیا ہے اور آٹھ جگہوں پر یہ کمزوری نظر آ رہی ہے۔ حضرت حسان نے پوچھا "وہ کیسے؟" تو حضرت خنساء نے کہا تُو نے کہا ہے جَفَنَاتُ اور یہ جمع قلت ہے جو دس سے کم کے لئے ہے۔ پس تو نے خود ہی تعداد کم کر دی ہے، اگر تو جفان کہتا تو اس میں کثرت پائی جاتی، پھر تُو نے اَلْغُرَّ کہا ہے اور غُرّ صرف چہرہ کی سفیدی کو کہتے ہیں۔+ اس لئے اگر تو البِیض کہتا تو معنے میں وسعت پیدا ہو جاتی۔ پھر تُو نے یَلْمَعْنَ کا لفظ استعمال کیا ہے جو ایسی چمک کے لئے استعمال ہوتا ہے جو کچھ دیر کے لئے آتی ہے پھر چلی جاتی ہے اور پھر آتی ہے اس لئے اگر تو یَشرِقْنَ کا لفظ لاتا تو اس میں مداومت پائی جاتی ہے پھر تُو نے الضحی کا لفظ استعمال کیا ہے حالانکہ مہمان عموماً رات کے وقت آتے ہیں اس لئے یہاں طُرُوقًا کا لفظ زیادہ مناسب تھا۔ پھر تُو نے اَسْیَاف کا لفظ استعمال کیا ہے اور یہ بھی جمع قلت ہے۔ اس لئے سُیُوف کا لفظ یہاں زیادہ مناسب ہوتا۔ پھر تو نے یقطرن کہا ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ قتل زیادہ نہیں ہوئے اس لئے اگر تو اس کی بجائے یَجْرِیْنَ کا لفظ استعمال کرتا تو یہ زیادہ مناسب تھا۔ کیونکہ یَجْرِیْنَ کے معنے ہیں بہاتی ہیں۔ پھر تو نے دَمَا کا لفظ استعمال کیا ہے اور یہ مفرد ہے اس لئے تو یہاں دِمَاءٌ کا لفظ استعمال کرتا تو بہتر ہوتا جو کہ جمع ہے۔ پھر تو نے اُن پر فخر کیا ہے جن کو تُو نے جنا ہے۔ لیکن اس پر فخر ہرگز نہیں کیا جس نے تجھے جنا ہے۔ یہ سن کر حضرت حسان بڑے کھسیانے اور دل برداشتہ ہو کر اُٹھ

کھڑے ہُوئے۔

حضورؐ کا بہ نظر استحسان دیکھنا

حضرت خنساء کی فضیلت اِس واقعہ سے بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلعم خود بھی اس کے شعروں کو بنظر استحسان دیکھا کرتے تھے اور اپنے کلام وغیرہ میں اس کے شعروں کا حوالہ دیا کرتے تھے اور بڑی محبت سے اس کا استقبال کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب حاتم طائی کا بیٹا عدی آنحضرت کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا اور دوران کلام کہنے لگا کہ یَارَسُولُ اللّٰہِ اِنَّا فِینَا اَشْعَرُ النَّاسِ وَ اَسْخَی النَّاسِ وَ اَفْرَسَ النَّاسِ یعنی سب سے بڑا شاعر، سب سے بڑا سخی اور سب سے بڑا شہسوار سب ہمارے قبیلہ کے ہیں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا اُن کے نام لو تو کہے لگا سب سے بڑا شاعر امرو القیس ہے اور سب سے بڑا سخی میرا باپ حاتم تھا اور سب سے بڑا شہسوار عمرو بن معد یکرب تھا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا ایسا نہیں ہے ـــــ "بلکہ سب سے بڑی شاعرہ خنساء ہے اور سب سے بڑا سخی میں خود ہوں اور سب سے بڑا شہسوار علیؓ بن ابی طالب ہے" ـــــ پس آنحضرت صلعم کا حضرت خنساء کو سب سے بڑا شاعر قرار دینا اُن کی فضیلت کو چار چاند لگا دیتا ہے اور عربی ادب کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ایک دفعہ جریر شاعر سے یہ سوال کیا گیا کہ سب سے بڑا شاعر کون ہے تو اُس نے فوراً کہا کہ اگر خنساء نہ ہوتی تو مَیں سب سے بڑا شاعر شمار ہوتا۔ پوچھا گیا وہ تجھ سے بڑی کیسے ہو گئی تو اُس نے حضرت خنساء کا یہ شعر پڑھ کر کہا کہ اس وجہ سے ؎

اِنَّ الزَّمَانَ وَ مَا یَفْنَی لَہٗ عَجَبٌ

اَبقَی لَنَا ذَنَبًا وَاسْتُئوصِلَ الرَّاسُ

یعنی زمانہ کا حال یہ ہے کہ اس کے عجائبات ختم نہیں ہوتے۔ اُس نے ہمارے لئے دُم تو رکھ دی ہے لیکن سر کاٹ لیا گیا ہے۔

بشار بن برد مشہور عرب شاعر کہتا ہے کہ

کبھی کسی عورت نے شعر نہیں کہے مگر اُس کے شعروں میں کوئی نہ کوئی کمزوری ضرور ظاہر ہوتی ہے۔

اُسے کہا گیا کہ خنساء بھی ایسی ہی ہے تو اُس نے کہا کہ

اُس کی بات اور ہے وہ تو مردوں پر بھی شعر گوئی میں غالب ہے۔

حضرت خنساء شروع شروع میں دو یا تین شعر کسی امر کے بارہ میں کہا کرتی تھیں لیکن جب اُس کے بھائی صخر کو قتل کر دیا گیا تو اُن کا بحر کھل گیا اور کثرت سے شعر کہنے لگ گئیں اور بالخصوص

شعر کی صنف مرثیہ گوئی میں انہوں نے اَوجِ کمال کو پالیا اور فنِ شعر میں وہ طبقۂ نسواں کے لئے بلاشک باعث فخر ہو گئیں۔

حضرت حسانؓ کی شاعری

عربی ادب کے دو عمومی حصّے ہیں یعنی نثر اور نظم۔ نثر کی بھی مختلف اقسام ہیں جیسے محاورہ، خطابت اور کتابت یا مراسلہ نگاری۔ اسی طرح شعر کی بھی کئی اقسام ہیں جیسے تشبیب، غزل، قصیدہ، ہجو، مرثیہ، فخر اور مدح وغیرہ۔

مرثیہ کسی کی وفات پر لکھا جاتا ہے اور اس صنف شعر کے عربی زبان میں بڑے بڑے قابل شعراء ہو گزرے ہیں۔ حضرت حسانؓ بن ثابت جو دربارِ نبویؐ کے ایک بلند پایہ شاعر تھے۔ آپ کو مدح اور ہجو دونوں میں بڑا کمال حاصل تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار قریش شعراء کی طرف سے ان کے شعروں کے باعث بہت تکلیف پہنچی تو آنحضرتؐ نے فرمایا:

"جن لوگوں نے اللہ اور رسولؐ کی مدد اپنے ہتھیاروں سے کی ہے انہیں کیا چیز روکے ہوئے ہے کہ وہ اپنی زبانوں سے ان کی مدد نہ کریں۔"

فوراً ہی حضرت حسانؓ نے کہا "مَیں اس خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا "مگر تم ان کی ہجو کیونکر کرو گے؟ مَیں بھی تو انہی کے خاندان میں شامل ہوں۔" تو حضرت حسانؓ نے جواب دیا:

"اَسُلُّكَ مِنْهُمْ كَمَا تُسَلُّ الشَّعْرَةُ مِنَ الْعَجِيْنِ"

"یعنی مَیں آپ کو ان میں سے اس طرح نکال لوں گا جیسے گندھے ہوئے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔"

اس پر حضورؐ نے فرمایا:

اُهْجُ وَجِبْرِيْلُ مَعَكَ

یعنی اب ان کی ہجو کرو اور روح القدس تمہارے ساتھ ہے۔

صفت مرثیہ گوئی میں بھی

حضرت حسانؓ کو شعر کی صفت مرثیہ گوئی میں بھی یدِ طُولیٰ حاصل تھا اور آپ کے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات پر کہے ہوئے دو شعروں نے آپ کو دائمی عظمت بخشی ہے، ایسی عظمت کہ جس پر اس زمانہ کے امامِ رُشد و ہدایت نے (جو خود عربی کے ایک بلند پایہ ادیب اور عربی

کے صاحب دیوان شاعر تھے) اس قدر رشک کیا ہے کہ آپ کے رفقاء میں سے ایک رفیق بیان کرتے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت (بانی سلسلہ) اپنی سجدہ گاہ میں ٹہلتے جا رہے تھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے، اس رفیق نے آگے بڑھ کر پوچھا یا حضرت کیا بات ہے؟ کیا آپ کو کوئی تکلیف پہنچی ہے؟ تو حضرت نے فرمایا نہیں تکلیف تو کوئی نہیں پہنچی البتہ مَیں حضرت حسانؓ کے یہ دو شعر پڑھ رہا تھا اور دل میں کہہ رہا تھا کہ کاش! حضرت حسانؓ میرے سارے دیوان کے مالک ہوتے لیکن یہ دو شعر میری زبان سے نکلے ہوتے جو یہ ہیں ؎

كُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِي

فَعَمِيَ عَلَيَّ النَّاظِر

مَنْ شَاءَ بَعْدَكَ فَلْيَمُتْ

فَعَلَيْكَ كُنْتُ اُحَاذِر

یعنی تُو میری آنکھ کی پتلی تھا لیکن یہ پتلی تیری موت سے اندھی ہو گئی ہے۔
اَب تیری موت کے بعد جو چاہے مرے۔ مجھے تو صرف تیری موت کا ڈر تھا۔

ابوالحسن انباری کا مرثیہ اور اس کی حکمت عملی

یہ مرثیہ جو عربی ادب میں ایک نہایت ہی بلند مقام کا حامل ہے۔ عزالدولہ کے وزیر ابو طاہر بن بقیہ کے متعلق ہے۔ جس کی کسی بات سے خفا ہو کر عزالدولہ نے اسے نہ صرف پھانسی پر لٹکا دیا بلکہ کئی روز تک اس کی لاش کو کھلے میدان میں لٹکائے رکھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مرثیہ اس قدر عظیم الشان تھا کہ خود عزالدولہ نے بھی اس پر رشک کیا اور کہا کہ کاش میں خود ابو طاہر کی جگہ پھانسی دیا جاتا اور یہ مرثیہ میرے متعلق ہوتا۔ اس کے صرف پانچ اشعار ہدیہ قارئین کئے جاتے ہیں:

عُلُوٌّ فِي الْحَيَاتِ وَ فِي الْمُمَاتِ

لَحَقٌّ اَنْتَ اِحْدَى الْمُعْجِزَاتِ

وَ لَمَّا ضَاقَ بَطْنُ الْاَرْضِ عَنْ اَنْ

يَضُمَّ عُلَاكَ مِنْ بَعْدِ الْوَفَاةِ

اَصَارُوْا الْجَوَّ قَبْرَكَ وَاسْتَعَاضُوْا

عَنِ الْاَكْفَانِ ثَوْبَ السَّافِيَاتِ

وَ مَا لَكَ تُرْبَةٌ فَاَقُوْلَ تُسْقٰى

لِاَنَّكَ نُصُبُ هَطْلِ الْهَاطِلَاتِ

وَ لَمْ اَرَقَبْلَ جِذْعِكَ قَطُّ جِذْعًا

تَمَكَّنَ مِنْ عِنَاقِ الْمَكْرُمَاتِ

زندگی میں بھی عظمت ہے اور موت کے بعد بھی یہ تیرا ہی نصیب ہے۔ بخدا تُو تو ایک معجزہ ہے۔

جب زمین کا پیٹ تیری علو مرتبت کو اپنے اندر سمو نہ سکا تو لوگوں نے فضا کو ہی تیری قبر بنا دیا اور کفن کے عوض تجھے گرد اڑانے والی ہواؤں کا کپڑا اوڑھا دیا۔

اب تیری کوئی قبر نہیں ہے کہ جس پر بارش کے لئے مَیں دُعا کروں کیونکہ تُو تو موسلادھار بارشوں کا براہِ راست نشانہ ہے۔

اور تیرے اس تنے سے پہلے (جس پر تجھے پھانسی دی گئی ہے) مَیں نے کبھی کوئی ایسا تنا نہیں دیکھا کہ جس کو اس قدر عزتوں اور عظمتوں سے معانقہ کرنا نصیب ہُوا ہو۔

حضرت خنساءؓ کا مرثیہ

حضرت خنساءؓ ان مشہور عرب شاعرات میں سے ہیں جن کی فضیلت کا سب کو اعتراف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ علماءِ شعر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت خنساءؓ سے پہلے اور آپ کے بعد بھی کوئی ایسی عرب شاعرہ نہیں ہوئی جو شعر کہنے میں آپ پر فضیلت لے گئی ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے حضرت خنساءؓ کو خانہ کعبہ کا طواف اس حالت میں کرتے ہوئے دیکھا کہ آپ کا سر منڈا ہُوا تھا۔ آپ روتی جارہی تھیں۔ رخساروں پر ہاتھ مار مار کر بین کر رہی تھیں اور اپنے فوت شدہ بھائی صخر کی جوتی کو اپنی اوڑھنی میں لٹکایا ہُوا تھا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا کہ ایسا کرنا دینِ اسلام میں جائز نہیں ہے اور کہا:

هَرِيْقِي مِنْ دُمُوْعِكِ فَاسْتَفِيقِي۔"

یعنی صرف آنسو بہاؤ اور بس۔

حضرت خنساءؓ نے اپنے بھائی صخر کی وفات پر جو مرثیہ کہا اس کے پانچ اشعار درج ذیل ہیں:

يُذَكِّرُنِي طُلُوْعُ الشَّمْسِ صَخْرًا

وَاذْكُرُهٗ بِكُلِّ غُرُوبِ شَمْسٍ
فَلَوْلَا كَثْرَةُ الْبَاكِيْنَ حَوْلِی
عَلٰی اِخْوَانِهِمْ لَقَتَلْتُ نَفْسِی
عَلٰی صَخْرٍ وَ اَیُّ فَتًی كَصَخْرٍ
لِیَوْمِ كَرِیْهَةٍ وَ طِعَانِ خَلْسٍ
اَلَا یَاصَخْرُ لَا اَنْسَاكَ حَتّٰی
اُفَارِقَ مُهْجَتِی وَ یُشَقُّ رَمْسِی
فَیَا لَهْفِی عَلَیْهِ وَ لَهْفَ اُمِّی
اُیُصْبِحُ فِی الضَّرِیْحِ وَ فِیْهِ یُمْسِی

ہر طلوع شمس مجھے صخر کی یاد دلاتا ہے اور ہر غروب شمس کے وقت مَیں اسے یاد کرتی ہوں۔

اور اگر میرے ماحول میں اپنے بھائیوں پر رونے والوں کی ایک کثیر تعداد نہ ہوتی (جن کو دیکھ کر مجھے کچھ تسلی ہوتی ہے) تو مَیں اپنے آپ کو اپنے اس مرحوم بھائی کے غم میں ہلاک کر لیتی۔

مَیں اپنے بھائی صخر پر نوحہ کرتی ہوں اور لڑائی کے دن ٹھیک موقع پر تیر چلانے والا میرے بھائی جیسا اور کون جوان ہو گا؟

اے صخر مَیں تجھے ہرگز بھول نہیں سکتی جب تک کہ میری جان نہ نکل جائے اور میری قبر کھود دی جائے۔

پس ہائے افسوس اس کی موت پر میری طرف سے اور میری ماں کی طرف سے۔ کیا اب وہ صبح و شام اسی طرح اس قبر میں پڑا رہے گا؟

حسن طلب

عربی ادب کی روایات میں آتا ہے کہ ایک دفعہ کوئی دانا سوالی اپنی کسی حاجت میں براری کے لئے کسریٰ کے دروازہ پر گیا۔ وہ کافی دیر تک وہاں منتظر رہا لیکن اُسے باریابی نصیب نہ ہوئی۔ اس لئے اُس نے درج ذیل رقعہ لکھ کر دربان کے حوالے کیا کہ وہ اُسے شہنشاہ کو پہنچا دے۔

پہلی سطر میں لکھا: الضرُورَۃُ وَ الْاَمَلُ اَقْدَمَانِی عَلَیكَ یعنی ضرورت اور امید مجھے تجھ تک لائے ہیں۔

دوسری سطر میں لکھا: اَلْعَدِیمُ لَا یَکُوْنُ مَعَہٗ صَبْرٌ یعنی حاجت مند صبر نہیں کر سکتا۔
تیسری سطر میں لکھا: اَلَانْصِرَافُ بِغَیْرِ شَیءٍ شَمَاتَۃُ الْاَعْدَآءِ یعنی خالی ہاتھ لوٹنے میں شماتت اعداء ہے۔
چوتھی سطر میں لکھا: اِمَّا نَعَمٌ مُثْمِرَۃٌ وَ اِمَّا لَا مُرِیْحَۃٌ یعنی یا تو پھلدار ہاں کہیں یا نہ کہیں جس سے آرام آجائے۔
جب کسریٰ نے یہ رقعہ پڑھا تو اس نے سوالی کو ہر سطر کے عوض ایک ہزار دینار دینے کا حکم دیا۔

بد فطرتی

کہا جاتا ہے کہ کسی بڑھیا نے بھیڑیئے کا ایک چھوٹا سا بچہ گھر لا کر اُسے اپنی بکری کے دودھ پر پالنا شروع کیا۔ جب وہ بھڑیئے کا بچہ ذرا بڑا ہو گیا تو ایک دن اس نے اُسی بکری کو مار ڈالا جس پر بڑھیا نے یہ شعر پڑھے ؎

فَتَلْتَ شُوَیْهَتِی وَ فَجَعْتَ قَلْبِی
وَ اَنْتَ لِشَاتِنَا اِبْنٌ رَبِیْبٌ
غُذِیْتَ بِدِرِّھا وَ غَدَرتَ فِیْهَا
فَمَنْ اَنْبَاکَ اَنَّ اَبَاکَ ذِئْبٌ
اِذَا کَانَ الطِبَاعُ طِبَاعَ سُوْءٍ
فَلَا اَدَبٌ یُفِیْدُ وَ لَا اَدِیْبٌ

یعنی تُو نے میری پیاری بکری کو مار ڈالا اور میرے دل پر چرکہ لگایا۔ حالانکہ تو ہماری اس بکری کا لے پالک بیٹا تھا۔ تجھے اس کا دودھ پلایا گیا مگر تو نے اُس سے غداری کی۔ پس تجھے کس نے بتلایا تھا کہ تیرا باپ بھیڑیا تھا۔ جب فطرتیں ہی بد ہوں تو نہ ادب فائدہ دیتا ہے اور نہ ہی ادب سکھانے والا۔

ہر تخلیق میں خوبی

قدرت کی کوئی تخلیق بلا خوبی نہیں ہے۔ اس لئے عقلمند اسے تلاش کر ہی لیتے ہیں۔ بلکہ اہل اللہ تو بعض اوقات مکروہ اشیاء میں بھی اس خوبی کو ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کے ساتھ ایک ایسی جگہ سے گزرے جہاں ایک کتا مرا پڑا تھا

اور اُس سے بدبو اُٹھ رہی تھی۔ حواریوں نے کہا کہ اس کتے سے کیسی بری بدبو آرہی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے ادھر توجہ کی اور پھر کہا کہ دیکھو اس کے دانت کتنے چمکیلے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ کسی فارسی دانا نے ایک دفعہ کہا اَخَذْتُ مِنْ کُلِّ شَیءٍ اَحْسَنَ مَا فِیْهِ یعنی مَیں نے ہر چیز سے اس کا بہترین لے لیا ہے، اس پر انہیں کہا گیا مَا اَخَذْتَ مِنَ الْکلب؟ یعنی آپ نے کتے سے کون سی بہترین چیز لی ہے؟ قَالَ حُبُّهٗ لِاَهْلِهٖ دَذَبُّهٗ عَنْ صَاحِبِهٖ اُس نے کہا کتے کا اپنے مالک سے محبت کرنا اور بوقت ضرورت اس کا دفاع کرنا۔ اس پر اُسے کہا گیا کہ مَا اَخَذْتَ مِنَ الغُراب؟ یعنی آپ نے کوے سے اس کی کون سی بہترین چیز لی ہے؟ قَالَ شِدَّةُ حَذْرِهٖ اُس نے کہا اس کی غیر معمولی احتیاط۔ اس پر اسے کہا گیا فَمَا اَخَذْتَ مِنَ الْخِنْزِیْرِ؟ یعنی آپ نے سؤر سے اس کی کون سی بہترین چیز لی ہے؟ قَالَ بَدْرُهٗ فِی حَوَائِجِهٖ اُس نے کہا اس کا صبح سویرے اپنی حوائج کے لئے نکلنا۔ اس پر اُسے کہا گیا کہ فَمَا اَخَذْتَ مِنَ الْهِرَّةِ یعنی آپ نے بلی سے اُس کی کون سی بہترین چیز لی ہے؟ قَالَ تَمَلُّقُهَا عِنْدَ الْمَسْاَلَةِ اُس نے کہا بوقت ضرورت اُس کا خوشامد اور چاپلوسی کرنا۔

حاضر دماغی

کہا جاتا ہے کہ کسی شاعر نے غلطی سے اپنے کسی دوست کو شام کے وقت مَسَاءَ الْخَیْر کہنے کی بجائے صَبَاحَ الْخَیْر کہہ دیا۔ یعنی شام کا سلام، کہنے کی بجائے صبح کا سلام کہہ دیا۔ لیکن اُسے فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تو اُس نے اپنی خفت و شرمندگی مٹانے کے لئے فوراً فی البدیہہ یہ دو شعر پڑھے ۔

صَبَّحْتُهٗ عِنْدَ الْمَسَاءِ فَقَالَ لِی
مَاذَا الْکَلَامُ وَ ظَنَّ ذَاكَ مَزَاحًا
فَاَجَبْتُهٗ اِشْرَاقُ وَجْهِكَ غَرَّنِی
حَتّٰی تَوَهَّمْتُ الْمَسَاءَ صَبَاحًا

یعنی مَیں نے اُسے شام کے وقت صبح کا سلام کہہ دیا تو اس نے کہا کہ یہ کیا کلام ہے؟ اور اسے مذاق سمجھا اس پر مَیں نے اُسے کہا کہ تیرے چہرے کی چمک نے مجھے دھوکہ دیا ہے کہ مَیں نے شام کو صبح سمجھ لیا۔

شوقی اور حافظ

امیرالشعراء شوقی اور حافظ ابراہیم "شاعرالنیل" دونوں مصر کے ہمعصر شاعر ہیں اور عربی ادب میں دونوں قابل رشک مقام کے حامل ہیں۔ ایک دن حافظ ابراہیم کسی قہوہ خانہ میں بیٹھا قہوہ پی رہا تھا ادھر سے شوقی کا گزر ہوا تو اسے دیکھ کر شوقی بھی حافظ کے پاس آ گیا۔ اس پر حافظ نے خادم کو آواز دے کر کہا کہ ان کے لئے کوئی مشروب لے آؤ لیکن شوقی نے کسی قیمتی اور مہنگے مشروب کی خواہش کر دی۔ مگر بدقسمتی سے اس وقت حافظ ابراہیم کی جیب اس کی متحمل نہ تھی اس نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا۔

يَقُولُونَ اِنَّ الشَّوْقَ نَارٌ وَ لَوْعَةٌ
فَمَا بَالُ (شَوقِی) اَلْيَومَ اَصْبَحِ بَارِدًا

یعنی کہتے ہیں کہ شوق ایک بھڑکنے والی آگ ہے لیکن میرا شوق یعنی شوقی آج ٹھنڈا ہو گیا ہے، شوقی ہنس پڑا اور مطلب سمجھ گیا اور سارا بل خود چکا دیا۔

مبتلائے عشق

ادبی روایات میں آتا ہے کہ کسی جگہ تین بہنیں رہتی تھیں ایک دن وہ اکٹھی بیٹھی اپنے عشق کا تذکرہ کر رہی تھیں کہ انہوں نے کہا آؤ ہم میں سے ہر ایک اپنے عشق کا کچھ حال شعر میں بیان کرے۔ تو سب سے پہلی بہن نے کہا۔

عَجِبْتُ لَهُ اِذْ زَارَفِی النَّوْمِ مَضْجَعِی
وَ لَو زَارَلِیْ مُسْتَيْقِظًا كَانَ اَعْجَبَ

یعنی جب میرا معشوق میری زیارت کے لئے رات میرے بستر پر خواب میں آیا تو مجھے بڑا تعجب اور خوشی ہوئی لیکن اگر وہ عالم بیداری میں میری زیارت کو آتا تو میری خوشی دوبالا ہو جاتی۔

اس کے بعد منجھلی بہن یوں گویا ہوئی۔

وَ مَا زَارَنِیْ فِی النَّوْمِ اِلَّا خَيَالُهُ
فَقُلْتُ لَهُ اَهْلًا وَ سَهْلًا وا مَرحَبَا

یعنی میری نیند میں صرف میرے معشوق کے خیال نے میری زیارت کی اس

پر مَیں نے اُس کے خیال کو بھی خوش آمدید کہا۔
اس پر سب سے چھوٹی بہن یوں سخن طراز ہوئی ۔

بِنَفْسِیْ وَ اَهْلِی مَنْ اَرَی كُلَّ لَيْلَةٍ
ضَجِيْعِی وَ رَيَّاهُ مِنَ الْمِسْكَ اَطِيْبَا

یعنی میرا نفس اور میرا گھرانہ سب اس پر فدا ہیں جس کو مَیں ہر روز خواب میں اپنے بستر پر ہم خواب پاتی ہوں اور اس کی خوشبو کستوری کی خوشبو سے بھی اعلیٰ و برتر ہے۔

ایک نوجوان گزرا اور ان تینوں نے اس سے خواہش کی کہ وہ بتائے کہ کس کا شعر سب سے اچھا ہے؟ اس پر اس نے ان تینوں بہنوں کو اپنے اپنے شعر سنانے کو کہا۔ جس پر تینوں نے اسے اپنا اپنا شعر سنایا اس پر اس نوجوان نے بھی فی البدیہہ چند شعر انہیں سنائے اور اپنے آخری شعر میں اپنا فیصلہ ان الفاظ میں دیا ۔

حَكَمْتُ لِصُغْرٰ هُنَّ بِالظَّفْرِ اِنَّنِیْ
رَاَيْتُ الَّذِیْ قَالَتْ اِلَی الْقَلْبِ اَطْرَبَا

یعنی مَیں نے اُن سے سب سے چھوٹی کے حق میں فوقیت کا فیصلہ دیا کیونکہ مَیں نے دیکھا کہ جو اُس نے کہا تھا وہ دل کو سب سے زیادہ خوشی پہنچانے والا ہے۔

مجانست و مرادفت

عربی میں اگر الفاظ ایک جیسے ہوں اور معانی مختلف تو اُسے مجانست کہا جاتا ہے۔ کبھی "یہ مجانست ناقصہ" ہوتی ہے۔ جیسے قرآن کریم کی سورۃ الضحیٰ کی یہ دو آیات ـــــ فامّا الیتیم فلا تقھر و اما السائل فلا تنھر ـــــ اور کبھی یہ مجانست کاملہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ درج ذیل شعر سے ظاہر ہو گا لیکن اگر الفاظ مختلف ہوں۔ اور معنی اور مفہوم ایک ہو تو اسے مرادفت کہا جاتا ہے۔ عربی فصاحت و بلاغت میں مجانست کو ایک خاص مقام حاصل ہے اور اُس سے کلام میں ایک عجیب لطافت و ظرافت پیدا ہوتی ہے۔ نیز یہ کلام کو مقفّی اور مسجع بنانے میں بہت مدد و معاون ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے ۔

طَرَقْتُ الْبَابَ حَتّٰی كَلَّمْتُنِی
فَلَمَّا كَلَّمَتْنِی كَلَّمَتْنِی

یعنی میں نے اپنی محبوبہ کا دروازہ اس شدت سے کھٹکھٹایا کہ وہ مجھ سے کلام
کرنے پر مجبور ہو گئی لیکن جب اُس نے مجھ سے کلام کیا تو اُس نے مجھے
اپنے کلام سے زخمی کر دیا۔

اس شعر میں الفاظ ایک جیسے ہیں۔ لیکن مفہوم مختلف ہے اور زبان کے زخم تو سب زبانوں
میں مشہور و معروف ہیں چنانچہ ایک اور شاعر زبان کے زخموں کے بارہ میں یوں اظہارِ خیال کرتا
ہے۔

جَراحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِيامٌ
وَ لاَ يَلتَامُ مَا جَرحَ اللِّسَانُ

یعنی نیزوں کے زخم تو مندمل ہو جاتے ہیں لیکن زبان کے زخموں کا مندمل ہو
جانا ممکن نہیں ہے۔

اَلطَّبْعُ يَغْلِبُ التَّطَبُّعَ

ایک بادشاہ کا اپنے وزیر سے اس بات پر تنازعہ ہو گیا کہ آیا فطرت بدلی جا سکتی ہے یا نہیں۔
بادشاہ کہتا تھا کہ بدلی جا سکتی ہے لیکن وزیر مصر تھا اور کہتا تھا کہ اَلطَّبْعُ يَغْلِبُ اَلتَّطَبُّعَ ——یعنی
فطرت بناوٹ پر غالب رہتی ہے۔

بہرحال بادشاہ نے اپنے وزیر کو قائل کرنے کے لئے اپنے گھر میں اُس کی دعوت کی اور اُس
دعوت میں اُس نے کچھ پالتو بلیوں کو (ان کے اگلے دونوں قدموں میں شمعیں تھما کر) کھڑا کر رکھا تھا
تا کہ وزیر کو یہ تاثر دے کہ دیکھو بلیاں اپنی فطرت کے خلاف اپنے ہاتھوں میں شمعیں لئے کھڑی
ہیں۔ جب دعوت ختم ہو گئی تو بادشاہ نے وزیر سے پوچھا کہ اب بتلاؤ کہ کیا میری بات درست ہے یا
نہیں؟ وزیر نے کہا کہ بادشاہ سلامت! آپ کل پھر اسی طرح ایک دعوت کریں اور مَیں اُس وقت
جواب دوں گا۔ بادشاہ نے وزیر کی اس درخواست کو قبول کیا اور دوسرے روز پھر اسی طرح دعوت
کی جس میں بلیاں پھر اپنے ہاتھوں میں شمعیں لئے کھڑی تھیں۔ جب کھانا شروع ہوا تو وزیر نے وہ
چوہا جو وہ اپنی آستین میں چھپائے ہوئے تھا۔ چپکے سے چھوڑ دیا۔ پھر کیا تھا بلیاں سب کچھ بھول
گئیں فوراً شمعوں کو دے مارا اور چوہے کے پیچھے دوڑ پڑیں۔ وزیر نے کہا بادشاہ سلامت! ملاحظہ
فرمایا آپ نے۔ کیا فطرت بناوٹ پر غالب ہے یا نہیں؟ بادشاہ سخت شرمندہ ہوا اور وزیر کی بات تسلیم
کر لی۔

اعضائے انسانی کی تذکیر و تانیث

عربی زبان میں ایک عمومی قاعدہ کے مطابق ہر وہ انسانی عضو جو ایک ہو وہ مذکر ہوتا ہے اور جو اعضاء دو کی تعداد میں ہوں وہ مؤنث ہوتے ہیں۔ جیساکہ قرآن کریم کی آیت اَلَھُم اَرْجُلٌ یَمشُوْنَ بِھَا اَمْ لَھُمْ اَیدٍ یَبْطِشُونَ بِھَا۔ اَمْ لَھُم اَعیُنٌ یُبْصِرُوْنَ بِھَا۔ اَمْ لَھُمْ اٰذَانٌ یَسْمَعُونَ بِھَا (سورہ اعراف) سے ظاہر ہے لیکن اس میں ایک استثناء بھی پایا جاتا ہے۔ جس کی ایک عمدہ مثال کسی عرب شاعر کے یہ دو شعر ہیں ؂

وَلِی کَبِدٌ مَقْرُوْحَۃٌ مَن یَبْیْعُنِی

بِھَا کَبِداً لَیسَتْ بِذَاتِ قُروحِ

اَبَاھَا عَلَیَّ النَّاسُ لَا یَشْتَرُوْنَھَا

وَ مَن یَشْتَری ذَا عِلَّۃٍ بِصَحِیْحِ

یعنی میرے پاس ایک زخمی جگر ہے۔ کوئی ہے جو اس زخمی جگر کو لے کر مجھے اپنا صحیح الحال جگر دے دے۔ لوگ اس کے تبادلہ سے انکاری ہیں اور بات یہ ہے کہ کوئی شخص بھی صحیح و سالم چیز کے عوض بیمار چیز لینے کو تیار نہیں ہوتا۔

دلچسپ عربی ضرب الامثال

ہر زبان میں ضرب الامثال پائی جاتی ہیں اور اُن کا برموقع و برمحل استعمال کلام کو چار چاند لگا دیتا ہے۔ چند دلچسپ عربی ضرب الامثال ہدیہ قارئین کی جاتی ہیں۔

(۱) کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مجنوں کا حضرت حسینؓ کے پاس سے گزر ہوا تو حضرت حسینؓ سے کہنے لگا کہ حضرت آپ کا اموی خاندان سے کیا تنازعہ ہے؟ اس پر حضرت حسینؓ اسے خلافت کے بارہ میں تشریح کر کے بتلاتے رہے۔ جب حضرت حسینؓ اپنی لمبی چوڑی تشریح سے فارغ ہوئے تو مجنوں نے کچھ دیر کے لئے اپنا سر نیچے جھکایا۔ جیسے وہ کسی گہری سوچ میں پڑ گیا ہو اور پھر بولا "کلٌ یُغنِّی عَلٰی لَیلاہُ" یعنی ہر شخص اپنی اپنی لیلیٰ کے گیت گا رہا ہے —— اور اس سے یہ ضرب المثل چل نکلی۔

(۲) ایک شخص نے کسی دوسرے سے کچھ قرض واپس لینا تھا۔ وہ مقروض اسے کبھی کہتا کہ مَیں کل فلاں کی بستی میں ہوں گا۔ تم وہاں آکر رقم لے لینا اور جب وہ وہاں پہنچتا تو اُسے کہتا کہ مَیں فلاں دن ماناں بستی میں ہوں گا۔ وہاں آکر اپنی رقم لے لینا۔ الغرض وہ مسلسل کئی روز تک

اپنے محسن کو ان دونوں بستیوں کے چکر لگواتا رہا۔ جس پر تنگ آکر ایک دن اُس کے مُنہ سے نکلا "بَيْنَ حَانَا وَ مَانَا ذَهَبَتْ لُحَانَا" ــــ یعنی حانا اور مانا کا چکر لگانے پر میری داڑھی کُمس گئی ــــ اور پھر یہ ضرب المثل بن گئی۔

(۳) ایک اور مشہور و معروف ضرب المثل ہے۔ "اَنَا اَمِيْر وَ اَنْتَ اَمِير وَ مَنْ يَسُوْقُ الْحَمِير" ــــ یعنی جب مَیں بھی امیر ہوں اور تم بھی امیر (بمعنے حاکم) ہوئے تو پھر گدھوں کو کون ہانکے گا ــــ اردو میں اس کا بہت عمدہ ترجمہ موجود ہے جو یہ ہے۔ "مَیں بھی رانی تُو بھی رانی کون بھرے گا پانی۔"

(۴) ایک اور ضرب المثل ہے "اَنْفِقْ مَا فِي الْجَيْبِ يَاتِيكَ مَا فِي الْغَيْبِ" یعنی جو جیب میں ہے اسے خرچ کرو گے تو جو غیب میں ہے وہ مل جائے گا۔"

(۵) ایک اور ضرب المثل یہ ہے "كُلُّ دِيكٍ فِي مُزْبَلَتِهِ اَمِيْر" ــــ اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ ہر مرغ اپنی اروڑی (گوبر کا ڈھیر) میں بادشاہ ہوتا ہے۔

(۶) ایک ضرب المثل ــــ "كُلُّ عُوْدٍ فِيهَا دُخَانٌ" کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ ــــ ہر لکڑی میں دھواں ہوتا ہے ــــ لیکن اصل مفہوم یہ ہے کہ ہر آدمی میں کچھ نہ کچھ غیرت ضرور ہوتی ہے۔

(۷) ایک ضرب المثل ــــ اَكَلَ الدَّهْرُ عَلَيْهِ وَ شَرِبَ یہ اُس شخص کے متعلق کہا جاتا ہے جس کی عمر بہت لمبی ہو جائے۔

(۸) ایک اور ضرب المثل ــــ اَلْفَضْلُ لِلْمُبْتَدِى وَ لَو اَحْسَنَ الْمُقْتَدِى ــــ یعنی اصل فضیلت پہل کرنے والے کی ہے۔ خواہ اُس کی اقتداء کرنیوالا اُس سے بہتر کیوں نہ کر دکھائے۔

شعر و شاعری

انسان اپنے مافی الضمیر کو دو طرح ادا کرتا ہے یعنی نثر میں یا نظم میں۔ نثر میں تو سب ہی کلام کرتے ہیں۔ لیکن نظم میں کلام کرنے کا وصف ہر شخص کو میسر نہیں۔ نظم ایک TALENT یعنی ملکہ ہے اور اس کا ایک امتیاز یہ ہے کہ اس میں جس قدر مبالغہ آرائی ہو اُسی قدر یہ اچھی لگتی ہے۔ چنانچہ عربی میں کہتے ہیں۔ "اَحْسَنُ الشِّعْرِ اَكْذَبُهُ" کہ بہترین شعر وہ ہوتا ہے جس میں اس قدر مبالغہ ہو کہ وہ کذب صریح معلوم ہو ــــ اسی لئے قرآن کریم نے اپنے شعر ہونے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر ہونے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا ہے "وَ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ"

۔۔۔۔ بہرحال مبالغہ آرائی اور غلو شعر کی ایک امتیازی شان ہے اور ذیل کے دو شعر اس کی ایک عمدہ مثال ہیں۔

مَرَرْتُ عَلٰی الْفُرَاتِ وَ لَیْسَ تَجرِی
سَفَائِنُہٗ لِنُقْصَانِ اَلْفُرَاتِ
فَلَمَّا اَنْ ذَکَرْتُكَ فَاضَ دَمْعِی
فَاَجْرَاھُن جَرْیَ الْعَاصِفَاتِ

یعنی مَیں دریائے فرات کے پاس سے گزرا تو مَیں نے دیکھا کہ پانی کی کمی کے باعث اس میں کشتیاں نہیں چل رہی تھیں لیکن اے میرے محبوب جب مَیں نے تجھے یاد کیا تو میری آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک سیل رواں بہہ پڑا جس سے دریائے فرات بھر گیا اور پھر اس میں کشتیاں نہایت تیزی سے رواں دواں ہو گئیں۔

عربی شاعری کا ایک اور وصف

عربی زبان کے اشعار کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ ان میں تشبیہات و استعارات کا ایک سمندر موجیں مارتا نظر آتا ہے چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

مَاضَرَّ کُم اِنْ کَانَ جَعْفَرُ جَارَکُمْ
اَنْ لَا تَکُونَ بِلَادُ کُمْ مَمْطُوْراً

یعنی جبکہ (بادشاہ وقت) جعفر تمہارا پڑوسی ہے تو پھر تمہیں اس بات کا کیا ڈر ہے کہ تمہارے ملک میں بارش ہوتی ہے یا نہیں۔ چونکہ جعفر کے معنی ایک چھوٹی نہر کے ہیں۔ اس لئے شاعر نے اس بادشاہ کو نہر سے تشبیہ دیتے ہوئے اس کی رعایا کو تسلی دی ہے کہ بارش نہ ہونے کی صورت میں انہیں قحط کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ درحقیقت اس شعر میں بادشاہ کے جود و عطا کی طرف اشارہ ہے۔

عربی زبان کا ایک اور شعر اپنے محبوب کے رخساروں، قد اور آنکھوں کی کیفیت یوں بیان کرتا ہے ؎

یَامَنْ حَوی وَرْدَالرِّیَاضِ بِخَدِّہٖ
وَ حَکَی قَضِیْبَ الْخَیْزَرَانِ بِقَدِّہٖ

دَعْ عَنكَ ذَاالسَّيفَ الَّذِی جَرَّدْتَہٗ
عَینَاكَ اَمضٰی مِن مَضارِبِ حَدِّہٖ
کُلُّ السُّیُوْف قَوَاطِعٌ اِنْ جُرِّدَتْ
وَ حُسَامُ لَحَظِكَ قَاطِعٌ فِی غِبمْدِہٖ

یعنی اے وہ کہ جس نے اپنے رخساروں میں گلاب کے پھولوں کی رنگت و نکہت جمع کر رکھی ہے اور جو اپنے قد میں نرم و نازک بید کی شاخ کی طرح ہے۔ یہ تلوار (مراد آنکھیں) جو تم نے سونت رکھی ہے اس کو رکھ دے۔ کیونکہ تیری دونوں آنکھیں تو تلوار کی تیز دھار سے بھی زیادہ تیز ہیں۔ بلکہ ان کا امتیاز یہ ہے کہ باقی سب تلواریں تو اس وقت کاٹ سکتی ہیں جب ان کو سونتا جاتا ہے لیکن تیری آنکھوں کی تلوار تو بند ہونے کے باوجود کاٹنے میں بے حد تیز ہے۔

علامہ حریری اور اس کا غلام

علامہ حریری اپنے وقت کے ایک نابغہ تھے۔ ان کی کتاب "مقامات الحریری" نے انہیں عربی ادب میں شہرت عام اور بقائے دوام بخشی ہے اور اس کتاب کو یہ لازوال مقام حاصل ہے کہ عربی زبان کا کوئی ادیب اس کے مطالعہ سے مستغنی نہیں ہے اس کتاب کی مقفی و مسجع عبارتیں ایسی ہیں کہ گویا مخمل پر موتی ٹکے ہوئے ہیں۔ لیکن اپنی اعلیٰ و دماغی صلاحیتوں کے باوجود علامہ حریری کی شکل بہت مکروہ تھی اور علامہ کا ایک غلام جو ان کے پاس رہتا تھا اسے اس بات پر بہت تعجب تھا کہ وہ اس قدر مقبول کیوں ہیں۔ پس اس نے سوچا کہ اگر اس علامہ جیسا بدصورت انسان نظم و نثر میں کمال حاصل کر سکتا ہے تو مَیں جو اس سے بدرجہا بہتر شکل رکھتا ہوں۔ کیوں یہ مقام حاصل نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ایک دن وہ گھر کے ایک گوشہ میں بیٹھ گیا اور شاعری کے لئے طبع آزمائی شروع کر دی اور آخر کئی گھنٹوں کی محنت شاقہ کے بعد اس نے یہ مصرعہ مرتب کیا۔

وَجْہُ الْحَرِیْرِیِّ وَجْہُ قِرْدٍ

یعنی حریری کی شکل بالکل بندر کی سی ہے۔

اب وہ دوسرے مصرعہ کے لئے کوشش کرنے لگا اور مبتدی شاعروں کی طرح وہ اپنے اس پہلے مصرعہ کو بار بار دوہرانے لگا۔ لیکن گرہ لگنے ہی میں نہ آتی تھی اور دوسرا مصرعہ مرتب نہ ہوتا تھا۔ تاہم وہ اپنے مصرعہ کو ابھی دوہرا ہی رہا تھا کہ حریری نے بھی اسے سن لیا اور فوراً دوسرے

مصرعہ کی گرہ یوں لگائی "والضَّرورَۃُ اَحوَجتَنَا اِلَیہِ" (اگرچہ حریری کی شکل بالکل بندر کی سی ہے) لیکن ہمیں ہماری ضرورت نے اس کا محتاج کر دیا ہے ــــ غلام یہ سن کر بہت شرمندہ ہوا۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا ــــ اس واقعہ کے بعد دوسرے روز جب علامہ حریری خلیفہ وقت سے ملے تو اسے اپنے غلام کا سارا واقعہ سنایا جس پر خلیفہ نے کہا کہ کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ تم ذرا صبر کر لیتے۔ شاید وہ دوسرا مصرعہ خود ہی مرتب کر لیتا۔ اس پر علامہ حریری کہنے لگے۔ حضور میں صبر کیسے کرتا۔ اس نے تو پہلے مصرعہ میں ہی مجھے بندر بنا دیا تھا اور مجھے ڈر تھا کہ اگر میں نے جلدی نہ کی تو کہیں دوسرے مصرعہ میں وہ مجھے کتا ہی نہ بنا دے ــــ خلیفہ یہ سن کر بہت ہنسا۔

عشق و معاشقہ

دنیا عشق و معاشقہ کی داستانوں سے بھری پڑی ہے لیکن دنیا کے سب عشق، عشق مجازی کی ذیل میں آتے ہیں۔ عشق حقیقی صرف اللہ تعالیٰ سے ہو سکتا ہے کیونکہ باقی سب معشوق فانی اور زوال پذیر ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات غیر فانی اور لازوال ہے۔ عشق کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کی ابتداء خود معشوق سے ہی ہوتی ہے۔ خواجہ حافظ شیرازی نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎

عشق اول در دِل معشوق پیدا می شود
تانہ سوزد شمع کے پروانہ شیدا می شود

دوسری بات عشق کے متعلق یہ کہی جاتی ہے کہ عاشق معشوق پر اس طرح فریفتہ ہوتا ہے اور اس میں ایسا مگن ہوتا ہے کہ بس دنیا و مافیہا سے غافل ہو جاتا ہے اور اگرچہ وہ اپنی اس حالت پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے لیکن یہ بات بنائے نہیں بنتی۔ چنانچہ مجنوں کے اپنی معشوقہ (لیلیٰ) کے عشق میں درجِ ذیل دو شعر اس حقیقت کا بہترین اظہار ہیں ؎

اُصَلِّی فَمَا اَدرِی اِذَا مَا ذَکَرتُهَا
اَثِنتَینِ صَلَّیتُ الضُّحٰی اَمْ ثَمَانِیا
لِسَانِی لِلَیلٰی وَالفُؤادُ لِغَیرِهَا
وَ فِی لَحظِ عَینِی مُکَذِبٌ لِلِسَانِیا

یعنی بوقت نماز جب مجھے لیلیٰ یاد آتی ہے تو مجھے یہ پتہ نہیں چلتا کہ نمازِ چاشت میں نے دو رکعت پڑھی ہے یا آٹھ اور اگرچہ میں لوگوں کو یہی کہتا ہوں کہ لیلیٰ کا ذکر صرف میری زبان پر ہے اور دل میں کوئی ایسی بات نہیں لیکن لیلیٰ کو میں جس نظر سے دیکھتا ہوں وہ میرے اس زبانی دعوے کو جھٹلا رہی ہوتی ہے۔

دنیوی مال و متاع

دنیا کی محبت انسان کی سرشت میں ودیعت ہے۔ جیساکہ قرآن پاک کی آیت کریمہ "زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ....الخ" سے ظاہر ہے لیکن اس محبت میں اگر اعتدال اور میانہ روی ہو تو یہ اتنی خراب نہیں ہے۔ پھر برا ہو لالچ کا کہ یہ انسان کے اعتدال کو کھا جاتا ہے اور انسان کی حرص و آز اسے ایک جگہ ٹھہرنے نہیں دیتی۔ حالانکہ یہ امر حقیقتاً اس کے لئے سخت نقصان دہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

أَرَى الدُّنْيَا لِمَنْ هِيَ فِي يَدَيْهِ
عَذَابًا كُلَّمَا كَثُرَتْ لَدَيْهِ
تُهِيْنُ الْمُكْرِمِيْنَ لَهَا بِصِغْرٍ
وَ تُكْرِمُ كُلَّ مَنْ هَانَتْ عَلَيْهِ

یعنی میں دیکھتا ہوں کہ دنیا جس کو بھی ملی ہے یہ جتنی کسی کے پاس زیادہ ہوتی ہے اتنا ہی اس کے لئے باعث عذاب بن جاتی ہے۔ کیونکہ جو دنیا کی عزت کرتے ہیں۔ یہ ایک حقارت کے ساتھ اُن کی تذلیل کرتی ہے اور جو اُسے ذلیل سمجھتا ہے (جیسے انبیاء و اولیاء) یہ اُس کی عزّت کرتی ہے۔

اسی لئے انگریزی میں بھی کہتے ہیں:

WEARY LIES THE HEAD THAT WEARS A CROWN.

یعنی ــــــ کوئی اس وہم میں مبتلا نہ ہو کہ شاید بادشاہ بڑے آرام کی زندگی بسر کرتا ہے۔ بالکل نہیں اُس کے تفکرات اور پریشانیاں باقی سب لوگوں سے زیادہ ہوتی ہیں۔

لطیف عتاب

ایک استاد نے اپنے عبدالصمد نامی ایک شاگرد کو سبق دے کر اُسے دوہرانے کی تاکید کی۔ شاگرد بجائے اس کے کہ وہ سبق کو آرام سے دوہراتا۔ اُس نے اُسے بہت بلند آواز سے پڑھنا اور دوہرانا شروع کر دیا جس سے اُستاد بہت زِچ ہُوا اور اُس نے اُسے فی البدیہہ یہ شعر سنایا ؎

لَا تَرْفَعَنْ صَوْتَكَ يَاعَبْدَالصَّمَد
اِنَّ الصوابَ فِی الْاَسدِّ لَا الْاَشَدّ

یعنی ــــ "اے عبدالصمد، اپنی آواز کو بہت بلند نہ کرو۔ کیونکہ معقولیت زیادہ اونچا پڑھنے میں نہیں بلکہ صحیح پڑھنے میں ہے ــــ"

اس شعر کے دوسرے مصرعہ کے آخری دو الفاظ یعنی اسد اور اشد مجانست ناقصہ کی ایک مثال ہیں لیکن مجانست خواہ ناقصہ ہی کیوں نہ ہو یہ مخل بالفصاحۃ نہیں ہوتی ہے۔

اقلیم عشق

دنیوی حکومت کے علاوہ ایک حکومت عشق و محبت کی بھی ہے۔ اس اقلیم کا انداز حکمرانی، سلطانی بھی نرالا اور انوکھا ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے جابر حکمران و سلاطین عشق و محبت کی راجدھانی میں اپنے آپ کو بالکل بے بس اور مجبور و مقہور پاتے ہیں۔ ایک فارسی شاعر اپنے اشعار میں ایک عاشق زار کی حالت کا نقشہ یوں کھینچتا ہے ۔

بیاجاناں تماشہ کن کہ درانبوہِ مشتاقاں
بصد سامان رسوائی سر بازار می رقصم
نمی دانم چہ مستانہ دم دیدار می رقصم
مگر نازم بریں ذوقے کہ پیشِ یار می رقصم

کچھ اسی سے ملتا جلتا حال ہی مشہور و معروف عباسی خلیفہ ہارون الرشید کا معلوم ہوتا ہے۔ جو بظاہر بڑا ذی سطوت و جبروت حکمران تھا لیکن عشق و محبت کی سلطنت میں اپنے مجبور و لاچار ہونے کا نہایت ہی واشگاف الفاظ میں یوں اعتراف کرتا ہے ۔

مَلِكَ الثَّلَاثُ الْاٰنِسَاتُ عِنَانِی
وَ حَلَلْنَ مِن قَلْبِی بِكُلِّ مَكَان
مَالِی تُطَاوِعُنِی الْبَرِيَّةُ كُلُّهَا
وَ اُطِيْعُهُنَّ وَ هُنَّ فِی عِصْيَانِی
مَا ذَاكَ اِلا اَن سُلْطَانَ الْهَوٰی
وَ بِهٖ قَوَيْنَ اَعَزُّ مِنْ سُلْطَانِی

یعنی تین خوبرو و خوبصورت عورتوں کے ہاتھ میں میری لگام ہے اور وہ میرے دل کے ہر گوشہ میں براجمان ہیں۔ مجھے کیا ہو گیا ہے کہ ساری دنیا تو

میری اطاعت کرتی ہے میں تو ان کی اطاعت کرتا ہوں لیکن وہ میری نافرمانی کرتی ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ عشق و محبت کا غلبہ جو انہیں حاصل ہے وہ میری شان و شکوہ اور غلبہ سے زیادہ طاقتور ہے۔

ابو نواس کے قتل کا حکم

روایات میں آتا ہے کہ ایک دفعہ ہارون الرشید نے ابو نواس (جو اس کا ندیم اور درباری شاعر تھا) کے قتل کا حکم دے دیا۔ ابو نواس نے خلیفہ کی خدمت میں عرض کی کہ میں کس وجہ سے قتل کا مستحق ہوا ہوں۔ ہارون الرشید نے کہا کہ تم نے یہ شعر کہا ہے ؎

اَلَا فَاسْقِنِی خَمْرًا وَ قُلْ لِی هِیَ الْخَمْرُ
وَ لَا تَسْقِنِی سِرًّا اِذَا اَمْکَنَ الْجَهْرُ

یعنی ـــــ "مجھے شراب پلاؤ اور یہ کہو کہ یہ شراب ہے۔ اور اگر اعلانیہ ایسا ممکن ہو تو پھر پوشیدگی کی بجائے کھلم کھلا پلاؤ۔"

اس پر ابو نواس نے کہا۔ امیرالمومنین، کیا آپ کو یقین ہے کہ اس نے واقعی مجھے شراب پلائی ہے؟ ـــــ اس پر خلیفہ نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ اُس نے ضرور پلائی ہو گی۔ اس پر ابو نواس نے کہا کہ آپ مجھے ظن کی وجہ سے قتل کریں گے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ یعنی بعض بدگمانیاں گناہ ہوتی ہیں۔ اس پر خلیفہ نے کہا۔ جانے دو تم نے تو اس سے بھی بڑا شعر کہا ہوا ہے۔ ابو نواس نے کہا۔ وہ کیا ہے؟ خلیفہ نے کہا کیا تم نے یہ نہیں کہا کہ

مَا جَاءَنَا اَحَدٌ یُخَبِّرُ اَنَّهٗ
فِی جَنَّتٍ مَنْ مَاتَ اَوْ فِی النَّارِ

یعنی آج تک ہمیں کسی مرنے والے نے واپس آکر یہ نہیں بتالیا کہ مرنے کے بعد وہ جہنم میں گیا تھا یا جنت میں؟

ابو نواس نے پوچھا "امیرالمومنین! کیا آج تک کوئی واپس آیا ہے جس نے آکر ہمیں یہ بتایا ہو" ـــــ خلیفہ نے کہا ـــــ "نہیں" ـــــ ابو نواس نے کہا "تو پھر آپ مجھے سچ کی وجہ سے قتل کر رہے ہیں؟" اس پر خلیفہ نے کہا ـــــ اچھا تو کیا تم نے یہ شعر نہیں کہا کہ ؎

یَا اَحْمَدُ الْمُرْتَجٰی فِی کُلِّ نَائِبَةٍ
قُمْ سَیِّدِیْ نَعْصِیَ جَبَّارَ السَّمٰوٰتِ

یعنی اے احمد جس سے ہر مصیبت کے وقت امید کی جاتی ہے۔ آؤ میرے آقا

ہم مل کر آسمانوں کے مالک کی نافرمانی کریں۔

ابو نواس نے کہا ــــ "یَا اَمِیرَ الْمُومِنِینَ اَوَ صَارَ الْقَولُ فِعلاً" ــــ یعنی کیا میرے صرف یہ کہنے سے قول فعل میں تبدیل ہو گیا؟"

خلیفہ نے کہا "مجھے اس کا علم نہیں" اس پر ابو نواس نے کہا "تو کیا آپ مجھے کسی ایسی چیز کی وجہ سے قتل کریں گے جس کا آپ کو علم نہیں ہے" اس پر خلیفہ نے تنگ ہو کر کہا۔ "رہنے دے اس بکواس کو۔ کیا تم نے اپنے اشعار میں متعدد مرتبہ زنا کا اعتراف نہیں کیا ہے؟" اس پر ابو نواس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی فرمایا ہوا ہے۔ "اَلشُّعَرَاءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِی كُلِّ وَادٍ یَهِیمُونَ وَ اَنَّهُمْ یَقُولُونَ مَا لَا یَفْعَلُونَ" ــــ یعنی شعراء وہ بات کرتے ہیں جو وہ کرتے نہیں ہیں۔" اس پر ہارون الرشید مناظرہ سے تنگ آ گیا اور کہا کہ "دفعہ کرو اس کو" ــــ اور اُسے چھوڑ دیا گیا۔

قرآن پاک کی مذکورہ بالا آیت کے پیش نظر ہی کسی شاعر نے کہا ہے کہ ؎

نَحْنُ الْاُلٰی جَاءَ الْكِتَابُ مُخَبِّراً   بِعَفَافِ اَنْفُسِنَا وَ فِسْقِ الْاَلْسُنِ

یعنی ہم شعراء وہ طبقہ ہیں جن کے متعلق کتاب اللہ نے یہ خبر دی ہے کہ ان کے نفس تو پاک ہوتے ہیں لیکن زبانیں گندی ہوتی ہیں۔

پہیلیاں، بجھارتیں اور تمثیلات

پہیلیاں، بجھارتیں اور ضرب الامثال ہر زبان میں ایک مسلمہ اور مروجہ ادبی اسلوب ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی انجیل ان سے بھری پڑی ہے۔ ہمارے لائق احترام استاد میر محمد اسحٰق صاحب مرحومؒ کا ایک دفعہ بمبئی میں ایک نابینا حافظ قرآن سے مناظرہ ہُوا تو دوران مناظرہ حافظ صاحب نے الزام لگایا کہ آپ لوگ قرآن کی تاویلیں بہت کرتے ہیں۔ حضرت میر صاحب نے کھڑے ہو کر قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی "مَن كَانَ فِی هٰذِهٖ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی وَ اَضَلُّ سَبِیلاً" ــــ بس پھر کیا تھا، حافظ صاحب نابینا تو تھے ہی، وہیں کھڑے کھڑے گونگے بھی ہو گئے۔ حالت یہ تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ کیا جواب دیتے؟ اگر کہیں کہ اس کی تاویل نہیں ہو سکتی تو آخرت میں بھی اندھے رہنا پڑتا ہے اور اگر کہیں کہ یہاں تاویل ضروری ہے تو پھر مناظرہ میں ناکامی و نامرادی اپنا نصیب بنتا ہے۔ دنیا حضرت میر صاحب کے اس دم نقد معجزہ سے انگشت بدنداں ہو گئی۔ اور عش عش کر اٹھی۔ بہرحال پہیلیوں، بجھارتوں اور تمثیلات والا کلام ایک مانا ہوا ادبی اسلوب اور فصاحت و بلاغت کا ایک حصہ ہے۔ خود آنحضرتؐ نے بھی اس اسلوب

اور حضورؐ کے کلام میں جگہ جگہ اس کے نمونے پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ دربار رسالت لگا ہوا تھا کہ ایک بڑھیا آئی اور سلام کے بعد کہنے لگی کہ یا رسول اللہ! کیا بوڑھی عورتیں بھی جنت میں جا سکیں گی؟

حضور نے قدرے سنجیدہ ہو کر فرمایا ـــــ "نہیں"۔

وہ بوڑھی عورت مجسم تصویر غم بن گئی لیکن حضورؐ نے فوراً ہی متبسم ہو کر فرمایا کہ۔

"ـــــ مائی جب تو جنت میں جائے گی تو نوجوان ہو کر وہاں جائے گی۔ ورنہ میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ تو جنت میں نہ جائے گی"۔

صحابہ کرامؓ بھی گاہے گاہے اس ادبی اسلوب کو استعمال کرتے اور خوب محظوظ ہوتے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ اور حضرت حذیفہ الیمانؓ کے مابین اسی قسم کی ایک نہایت لطیف گفتگو ہوئی جو درج ذیل کی جاتی ہے:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن حضرت حذیفہ الیمانؓ کو سربازار ملے اور سلام کے بعد پوچھا "کَیْفَ اَصْبَحْتَ" یعنی آپ نے کس حال میں صبح کی ہے۔ اس پر حضرت حذیفہ نے فرمایا اَصْبَحْتُ وَ اُحِبُّ الْفِتْنَةَ وَ اَکْرَہُ الْحَقَّ وَ اَفِرُّ مِن رَحْمَةِ اللّٰہِ وَ اُصَلی بِدُوْنِ وُضُوءٍ و اُصَدِّقُ الْیَھُوْدَ وَ النصاریٰ وَ لِی فِی الْاَرْضِ مَا لَیْس لِلّٰہِ فِی السَّمَاءِ اب اس عبارت کا ظاہری ترجمہ یہ ہے کہ میں نے اس حال میں صبح کی ہے کہ مَیں فتنہ کو پسند کرتا ہوں۔ حق کو ناپسند کرتا ہوں۔ اللہ کی رحمت سے بھاگتا ہوں۔ بغیر وضو کے نماز پڑھتا ہوں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کو سچا سمجھتا ہوں اور مجھے زمین میں وہ کچھ حاصل ہے جو اللہ کو آسمان میں میسر نہیں ہے۔ اگر آج کل کا کوئی ملا اس بات کو سنتا تو کھڑے کھڑے حضرت حذیفہ کے کفر کا فتویٰ دے کر جب تک انہیں اسلام سے خارج نہ کر لیتا تو اپنے آپ کو ملا نہ کہتا لیکن سامنے خلیفہ وقت تھے۔ جن کے پاس کفر سازی کی کوئی مشین نہ تھی۔ اس لئے حضرت حذیفہ سے بڑے تحمل سے اس کی تشریح پوچھی تو وہ یوں گویا ہوئے کہ فتنہ سے میری مراد مال ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اَنَّمَا اَمْوَالُکم وَ اولَادُکُم فِتْنَة" یعنی تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے فتنہ ہیں۔ پس میں مال سے محبت کرتا ہوں اور حق کو ناپسند کرنا یہ ہے کہ موت حق ہے اور میں طبعاً ہر انسان کی طرح اس کو ناپسند کرتا ہوں اور بارش اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے لیکن مَیں اُس میں کھڑا ہو کر اپنے کپڑے شرابور نہیں کرتا۔ اس لئے میں اس سے بھاگتا ہوں اور بغیر وضو کے صلوٰۃ سے میری مراد صلوٰۃ علی النبی یعنی درود ہے جس کے لئے وضو کوئی شرط نہیں ہے اور یہودیوں اور عیسائیوں کو سچا سمجھنے سے میری مراد قرآن پاک کی یہ آیت ہے وَ قَالَتِ الْیَھُود لَیْستِ النَّصارٰی عَلٰی شَیءٍ وَ قَالَتِ

النَّصَارىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَیءٍ ـــــ یعنی یہودی کہتے ہیں کہ
عیسائیوں کے پاس کوئی سچائی نہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودیوں کے پاس کوئی سچائی نہیں ہے۔ پس مَیں کہتا ہوں کہ دونوں سچ کہہ رہے ہیں۔ اسی لئے وہ دونوں جھوٹے ہیں اور صرف اسلام ہی سچا ہے۔

اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بیوی اور بچے عطا کئے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ خود ان سے بے نیاز ہے اس لئے میرا یہ کہنا کہ مجھے زمین میں وہ کچھ حاصل ہے جو اللہ تعالیٰ کو آسمان میں میسر نہیں ہے۔ ہرگز قابلِ اعتراض نہیں کیونکہ اس کی شان کا یہی تقاضا ہے۔

شعراء کی مجلس

ابو نواس، دعبل اور ابو العتاہیہ تینوں ہمعصر اور ہارون الرشید عباسی خلیفہ کے درباری شاعر تھے۔ ہر سہ قادر الکلام شاعر تھے اور بسا اوقات فن شعر میں ان کا آپس میں مقابلہ بھی ہو جاتا تھا۔ ایک مرتبہ یہ تینوں ایک جگہ اکٹھے ہوئے۔ خوب دعوتیں اڑائیں اور عیش و طرب میں وقت گزارا۔ چوتھے روز جب وہ وہاں سے روانہ ہونے لگے تو ابو العتاہیہ نے کہا کہ "آج ہم کس کے مہمان ہوں گے؟"

ابو نواس نے کہا کہ ہم میں سے ہر ایک میں شعر گوئی کی خوبی پائی جاتی ہے۔ آؤ آج ہم اپنا امتحان لیں۔ جو جیت جائے وہ اسی خوشی میں باقی دونوں کی مہمانی کرے اسی اثنا میں ایک حسین و جمیل دوشیزہ ان کے سامنے آگئی جو نہایت قیمتی ہیرے اور جواہرات پہنے ہوئے تھی اور مہین ریشمی کپڑے زیب تن کئے ہوئے تھی۔ جن میں سے ہر کپڑا دوسرے سے چھوٹا تھا۔ اوڑھنی سفید تھی۔ قمیص سیاہ اور گھگریا سرخ۔ ابو نواس کہنے لگا۔ لو بھائی اللہ نے ہمیں خود ہی ایک موقع فراہم کر دیا ہے۔ آؤ اب ہم سب مل کر طبع آزمائی کریں اور ہر ایک اپنے لئے اس کا ایک کپڑا پسند کرے اور اس کے بارہ میں شعر کہے۔ ابو العتاہیہ نے اوڑھنی کو پسند کیا اور یہ شعر کہے

تَبَارَكَ مَنْ كَسَى خَدَّيكَ وَرْداً
وَ قَدَّكَ مَيلَ اَغْصَانِ الرِّيَاضِ
فَقَالَ نَعَمْ كَسَانِی اللّٰه حُسْنًا
وَ يَخْلُقُ مَايَشَاءُ بِلاَ اعْتِرَاضِ
فَثَوْبِی مِثْل ثَغْرِی مِثْل نَحْرِی
بَيَاضٌ فِی بَيَاضٍ فِی بَيَاضٍ

یعنی مَیں نے اپنے محبوب کو مخاطب کر کے کہا کہ مبارک ہے وہ ذات جس نے تیرے رخساروں کو پھول جیسا بنایا ہے اور تیرے قد کو گلشن کی نرم و نازک شاخوں کی طرح۔ اس پر میرے محبوب نے کہا۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے مجھے حسن بخشا ہے اور وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اس پر اعتراض کی کسی کو مجال نہیں ہے۔ پس میری اوڑھنی میرے دانتوں اور میرے سینے کی طرح سفید در سفید ہے۔

دعبل کو سیاہ قمیص پسند آئی۔ اور وہ یوں گویا ہوا ؎

تَبَارَكَ مَن كَسَى خَدَّيكَ وَرْداً
مُدَى الْاَيَامِ دَامَ بِلاَ نِفَاذ
فَقَالَ نَعَمْ كَسَانِى اللّٰهُ حُسنًا
وَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ بِلا عِنَاد
فَثَوْبِى مِثْلَ شِعْرِكَ مِثْلَ حَظِّى
سَوَادٌ فِى سَوَادٍ فِى سَوَاد

یعنی میں نے اپنے محبوب کو مخاطب کر کے کہا کہ مبارک ہے وہ ذات جس نے تجھے پھول سے رخسار عطا کئے ہیں اور میری دعا ہے کہ یہ سدا بہار رہیں۔ اس پر میرے محبوب نے کہا۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے مجھے دولت حسن سے نوازا ہے اور وہ جو چاہے پیدا کر سکتا ہے اور کسی کی دشمنی اس کے ارادہ کو روک نہیں سکتی۔ پس میری قمیص تیرے شعر کی طرح اور میرے نصیبہ کی طرح (کیونکہ وہ کسی کی لونڈی تھی) سیاہ در سیاہ در سیاہ ہے۔

اب ابو نواس کی باری تھی اور باقی صرف سرخ کپڑا ہی رہ گیا تھا۔ اس لئے وہ اسی کے متعلق ہی کچھ کہہ سکتا تھا۔ چنانچہ وہ یوں مخاطب ہوا ؎

اَحُمْرَةُ وَجَنَتَيْكَ كَسَتْكَ هٰذا
اَمِ اَنْتَ صَبَغْتَهُ بِدَمِ الْقُلُوب
فَقَالَ الشَّمْسُ اَهْدَتْ لِى قَمِيصًا
قَرِيْبُ اللَّوْنِ مِنْ شُفَقِ الْغُرُوب
فَثَوبِى وَالْمُدامُ وَ لَوْنُ خَدِّى
قَرِيْبٌ مِن قَرِيبٍ مِنْ قَرِيْب

یعنی میں نے اپنے محبوب سے پوچھا کہ کیا تیرے سرخ رخساروں نے یہ کپڑا
تجھے پہنایا ہے یا تُو نے اِسے لوگوں کے دلوں کے خون سے رنگا ہے۔ اِس پر
اُس نے مجھے کہا یہ قمیص تو مجھے سورج نے تحفہ دی ہے۔ کیونکہ تم دیکھتے
نہیں کہ اس کا رنگ شفق جیسا ہے۔ پس میرا کپڑا اور شراب اور میرے
رخساروں کا رنگ سب ایک جیسے سرخ ہیں۔

اب تینوں شعراء اپنی طبع آزمائی میں مصروف تھے اور وہ دوشیزہ پاس کھڑی ان کے شعر سن رہی تھی۔ جب یہ شعر کہہ چکے تو وہ بھی آگے آگئی اور السلام علیکم کہا۔ جس پر ان تینوں نے نہایت محبت و احترام کے ساتھ اس کو وعلیکم کہا۔ اس پر وہ کہنے لگی کہ کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ بات کیا ہے اور آپ نے یہ مقابلہ کس لئے رچایا ہے؟

اس پر انہوں نے اسے سارا واقعہ بتلایا تو وہ کھڑی ہو گئی اور ابو نواس کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگی کہ اس کے شعر سب سے اچھے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ چلتی بنی اور ان کو دریائے حیرت میں غرق چھوڑ گئی۔

صَرف و نحو

گرامر زبان کو ڈیل ڈول اور شکل و شباہت عطا کرتی ہے۔ اس کے بغیر زبان میں لذت اور چاشنی نہیں آتی۔ عربی زبان میں گرامر کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ نحو کہلاتا ہے اور اس کا تعلق اعراب کے ساتھ ہے۔ یعنی الفاظ پر زیر زبر اور پیش وغیرہ ڈالنا۔ یہ اگرچہ قدرے آسان ہے لیکن ہے بہت ضروری۔ اسی لئے عربی زبان کا مقولہ ہے کہ اَلنَّحْوُ فِی الْکَلَامِ کَالْمِلْحِ فِی الطَّعَامِ ـــــ یعنی نحو کلام میں ایسی ہی ضروری ہے جیسے کھانے میں نمک۔ جس طرح نمک کے بغیر کھانا بے مزہ رہتا ہے اسی طرح نحو کے بغیر کلام بے مزہ رہتا ہے۔ عربی گرامر کا دوسرا حصہ صرف کہلاتا ہے اور اس کا تعلق اسماء اور افعال کی تصریف یعنی گردان کے ساتھ ہے اور یہ قدرے مشکل ہے اور اسی لئے کسی فارسی شاعر نے کہا ہے ؎

نحویاں را مغز باشد چوں شہاں
صرفیاں را مغز باشد چوں سگاں

بہرحال اس ضمن میں دو لطیفے ہدیہ قارئین کئے جاتے ہیں:

ایک مرتبہ ایک اُستاد اپنے شاگردوں کو نحو پڑھا رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ "مِنْ حَرْفُ جَرٍّ یَجُرُّ الْجَبَلَ" یعنی من حرف جارہ ہے اور اگر یہ جبل (پہاڑ) کے لفظ سے پہلے آئے تو اسے بھی

کسرہ یعنی زیر دیتا ہے اب یَجُرُّ کے ایک معنی کھینچنے کے بھی ہیں اور اس لحاظ سے اس عبارت کے یہ معنی بنتے ہیں کہ "من" حرف "جر" ہے اور یہ پہاڑ کو بھی کھینچ لاتا ہے۔ اتفاقاً چند روز کے بعد اس بچہ کو ساتھ لے کر یہ استاد نہانے کے لئے کسی دریا یا تالاب پر گیا۔ نہاتے نہاتے اس کا پاؤں پھسل گیا اور وہ گہرے پانی میں چلا گیا تیرنا آتا نہیں تھا۔ اس لئے آوازیں دینے لگا اور کہنے لگا "اَغِیْثُونِی اَدْرِکُونی" یعنی میری مدد کو پہنچو اور مجھے پکڑو۔ مَیں ڈوبنے لگا ہوں ــــ وہ شاگرد کنارے پر کھڑا اسے دیکھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ یَا اُسْتَاذُ مِنْ حَرْفُ جَرٍّ یَجُرُّ الْجَبَلَ قُلْ لَہٗ اَنْ یَجُرَّکَ اِلَی السَّاحِلِ یعنی استاد صاحب "من" حرف "جر" ہے۔ جو پہاڑ کو بھی کھینچ لاتا ہے۔ اُسے اب کہیں کہ وہ آپ کو ساحل تک کھینچ لائے۔

عامی اور کتابی عربی

عامی عربی اور کتابی عربی دونوں میں کافی فرق ہے اور پھر عامی عربی ہر ملک کی علیحدہ علیحدہ ہے۔ اُسے عربی زبان میں "لغہ دارجہ" یا "مکسرہ" کہتے ہیں اور جن لوگوں نے عرب ممالک میں رہ کر عربی زبان نہ پڑھی ہو ان کے لئے مکسرہ عربی کو سمجھنا خاصہ مشکل ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ GRAMATICAL نہیں ہوتی۔

راقم الحروف جب پہلی دفعہ اپنے دو شادی شدہ ساتھیوں کے ساتھ براعظم افریقہ کو مشرق سے مغرب تک عبور کر رہا تھا تو ہماری ایک سوڈانی مجسٹریٹ نے دعوت کی ہم سب کتابی عربی بولتے تھے۔ اس لئے وہ تو ہماری بات بہ آسانی سمجھ جاتا تھا لیکن اس کی مکسرہ کو سمجھنا ہمارے لئے جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔ اور جب اُس نے مجھ سے کہا "هَلْ اَنْتَ مُجَوِّزْ" تو ہم تینوں ایک دوسرے کا منہ تکنے لگ گئے کہ یہ کیا لفظ ہے؟ آخر پتہ چلا کہ مُجَوِّزْ بمعنی مُزَوِّجْ یعنی شادی شدہ استعمال ہو رہا ہے۔ اب اس طرح لفظ کو اُلٹا دینے کا صرفی و نحوی کوئی جواز نہیں ہے ــــ یعنی وہ مکسرہ کیا ہوئی جو نحو و صرف کے پیمانہ سے ناپی جا سکے؟

اسی طرح جب مَیں سیرالیون (مغربی افریقہ) پہنچ کر اپنے ایک مخلص احمدی لبنانی بھائی حسن محمد ابراہیم الحسینی مرحوم کے ہاں وارد ہوا تو اس کے منہ سے شُوبِتَا کُلْ اور شُوبِتْرِید سے نحو و صرف کی مٹی پلید ہوتے دیکھ کر مَیں سٹ پٹا کر رہ گیا۔ کیونکہ عربی زبان میں حرف "جر" کبھی فعل پر داخل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے مَیں وہاں لبنانی لوگوں کا خوب مذاق اڑایا کرتا تھا اور میرے ساتھ کلام کرتے وقت وہ عموماً بہت محتاط رہتے تھے۔ بہرحال اس ضمن میں جو لطیفہ عرض کرنا ہے وہ یہ ہے کہ ایک استاد کی علم صرف و نحو میں مہارت کا بہت چرچا تھا۔ ایک طالب علم بہت دور سے یہ علم

سیکھنے کے لئے اُس کے درِ دولت پر حاضر ہوا۔ رات کو کھانا کھاتے وقت یہ شاگرد از راہِ ادب و محبت اپنے اُستاد صاحب کی پلیٹ میں بوٹیاں ڈال رہا تھا۔ جب کافی بوٹیاں پلیٹ میں پڑ گئیں تو استاد نے مکسرہ زبان میں کہا "یکفُونِی" یعنی کافی ہیں کافی ہیں اب اور نہ ڈالو ـــــ شاگرد کو یہ جملہ سن کر بہت ٹھیس لگی اور دل میں کہنے لگا کہ میں تو اتنی دور سے صرف اس کی شہرت سن کر اس سے صرف و نحو پڑھنے آیا ہوں اور اسے اتنا بھی علم نہیں ہے کہ یکفونی کی بجائے یَکْفِیْنِی کہنا چاہئے۔ بہرحال اُس وقت تو وہ از راہِ ادب خاموش رہا لیکن صبح سویرے اپنا رختِ سفر باندھ کر جب وہ روانہ ہونے لگا تو استاد نے کہا کہ تم تو اتنی دُور سے مجھ سے صرف و نحو پڑھنے آئے تھے اور ابھی کچھ پڑھا بھی نہیں ہے کہ واپس جا رہے ہو۔ اس پر شاگرد نے اسے کہا کہ کَفَانِی مِنْكَ یَکْفُونِی یعنی رات کا یکفونی والا سبق ہی میرے لئے کافی ہے۔

قرآنِ کریم کا اعجاز و ایجاز

عربی زبان کا مشہور مقولہ ہے کہ "خَیْرُ الْکَلَامِ مَاقَلَّ وَ دَلَّ" یعنی بہترین کلام وہ ہے جس کے الفاظ تھوڑے ہوں لیکن مفہوم میں کوئی کسر باقی نہ رہے ـــــ قرآن کریم اپنے اسلوب بیان میں اس مقولہ کی صحیح تصویر ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک بدو ایک چشمہ کے کنارے کھڑا تھا کہ اتنی دیر میں ایک بدوی عورت آئی اور اُس نے چشمہ کے پانی سے اپنا گھڑا بھرا اور پھر اُس بدو کو مخاطب کر کے اپنے گھڑے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا حَمِّلْنِیْ هٰذَا الظَّرْفَ بِمَا فِیْهِ فَلَا طَاقَةَ لِی بِمَا فِیْهِ یعنی یہ پانی بھرا گھڑا ذرا مجھے اٹھوا دو۔ کیونکہ میں اکیلی اِسے اُٹھا نہیں سکتی ـــــ وہ بدو اُس عورت کی فصاحت پر بڑا حیران ہُوا اور کہا فَصِیْحَةٌ جِدًّا یعنی تو بڑی فصیح اللسان ہے ـــــ اس پر وہ عورت کہنے لگی لَا بَلْ اَفْصَحُ مِنِّی صَاحِبُ الْقُرْآنِ اِذْ جَمَعَ بَیْنَ اَمْرَیْنِ وَ نَهْیَیْنِ وَ خَبْرَیْنِ فِیْ اٰیَةٍ وَاحِدَةٍ یعنی مجھ سے زیادہ فصیح اللسان تو صاحب قرآن ہے جس نے ایک ہی آیت میں دو صیغے امر کے، دو صیغے نہی کے اور دو پیشگوئیاں جمع کر دی ہیں۔ اور پھر اُس نے سورۃ القصص کی یہ آیت پڑھی "وَ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی اَنْ اَرْضِعِیْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ وَ لَا تَخَافِیْ وَ لَا تَحْزَنِیْ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ وَ جَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ" یعنی ہم نے موسیٰ کی ماں کو وحی کے ذریعہ سے یہ حکم دیا کہ تُو اِس بچّہ کو دودھ پلا۔ کہ اگر تمہیں اِس بچّہ کی جان کا خطرہ لاحق ہو جائے تو اسے دریا برد کر دو اور نہ ڈرنا اور نہ غم کھانا کیونکہ ہم یقیناً اسے تیرے پاس واپس لائیں گے اور نبی بنا کر چھوڑیں گے ـــــ وہ بدو اس بدوی عورت کی ذہانت و فطانت پر انگشت بدنداں ہو گیا اور گھڑا اُٹھا کر اُس کے سر پر رکھ دیا۔

پس قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت ہی اُس کا معجزہ نہیں ہے۔ بلکہ اُس کا ایجاز و اختصار بھی اپنی ذات میں ایک بہت بڑا معجزہ ہے اور یہ قرآن کریم ہی کی شان ہے کہ اُس نے اپنا سکہ اپنے نہ ماننے والوں سے بھی منوا لیا ہے۔ چنانچہ لبنان کے ایک عیسائی بشپ نے ایک مرتبہ اپنی تقریر میں اپنے عیسائی سامعین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا عَلِّمُوْا اَوْلَادَکُمُ الْقُرْآنَ فَاِنَّہٗ حَجَرُ الزَّاوِیَۃِ فِی اللُّغَۃِ الْعَرَبِیَّۃِ یعنی اپنے بچوں کو قرآن کریم پڑھاؤ کیونکہ عربی زبان سیکھنے کے لئے یہ کونے کا پتھر ہے۔

قرآن کریم میں غیر معروف عربی الفاظ

عرب قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کی نظیر حسین لانے سے جب قاصر ہو گئے تو انہوں نے قرآن کریم کی عبارت اور الفاظ پر مختلف قسم کی الزام تراشیاں شروع کر دیں۔ کبھی کہتے کہ اس میں غیر عربی الفاظ پائے جاتے ہیں اور کبھی کہتے کہ اس کے فلاں فلاں الفاظ عربی میں غیر معروف ہیں اور ان کی حالت بالکل وہ تھی جس کا نقشہ ایک عرب شاعر نے یوں کھینچا ہے

کَضَرَائِرِ الْحَسْنَاءِ قُلْنَ لِوَجْھِھَا
حَسَداً وَ بَغْیًا اِنَّہٗ لَدَمِیْمَ

یعنی —— ایک خوبصورت عورت کی سوکنوں نے ازراہ حسد و بغض اسے کہا کہ تو تو بڑی بدصورت ہے۔

پس قرآن کریم کے مقابلہ پر عرب کے فصحاء و بلغاء کا بھی بالکل یہی حال تھا۔ بہرحال انہوں نے قرآن کریم کے جن الفاظ کے عربی میں غیر معروف ہونے کا الزام لگایا تھا۔ اُن میں سے تین یہ تھے۔

(ا) سورہ ھود کی ۳۲ویں آیت وَ لَا اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْٓ اَعْیُنُکُمْ سے تَزْدَرِیْ کا لفظ
(ب) سورہ نوح کی ۲۳ویں آیت وَ مَکَرُوْا مَکْرًا کُبَّارًا سے کُبَّار کا لفظ —— اور
(ج) سورہ ص کی چھٹی آیت..... اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ سے عُجَابٌ کا لفظ

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ معاملہ پیش ہُوا تو حضورؐ نے معترضین سے دریافت کیا کہ تمہاری تسلی کس طرح ہو سکتی ہے۔ اس پر اُنہوں نے باہمی مشورہ کے بعد کہا کہ دُرَیْد بِنْ صَمَّا کو بلایا جائے۔ اگر وہ یہ کہہ دے کہ یہ الفاظ عربی میں معروف ہیں تو ہم ہارے۔

دُرَیْد بِنْ صَمَّا کو اس زمانہ میں عربی زبان کے لئے (بوجہ اس کے علم کے) اتھارٹی یعنی سند تسلیم کیا جاتا تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے بھی اُسے حکم مان لیا اور اُسے بلا بھیجا۔ روایات میں

آتا ہے کہ جب درید حضورؐ کے مکان پر آیا تو یا تو حضورؐ اتفاقاً کسی کام کی وجہ سے جلد باہر نہ آسکے اور یا شاید مشیت الٰہی نے خود ہی حضورؐ کو اندر کچھ دیر کے لئے روک دیا۔ بہرحال جب حضورؐ کے باہر آنے میں کچھ زیادہ ہی تاخیر ہو گئی تو درید نے اس بات کا برا منایا اور اسے اپنی ہتک سمجھتے ہوئے بلند آواز سے کہا اَتَزْدَرِینِی یَامُحَمَّدُ وَ اَنَا مِنْ کُبَّارِ الْقَوْمِ۔ اِنَّ ھٰذَا الشَّیْءُ عُجَاب یعنی اے محمدؐ تُو میری تحقیر کرتا ہے حالانکہ مَیں قوم کا ایک بڑا آدمی ہوں۔ یہ بات تو بڑی عجیب ہے ــــــ گویا اُس نے بعینہٖ وہی الفاظ استعمال کئے جن کے متعلق جھگڑا چل رہا تھا اور اس طرح یہ مسئلہ خود بخود حل ہو گیا۔

عرب کا نامور نابینا شاعر

ابو العلاء المعری عربی زبان کا بہت مشہور شاعر ہے۔ بوجہ نابینا ہونے کے زندگی کی کشمکش نے اُسے بہت حد تک ایک فلسفی بنا دیا تھا۔ اُس کے اشعار نہایت حکیمانہ ہیں۔ لیکن حیات مابعد الموت کے بارہ میں وہ بڑا متذبذب تھا۔ کبھی تو وہ اس کا اقرار کرتا تھا اور کبھی انکار۔ چنانچہ ایک دفعہ اُس نے یہ اشعار کہے ؎

قَالَ الْمُنَجِّمُ وَالطَّبِیْبُ کِلَاھُمَا
لَا تُحْشَرُ الْاَجْسَادُ قُلْتُ اِلَیْکُمَا
اِنْ کَانَ قَوْلُکُمَا صَحِیْحٌ فَاِنَّنِیْ
خَسِرْتُ وَ اِلَّا فَالْخَسَارُ عَلَیْکُمَا

یعنی نجومی اور ڈاکٹر دونوں کہتے ہیں کہ حشر اجساد نہیں ہو گا اور مَیں نے اُنہیں کہا کہ دفعہ ہو جاؤ۔ اگر تمہاری بات درست ہے تو مَیں گھاٹا پاؤں گا ورنہ بصورت دیگر تم دونوں نقصان اٹھاؤ گے۔ ایک اور موقعہ پر اس نے شدت یاس میں یہ شعر کہا ؎

مَوْتٌ ثُمَّ حَشْرٌ ثُمَّ نَشْرٌ
حَدِیْثُ خُرَافَۃٍ یَا اُمَّ عَمْرٍو

یعنی اے ام عمرو یہ موت اور حشر نشر والی بات سب خرافات ہیں۔

اور ایک مرتبہ تو اُس نے خدا تعالیٰ سے بھی اس امر کا یوں شکوہ کیا۔

وَ نَھَیْتَ عَنْ قَتْلِ النُّفُوْسِ تَعَمُّداً
وَ بَعَثْتَ تَاخُذُھَا مَعَ الْمَلَکَیْنِ

مَا   كَانَ   اَغْنَانَا   عَنِ   الْحَالَيْنِ

یعنی اے خدا، تُو نے ہمیں تو قتل عمد سے منع کر رکھا ہے لیکن خود دو فرشتے بھیج کر ہماری روح کو قبض کرتا ہے اور تیرا دعویٰ ہے کہ ہمیں موت کے بعد پھر زندگی ملے گی لیکن جہاں تک ہمارا تعلق ہے۔ ہمارے لئے تو اس مر کر جی اٹھنے کی نسبت اسی طرح مسلسل زندہ رہنا بدرجہا بہتر تھا۔

اور معلوم ہوتا ہے کہ بوجہ نابینا ہونے کے اُس کو زندگی کی بہت سی تلخیاں برداشت کرنی پڑی تھیں۔ اس لئے اُس نے اپنی وفات سے پہلے اپنی قبر کے لئے ایک کتبہ خود ہی تجویز کیا۔ جو یہ تھا:

هَذَا   مَا   جَنَى   عَلَّى   اَبِى
وَ   مَا   جَنَيْتُ   عَلَى   اَحَدٍ

یعنی یہ میری قبر اُس جرم کا نشان ہے جو میرے باپ نے کیا تھا۔ لیکن مَیں نے کسی کے خلاف کوئی جرم نہیں کیا ہے۔

کیونکہ اُس نے ساری عمر شادی نہ کی۔ جس کے باعث اُس کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔

تشبیہہ بلیغ

عربی فصاحت و بلاغت میں تشبیہات کا بہت دخل ہے اگر کلام میں حرفِ تشبیہہ یعنی "ک" اور مثل وغیرہ موجود ہوں تو یہ سادہ تشبیہہ ہے۔ لیکن اگر یہ کلام سے حذف کر دیئے جائیں تو اسے "تشبیہہ بلیغ" کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اس کی مثالیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ اہل کتاب کے ایک گروہ کے متعلق فرماتا ہے وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ یعنی خدا تعالیٰ نے انہیں بندر اور سؤر بنا دیا۔ یہ تشبیہہ بلیغ تھی لیکن نیم مُلاؤں نے اس آیت کی تفسیر کو الف لیلیٰ کی داستان بنا کر وہ حاشیہ آرائی کی کہ الامان والحفیظ۔ بہرحال تشبیہہ بلیغ عربی فصاحت و بلاغت کا ایک اہم جزو ہے اور عرب شعراء نے اسے خوب استعمال کیا ہے چنانچہ متنبی جو ایک صاحب دیوان شاعر ہے اور بڑا قادر الکلام شاعر ہے۔ وہ اپنی محبوبہ کی زلفوں کی سیاہی اور چہرے کی سفیدی کو یوں بیان کرتا ہے ؎

حَلَّتْ   ثَلاَثَ   ذَوَائِبَ   مِنْ   شَعْرِهَا
فِيْ   لَيْلَةٍ   فَاَرَتْ   لَيَالِيَ   اَرْبَعًا

وَاسْتَقْبَلَتْ قَمَرَ السَّمَاءِ بِوَجْهِهَا
فَأَرَتْنِي الْقَمَرَيْنِ فِيْ لَيْلَةٍ مَّعًا

یعنی میری محبوبہ نے ایک دفعہ رات کو اپنی تین مینڈھیاں کھولیں تو راتیں چار ہو گئیں اور اپنا چہرہ جو چاند کی طرف کیا تو ایک رات میں اس نے مجھے دو چاند اکٹھے دکھا دیئے۔

سُستی اور کاہلی کی تعریف

چُستی و نشاط پسندیدہ خصائل ہیں لیکن انسانی جسم کی ساخت کچھ اس طرح واقع ہوئی ہے کہ اس میں گاہے گاہے مدّوجزر کی سی کیفیت پیدا ہوتی رہتی ہے اور چُستی و نشاط اور سُستی و کاہلی باری باری انسانی جسم کو آلیتی ہیں۔ سُستی اور کاہلی کے زمانہ میں انسانی جسم کی مشینری کو مطلوبہ آرام ملتا ہے اور اس دَور کے گزرنے کے بعد انسان پھر تازہ دم ہو کر اپنے کام کاج میں مصروف ہو جاتا ہے لیکن یہ دَور اگر لمبا ہو جائے تو پھر یہ سُستی و کاہلی ناپسندیدہ خصلت شمار ہوتی ہے اور عقل مند لوگ اَور قومیں اس سے اجتناب کرتی ہیں لیکن دنیا میں ایسے منچلے بھی پائے جاتے ہیں۔ جو سُستی اور کاہلی کی لذت سے نہ صرف خود مستفید ہوتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اس کے گیت گا گا کر سناتے ہیں اور انہیں بھی اس کی لذت سے آشنا ہونے کی تلقین کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں میں سے عرب کا ایک یہ شاعر بھی ہے جو نہایت رَسیلے انداز میں سُستی و کاہلی کے گن گاتا ہے اور دوسروں کو بھی اس کا حظ اُٹھانے کی تلقین کرتا ہے۔ اُس کے یہ دو شعر پڑھیں اور اُس کے ذوق کی داد دیں ؎

إِنَّ الْبَطَالَةَ وَالْكَسَلْ
أَحْلٰى مَذَاقاً مِّنْ عَسَلْ
إِنْ لَّمْ تُصَدِّقْنِيْ فَسَلْ
مَنْ عَاشَ قَبْلِيْ بِالْكَسَلْ

یعنی سستی اور کاہلی شہد سے بھی زیادہ میٹھے ہیں اور اگر تمہیں میری اس بات کا یقین نہ آئے تو پھر مجھ سے پہلے سُست الوجُود لوگوں کے احوال پڑھ کر دیکھ لو۔

معن بن زائدہ اور خلیفہ منصور کا ایک باغی

روایاتِ ادبِ عربی میں ہے کہ خلیفہ منصور نے ایک ایسے شخص کا خون مباح قرار دیا جو

خوارج کے ساتھ مل کر مُلک میں فساد پھیلاتا تھا اور اُس کی مخبری کرنے والے کے لئے ایک لاکھ درہم کا انعام مقرر کیا۔ ایک دن یہ شخص بھیس بدل کر بغداد میں پھر رہا تھا کہ ایک شخص نے اسے پہچان کر قابو کر لیا۔ اب یہ دونوں آپس میں گتھم گتھا تھے کہ اس شخص نے گھوڑے کی ٹاپ کی آواز سنی اور مڑ کر دیکھا کہ معن بن زائدہ سامنے کھڑا تھا جس پر اُس نے معن کو کہا "اَجِرْنِی اَجَارَكَ اللّٰہُ (یعنی مجھے پناہ دو خدا تمہیں پناہ دے گا) اس پر معن نے پوچھا کہ "کیا بات ہے؟" تو پکڑنے والے نے کہا اِنَّہٗ بُغْیَۃُ اَمِیرِالمُومِنِیْنَ الَّذِی اَھْدَرَ دَمَہٗ وَ جَعَلَ لِمنَ دَلَّ عَلَیْہِ مِائَۃَ اَلْفِ دِرْھَمٍ (یعنی یہ امیرالمومنین کو مطلوب ہے۔ اس کا خون انہوں نے مباح قرار دیا ہے اور اس کی مخبری کا انعام ایک لاکھ درہم ہے) اس پر معن نے اُسے کہا کہ اسے چھوڑ دو —— لیکن اس آدمی نے معن کا (جو گورنر تھا) حکم ماننے سے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ اُلٹا شور مچا دیا اور اکٹھے ہونے والوں سے مدد کا طلبگار ہُوا۔ اس پر معن نے کہا کہ

"—— جاؤ جا کر خلیفہ سے کہہ دو کہ معن نے تمہارے ایک باغی کو پناہ دے دی ہے۔"

چنانچہ اُس شخص نے فوراً خلیفہ منصور کے پاس پہنچ کر معن کی شکایت کر دی جس پر منصور نے معن کو قصرِ خلافت میں طلب کر لیا۔ جب معن کو خلیفہ کا حکم پہنچا تو اُس نے اپنے سارے خاندان کو جمع کیا اور انہیں صورتِ حال سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ

"اُقْسِمُ عَلَیْکُم بَاَنْ لاَ یَصِلَ اِلٰی ھٰذَا الرَّجُلِ مَکْرُوہٌ وَفِیْکُم عَیْنَ تَطْرِفُ"

(یعنی تمہیں قسم ہے کہ جب تک تم میں سے ایک بھی زندہ ہے اس آدمی کو کوئی گزند نہ پہنچے اور دیکھو مَیں خلیفہ کے پاس جاتا ہوں)

جب معن خلیفہ منصور کے پاس پہنچا تو اُسے سلام کیا۔ لیکن منصور نے کوئی جواب نہ دیا اور کہا یَامَعْنُ اَتَتَجَرَّأُ عَلَیَّ (یعنی اے معن! تُو میری خلاف ورزی کی جرأت کرتا ہے) اس پر معن نے کہا "نَعم" (یعنی "ہاں") اس پر منصور کو اور بھی غصہ آیا اور اس نے کہا وَ نَعَمْ اَیضًا (یعنی اچھا اور تم ہاں بھی کہتے ہو) اس پر معن نے کہا "حضور سنیں۔ آپ کو علم ہے کہ مَیں نے آپ کی سلطنت کے استحکام کے لئے کیا کیا کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں اور کتنی بار مَیں نے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال کر آپ کی مملکت کی حفاظت کی ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود کیا آپ مجھے اتنی سی بات کا بھی اہل نہیں سمجھتے کہ آپ ایک ایسے آدمی کی جان بخشی کر دیں جس نے مجھے آپ کا ایک خادم سمجھ کر مجھ سے پناہ طلب کی اور مَیں نے اُسے پناہ دے دی۔ اگر مَیں ابھی تک آپ کے اتنے التفات کا بھی مستحق نہیں تو پھر اب مَیں حضور کے سامنے حاضر ہوں۔ حضور جو سزا چاہیں

بخوشی مجھے دیں ـــــ اس پر منصور نے تھوڑی دیر کے لئے اپنا سر جھکا دیا اور پھر کہا:

"جاؤ ہم نے تمہاری خاطر اس کی جان بخشی کر دی"

اس پر معن نے کہا:

اِنْ رَاٰی اَمِیْرُ الْمُؤمِنِیْنَ اَن یَجْمَعَ بَیْنَ الْاَجْرَیْنِ فَیَاْمُرَ لَهٗ بِصِلَةٍ فَیَکُوْنُ قَدْ اَحْیَاهُ وَ اَغْنَاهُ ـــــ یعنی اگر حضور اس شخص کے لئے اپنی عطاء کو دُگنا کر دیں اور معافی کے ساتھ کچھ انعام بھی دے دیں تو حضور نے اسے زندگی بھی بخشی ہو گی اور تنگدستی سے بے نیاز بھی کر دیا ہو گا ـــــ اس پر منصور نے کہا ـــــ "اچھا ہم نے اسے ۵۰ ہزار درہم انعام بھی دیا" ـــــ اس پر معن نے کہا:

"بادشاہوں کی عطا معافی کے بعد جُرم کی عظمت کے موافق ہونی چاہئے اور چونکہ اس شخص کا جرم (بغاوت) بہت بڑا ہے۔ اس لئے انعام بھی بڑا ہی ہونا چاہئے۔"

اس پر منصور نے کہا کہ "ہم اسے ایک لاکھ درہم کر دیتے ہیں۔"

معن بولا عَجِّلْ بِهَا یَا اَمِیْرَ الْمُؤمِنِیْنَ فَاِنَّ خَیْرَ الْبِرِّ عَاجِلُهٗ ـــــ یعنی حضور یہ انعام بہت جلد مرحمت کریں کیونکہ نیکی جس قدر جلد ہو بہتر ہوتی ہے۔

اس پر منصور نے کہا ـــــ "بے شک" ـــــ اور خزانچی کو یہ رقم فوراً ادا کر دینے کا حکم دیا ـــــ پس معن یہ رقم لے کر واپس گھر آیا اور اُس آدمی کو یہ انعام دے کر کہا

"ـــــ اب تم یہ رقم لے کر اپنے اہل و عیال کے پاس چلے جاؤ اور آئندہ کبھی خلیفہ وقت کی مخالفت نہ کرنا۔"

معن بن زائدہ اور ایک بدو

معن ایک روز شکار کو نکلا۔ جنگل میں اُسے ایک ہرن نظر آیا۔ جس کے پیچھے اُس نے اپنا گھوڑا ڈال دیا اور اُس کا پیچھا کرتے کرتے وہ اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گیا۔ بالآخر اُس نے ہرن کو پکڑ لیا اور اُسے ذبح کر دیا۔ اسی اثناء میں اُسے ایک شخص نظر آیا جس نے اپنے گدھے پر کچھ لادا ہُوا تھا۔ جب وہ قریب آیا تو معن نے اُسے پوچھا کہ "تم کون ہو۔ کہاں سے آئے اور کدھر جا رہے ہو" اُس نے کہا کہ مَیں قضاعہ کے علاقے سے آ رہا ہوں۔ جو سالہا سال سے خشک سالی کا شکار چلا آ رہا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے اس علاقہ پر اپنی رحمت بارش کی صورت میں نازل کی ہے اور مَیں نے اپنی زمین میں ککڑیاں بوئی تھیں۔ جو اَب تیار ہوئیں تو مَیں نے اُنہیں اِس غرض سے

گدھے پر لادا ہے کہ گورنر معن بن زائدہ کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کروں اور کچھ انعام پاؤں کیونکہ مَیں نے اس کی جودوسخا کے متعلق بہت کچھ سنا ہے۔

اس پر معن نے کہا کہ تم گورنر سے کس قدر انعام کے امیدوار ہو بدو نے کہا ــــ "ایک ہزار دینار"۔

معن نے کہا ــــ "اگر وہ کہے کہ یہ رقم بہت زیادہ ہے تو پھر؟"

بدو نے کہا ــــ پھر ۵۰۰ دینار کافی ہوں گے۔"

اس پر معن نے کہا ــــ "اگر وہ کہے کہ یہ رقم بھی بہت زیادہ ہے تو پھر؟"

اور اس طرح کرتے کراتے بدو ۳۰ دینار پر آ گیا۔ اس پر معن نے کہا کہ اگر وہ کہے کہ یہ رقم بھی بہت زیادہ ہے ــــ تو اس پر بدو بہت زچ ہوا اور کہنے لگا۔

"اَدْخَلْتُ قَوَائِمَ حِمَارِی فِی فَکِّہٖ وَرَجَعْتُ اِلَی اَھْلِی صِفْرَ الْیَدَیْنِ" ــــ یعنی اگر گورنر یہ کہے کہ ۳۰ دینار انعام بھی بہت زیادہ ہے تو مَیں اپنے گدھے کی ٹانگیں اس کے منہ میں دے دوں گا اور خالی ہاتھ اپنے اہل و عیال کے پاس واپس چلا جاؤں گا۔

اس پر معن بہت ہنسا اور اُسے جانے دیا اور خود فوراً اپنا گھوڑا دوڑا کر اپنی قیام گاہ پر پہنچ گیا اور کپڑے تبدیل کر کے اپنے خیمہ میں بیٹھ گیا اور دربان کو حکم دیا کہ اگر کوئی بدو ککڑیاں لادے مجھے ملنے آئے تو اُسے فوراً میرے حضور حاضر ہونے دینا۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ بدو اپنے گدھے پر ککڑیاں لادے معن کی قیام گاہ پر آ پہنچا اور دربان سے اندر جانے کی اجازت چاہی جس پر دربان نے اُسے فوراً اندر جانے دیا۔ کیونکہ اُسے پہلے ہی معن کا حکم مل چکا تھا۔ اندر جا کر بدو معن کی شان و شوکت اور نوکروں وغیرہ کی کثرت دیکھ کر اُسے پہچان نہ سکا کہ یہ وہی آدمی ہے جو اُسے جنگل میں ملا تھا۔ جب معن نے بدو کو دیکھا تو کہا۔

"مَا الَّذِی اَتٰی بِکَ یَا اَخَا الْعَرَبْ" ــــ یعنی اے عرب بھائی سناؤ کیسے آنا ہُوا؟ ــــ اس پر بدو نے اپنا سارا قصہ سنا کر کہا کہ مَیں حضور کے لئے ککڑیاں تحفہ لایا ہُوں ــــ اس پر معن نے کہا ــــ بہت اچھا۔ اب یہ بتاؤ کہ تم نے ہم سے کس قدر انعام کی اُمید رکھی ہے ــــ بدو نے کہا۔ ایک ہزار دینار ــــ "اس پر معن نے کہا کہ یہ رقم تو بہت زیادہ ہے ــــ اس پر بدو نے کہا بہت اچھا ۵۰۰ دینار دے دیجئے۔ معن نے کہا "یہ بھی بہت زیادہ ہے" ــــ اور کرتے کراتے معن بدو کو ۳۰ دینار پر لے آیا اور جب اس پر بھی معن نے کہا کہ یہ رقم زیادہ معلوم ہوتی ہے تو بدو بڑا پریشان ہُوا۔ اور کہنے لگا۔

وَاللّٰہِ لَقَدْ کَانَ ذَالِکَ الرَّجُلُ الَّذِی قَابَلَنِی فِی الْبَرِیَّۃِ مَشْئُومًا اَفَلَا اَقَلَّ مِن

ثَلاَثِیْنَ دِیْنَارًا ـــــ یعنی بخدا جنگل میں جو آدمی مجھے ملا تھا وہ بہت منحوس معلوم ہوتا ہے۔ بھلا ۳۰ دینار سے کم بھی کوئی اِنعام ہے۔ اس پر معن ہنس کر خاموش ہو گیا اور بدو کو پتہ چل گیا کہ معن ہی خود اسے جنگل میں ملا تھا اور یہ سوچ کر کہ جو جواب مَیں نے اس کے بعد معن کو جنگل میں دیا تھا معن کو اس کا علم ہے۔ اس لئے اب ڈر کس بات کا ـــــ اُس نے کہا

"یَاسَیِّدِیْ اِذَالَمْ تَجِئیْ بِالثَّلاَثِیْنَ دِیْنَاراً فَهَا هُوَ اَلْحِمَارُ مَرْبُوطٌ بِالْبَابِ وَ هَا مَعْنٌ جَالِسٌ" ـــــ یعنی حضور اگر آپ ۳۰ دینار بھی نہ دیں تو گدھا دروازے پر بندھا ہُوا ہے اور معن یہ سامنے بیٹھا ہے ـــــ اس پر معن اِس قدر ہنسا کہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گیا۔ پھر اُس نے اپنے خزانچی کو بلایا اور اُسے حکم دیا کہ وہ اس بدو کو ایک ہزار دینار جمع ۵۰۰ دینار جمع ۳۰۰ دینار جمع ۲۰۰ دینار جمع ایک سو دینار جمع ۵۰ دینار اور جمع ۳۰ دینار یعنی کُل ۲۱۸۰ دینار دے دے اور بدو سے کہا کہ تم یہ ساری رقم لے لو اور خدا کے لئے گدھے کو اب یہاں ہی چھوڑ دو ـــــ اس پر بدو نے یہ ساری رقم سمیٹی اور معن کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے وطن کے لئے واپس روانہ ہو گیا۔

معن کی موت کے بعد اُس کا ذکرِ خیر

مروان بن ابی حفصہ ایک شاعر تھا جس نے معن بن زائدہ کا مرثیہ لکھا تھا۔ ایک دن یہ جعفر برمکی کی مجلس میں آیا تو جعفر نے اُس سے وہ مرثیہ سننے کی خواہش کی تو اُس نے یہ قصیدہ شروع کیا جس کے پہلے اشعار یہ تھے۔

اَقَمْنَا بِالْیَمَامَةِ اَوْنَسِیْنَا
مَقَامًا لاَ نُرِیْدُ بِهٖ زَوَالاَ
وَ قُلْنَا اَینَ نَذْهَبُ بَعْدَ مَعْنٍ
وَ قَد ذَهَبَ النَّوالُ فَلاَ نَوَالاَ
وَ کَانَ النَّاسُ کُلُّهُمْ لِمَعْنٍ
اِلٰی اَنْ زَارَ حَضْرَتُهٗ عَیَالاَ

یعنی کیا یہ ممکن ہے کہ ہم یمامہ میں قیام پذیر ہوں یا چلے جائیں اور اس مقام کو بھول جائیں جس سے علیٰحدہ ہونے کی ہمارے دل کے کسی گوشہ میں کوئی خواہش نہیں ہے۔ ہم نے کہا کہ ہم معن کی وفات کے بعد اب کہاں جائیں۔ کیونکہ اُس کی وفات سے جود و سخا کا دَور ختم ہو گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ جب تک معن زندہ تھا تو سب لوگ ہی اس کا کنبہ تھے۔

روایات میں آتا ہے کہ جب مروان یہ قصیدہ پڑھ رہا تھا تو جعفر زار و قطار رو رہا تھا اور جب مروان فارغ ہوا تو جعفر نے پوچھا کہ کیا تمہیں معن کے خاندان نے اس مرثیہ کا کچھ انعام دیا تھا؟ —— مروان نے کہا "نہیں" —— اس پر جعفر نے پوچھا کہ اگر معن خود زندہ ہوتا تو تمہیں اس قصیدہ پر اُس سے کس قدر انعام کی توقع تھی —— مروان نے کہا ۴۰۰ دینار —— اس پر جعفر نے کہا کہ جس قدر انعام کی تمہیں معن سے توقع تھی ہم تمہیں معن کی طرف سے اُس سے دُگنا دیتے ہیں اور اتنا ہی اور اپنی طرف سے دیتے ہیں۔ پس تو ہمارے خزانچی سے ایک ہزار چھ سو دینار لے لے جس پر مروان نے جعفر کی شان میں فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے ؎

نَفَحْتَ مُكَافِئًا عَنْ جُودِ مَعْنٍ
لَنَا فِيمَا تُجُودُ بِهٖ سَجَالاَ

فَعَجَّلْتَ الْعَطِيَّةَ يَابْنَ يَحْيٰى
لِنَادِيهِ وَلَمْ تُرِدِ الْمَطَالاَ

كَانَّ الْبَرْمَكِيَّ لِكُلِّ مَالٍ
تَجُودُبِهٖ يَدَاهُ يُفَادَ مَالاَ

یعنی اے جعفر تُو نے یہ عطیہ دے کر معن کی سخاوت کی مدافعت کی ہے اور اے ابن یحیٰ! (جعفر کی کنیت) تو نے یہ عطیہ فوراً دے دیا ہے اور کوئی ٹال مٹول نہیں کی ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے کہ برمکی جس مال کی بھی سخاوت کرتا ہے اُسے اُس کے عوض اور مال مل جاتا ہے۔

ہارون الرشید اور ایک شاعر

ہارون الرشید نے ایک دن اپنی مجلس میں شاعر مفضل سے کہا کہ اگر تُو مصائب کے بارہ میں کوئی بہترین شعر سنائے تو مَیں تجھے اپنی انگوٹھی اسی وقت ہبہ کر دوں گا۔ اس پر مفضل نے کسی شاعر کا یہ شعر پڑھا ؎

يَنَامُ بِاِحْدٰى مُقْلَتَيْهِ وَ يَتَّقِي
بِاُخْرَى الْمَنَايَا فَهُوَ يَقْظَانَ نَائِمٌ

یعنی وہ اپنی ایک آنکھ سے سوتا ہے اور دوسری کھلی رکھ کر موت سے اپنا بچاؤ کرتا ہے پس وہ ایک سوتا جاگتا شخص ہے۔

یہ شعر سن کر ہارون الرشید نے کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ میری انگوٹھی کی شامت آگئی ہے

——اور انگوٹھی اُتار کر مفضل کو دے دی۔ بعد ازاں ہارون الرشید کی خوشدامن ام جعفر نے ۱۶۰۰ دینار میں یہ انگوٹھی اس شاعر سے خرید کر ہارون الرشید کے پاس ابراہیم موصلی کے ذریعہ یہ کہہ کر بھجوا دی کہ چونکہ یہ انگوٹھی آپ کو بہت عزیز تھی اس لئے میں نے اسے خرید لیا ہے اور ابراہیم موصلی نے ترنم سے یہ اشعار پڑھے۔

وَ اُمِرَةٍ بِالْبُخْلِ قُلْتُ لَهَا اقْصرِی
فَلَیسَ اِلٰی مَا تَامُرِیْنَ سَبِیْلُ
فِعَالِی فِعَالُ الْمُکْثِرِیْنَ تکرُّمًا
وَ مَالِی کَمَا قَدْ تَعْلَمِیْنَ قَلِیْلُ
وَ کَیْفَ اَخَافُ الْفَقْرُ اَوْ اُحرَمُ الغِنَی
وَ رَایُٔ اَمِیْرِ الْمُومِنِیْنَ جَمِیْلُ

یعنی کتنی ہی عورتیں ہیں جو مجھے بخل کرنے کو کہتی ہیں لیکن میں نے انہیں کہا کہ جانے دو۔ جو بات تم کہتی ہو اس کو کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے اور باوجود اس کے کہ میرا مال تھوڑا ہے لیکن پھر بھی میری سخاوت و عطا مالداروں کی سی ہے اور مجھے فقر کا کیا ڈر ہے اور مالداری سے میں کیسے محروم ہو سکتا ہوں۔ جبکہ امیرالمومنین کی حسن ظنی میرے شامل حال ہے۔

اس پر ہارون الرشید نے کہا:

"لِلّٰہِ اَبیَاتٌ تَاتِینَا بِھَا مَا اَحْسَنَ اُصُوْلُھَا وَ اَبْیَنَ فُصُوْلُھَا وَ اَقَلُ فُضُولُھَا" یعنی بخدا یہ کیسے اچھے شعر ہیں جو تُو نے ہمیں سنائے ہیں۔ ان کے اجزائے ترکیبی کیسے واضح اور ان میں لغو و فضول کس قدر کم ہے۔

اور پھر ہارون الرشید نے غلام کو حکم دیا کہ وہ ۲۰ ہزار درہم ابراہیم موصلی کے حوالے کر دے۔

اس پر ابراہیم نے کہا کہ

"——بخدا مَیں ایک درہم نہیں لوں گا۔"

ہارون الرشید نے پوچھا—— "کیوں؟"

تو اُس نے کہا۔

"——اس لئے کہ یَا اَمِیْرَ الْمُومِنِیْنَ کَلَامُکَ خَیْرٌ مِنْ شِعْرِی" ——یعنی اے امیرالمومنین، آپ کی فصیح و بلیغ عبارت میرے شعروں سے بدرجہا بہتر ہے۔

اس پر ہارون الرشید نے غلام کو حکم دیا کہ وہ اسے ۲۰ کی بجائے ۴۰ ہزار درہم انعام دے۔ جو ابراہیم کو دے دیئے گئے۔

لیلیٰ الاخیلیہ حجاج کے دربار میں

حجاج بن یوسف ثقفی بنو امیہ کی طرف سے عراق میں ایک قابل ترین گورنر اور منجھا ہوا سیاست دان تھا جو نہایت سخت گیر تھا۔ اگر امیر معاویہؓ اپنی ہشیاری اور چالاکی کے باعث "دَاهِيَةُ الْعَرَبْ" کہلاتا تھا۔ تو یہ شخص اپنے ظلم و سفاکی کے باعث طاغیتہ العرب کہلاتا تھا۔ بایں ہمہ یہ شخص علم و ادب کا بڑا دلدادہ اور قدر دان تھا۔

شاعری کے لحاظ سے صرف دو عرب شاعرات نے عربی ادب میں قابل رشک مقام حاصل کیا ہے۔ ان میں سے ایک تو حضرت خنساء تھیں جنھوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں کو پایا اور صحابیتہ الرسول ہونے کا شرف حاصل کیا۔ یہ عفت و پاک دامنی میں ایک اعلیٰ مقام رکھتی تھیں اور مرثیہ خوانی میں بے نظیر تھیں۔

دوسری لیلیٰ الاخیلیہ ہیں جو اموی دور کی ایک بلند پایہ اور نامور شاعرہ تھیں۔

ادبی روایات میں آتا ہے کہ ایک دن حجاج عنبسہ بن سعد کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ دربان نے آکر کہا —— جناب! دروازہ پر ایک عورت ہے جو آپ سے ملنا چاہتی ہے۔ حجاج نے اجازت دی تو وہ عورت آئی لیکن اسے دیکھتے ہی حجاج نے اپنا سر جھکا دیا۔ وہ عورت آکر حجاج کے سامنے بیٹھ گئی۔ حجاج نے اُس سے اُس کا حسب و نسب پوچھا تو اُس نے کہا کہ وہ لیلیٰ الاخیلیہ ہے۔ حجاج نے کہا کیسے آئی ہو تو اُس نے کہا "اِخْلاَفُ النُّجُومِ وَ قِلَّةُ الْغُيُوْمِ وَ قَلْبُ الْبَرْدِ وَ شِدَّةُ الْجَهْدِ وَ كُنْتَ لَنَا بَعْدَ اللّٰهِ الرِّفْدُ" یعنی بارش سے ناامیدی۔ بادلوں کی قلت۔ سردی کی سختی۔ شدت جدوجہد مجھے تیرے پاس لائے ہیں۔ کیونکہ اللہ کے بعد تُو ہماری امیدوں کی آماجگاہ ہے۔ حجاج نے کہا رستوں کا حال کیا ہے اُس نے کہا —— اَلْفِجَاجُ مُغْبَرَّةٌ وَالْاَرْضُ مُقْشَعِرَّةٌ وَالْمَبْرَكُ مُعْتَلٌّ وَ ذُو الْعِيَالِ مُخْتَلٌّ وَالنَّاسُ مُسْنِتُوْنَ رَحْمَةَ اللّٰهِ يَرْجُوْنَ وَاَصَابَتْنَا سِنُوْنَ مُجْحِفَةٌ مُبَلِّطَةٌ لَمْ تَدَعْ لَنَا هُبَعًا وَ لَا رُبَعًا وَ لَا عَاطِفَةً اَذْهَبَتِ الْاَمْوَالَ وَ مَزَّقَتِ الرِّجَالَ وَاَهْلَكَتِ الْعِيَالَ —— یعنی راستے غبار آلود ہیں۔ خشک سالی کے باعث زمین کے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔ اونٹوں کے باڑے خستہ حال ہیں اور عیال دار آدمی ازحد پریشان حال ہے —— لوگ قحط زدہ ہیں اور رحمت الٰہی کے طلب گار ہیں۔ ہم پر ایسا قحط وارد ہو چکا ہے جس نے ہمیں برباد کر دیا اور محتاج بنا دیا ہے۔ اس قحط نے نہ تو موسم بہار سے پہلے پیدا

ہونے والا کوئی اونٹنی کا بچہ چھوڑا اور نہ ہی بعد میں پیدا ہونے والا چھوڑا ہے۔ اس نے نہ ہماری بھیڑیں چھوڑی ہیں نہ بکریاں۔ اُس نے ہمارے اموال کو تباہ کر دیا ہے، ہمارے آدمیوں کو تہس نہس کر دیا ہے اور آل و اولاد کو ہلاک کر دیا ہے۔ پھر لیلیٰ نے کہا کہ اے امیر میں نے آپ کی شان میں چند اشعار کہے ہیں۔ حجاج نے کہا سناؤ تو اُس نے کہا۔

اَحَجَّاجُ لَا یَفْلُلْ سِلَاحُكَ
اِنَّمَا الْمَنَایَابِکَفِّ اللّٰهِ حَیْثُ یَرَاهَا
اَحَجَّاجُ لَا تُعْطِ الْعُصَاةَ مَنَاهُمْ
وَ لَا اللّٰهُ یُعْطِی لِلْعُصَاةِ مُنَاهَا
اِذَا سَمِعَ الْحَجَّاجِ رِزَّ کَتِیْبَةٍ
اَعَدَّ لَهَا قَبْلَ النزُولِ قِرَاهَا

یعنی اے حجاج! تیرا ہتھیار کبھی کند نہ ہو۔ موتیں تو صرف اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ جہاں سے حجاج اُنہیں دیکھ رہا ہے۔ اے حجاج! نافرمانوں کی خواہش کبھی پوری نہ ہونے دینا اور نہ ہی اللہ اُن نافرمانوں کی خواہش کبھی پوری ہونے دے جونہی حجاج کو کسی لشکر کی آہٹ محسوس ہوتی ہے تو وہ اُس کے نزول سے پہلے ہی اُس کی مہمان نوازی کے لئے تیار ہوتا ہے۔

جونہی لیلیٰ یہ اشعار سنا چکی تو حجاج نے کہا اللہ اِسے ہلاک کرے جب سے مَیں عراق آیا ہوں آج تک کسی شاعر نے میری ایسی تعرف نہیں کی۔ پھر اُس نے اپنے ایک غلام کو بلا کر کہا "اِذْهَبْ بِهَا اِلٰی فُلَانٍ فَقُلْ لَهٗ اِقْطَعْ لِسَانَهَا" یعنی اسے فلاں آدمی کے پاس لے جاؤ اور کہو کہ اُس کی زبان کاٹ دے۔ غلام لیلیٰ کو اُس آدمی کے پاس لے گیا اور حجاج کا پیغام اُسے سنایا۔ اس پر اس شخص نے حجام کو بلایا اور لیلیٰ کی زبان کاٹنے کو کہا۔ اس پر لیلیٰ بولی "ثَقِلَتْكَ اُمُّكَ اَمَا سَمِعْتَ مَا قَالَ اِنَّمَا اَمَرَكَ اَنْ تَقْطَعَ لِسَانِی بِالصِّلَةَ" یعنی تیری ماں تجھے گم پائے کیا تُو نے سنا نہیں کہ امیر نے کیا کہا ہے۔ اس نے تو تجھے صرف یہ حکم دیا ہے کہ تُو انعام و اکرام سے میرا منہ بند کر دے۔

اس پر اس شخص نے بغرض استصواب اپنا ایک آدمی حجاج کے پاس بھجوایا۔ جب یہ آدمی وضاحت طلبی کے لئے حجاج کے پاس آیا تو اُسے اور غصہ آیا اور کہا کہ اُسے واپس میرے پاس بھیج دو۔ جب لیلیٰ حجاج کے پاس پہنچی تو کہنے لگی: "کَادَ یَقْطَعَ مِقْوَلِی" کہ "وہ تو میری زبان کاٹنے لگا تھا" ــــ پھر اُس نے یہ دو شعر پڑھے ۔

اَحَجَّاجُ اَنْتَ شَهَابُ الْحَرْبِ اِنْ نَفَحَت

وَ اَنْتَ لِلنَّاسِ نُورٌ فِی الدُّجٰی یَقِدُ

یعنی اے حجاج! تو وہ شخص ہے کہ جس پر کوئی غالب نہیں۔ سوائے خلیفہ اور اللہ کے کہ جس سے بخشش مانگی جاتی ہے اور وہ بے نیاز ہے۔ اے حجاج اگر لڑائی اچانک بھڑک اٹھے تو تُو اس کا شعلہ ہے اور لوگوں کے لئے تو تاریکیوں میں وہ نور ہے جو چمکتا ہے۔

اس کے بعد حجاج نے اپنے ہم جلیسوں کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا کہ جانتے ہو یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہمیں تو علم نہیں لیکن وَاللّٰہِ اَیُّھَا الْاَمِیْرُ اِنَّا لَمْ نَرٰی قَطُّ اَفْصَحَ لِسَانًا وَ لَا اَحْسَنَ مُحَاوَرَۃً وَ لَا اَصْلَحَ وَجْھًا وَ لَا اَرْصَنَ شِعْرًا مِنْھَا "یعنی اے امیر! بخدا ہم نے آج تک اس سے زیادہ فصیح اللسان بامحاورہ کلام کرنے والا زیادہ پُر رونق چہرہ اور شعر کو زیادہ سمجھنے والا کوئی انسان نہیں دیکھا۔

اس پر حجاج نے کہا کہ یہ لیلیٰ الاخیلیہ ہے۔ جس کے عشق میں توبہ خفاجی مرا تھا پھر حجاج لیلیٰ کی طرف متوجہ ہوا اور اسے کہا کہ توبہ نے تیرے بارے جو شعر کہے تھے۔ اُن میں سے کچھ سناؤ۔ اس پر لیلیٰ نے کہا "ہاں امیر! مَیں ضرور ایسا کروں گی اور پھر اُس نے درج ذیل شعر حجاج کو سنائے ؎

وَ ھَلْ لَیْلٰی تَبْکِیْنِی اِذَا مِتُّ قَبْلَھَا

وَقَامَ عَلٰی قَبْرِی النِّسَاءُ النَّوَائِحُ

کَمَا لَو اَصَابَ الْمَوتُ لَیْلٰی بَکَیْتُھَا

وَ جَادَ لَھَا دَمْعٌ مِنَ الْعَیْنِ صَافِحُ

یعنی اگر مَیں لیلیٰ سے پہلے مرجاؤں اور نوحہ گر عورتیں میری قبر پر کھڑی ہو کر نوحہ کرنے لگیں تو کیا لیلیٰ بھی اُن کے ساتھ مل کر مجھ پر نوحہ کرے گی؟ بالکل ایسے ہی جیسے اگر لیلیٰ مجھ سے پہلے مرجائے تو میری آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب رواں ہو جائے گا۔

پھر حجاج نے کہا لیلیٰ مانگ جو تو مانگے گی آج تجھے دیا جائے گا۔ اس پر لیلیٰ نے کہا اَعْطِ فَمِثْلُكَ اِذَا اَعْطٰی فَاَحْسَنَ "یعنی دے کہ تیرے جیسا جب دینے پہ آتا ہے تو خوب دیتا ہے۔" اس پر حجاج نے کہا ـــــ لَكِ عِشْرُونَ یعنی تجھے بیس دیتا ہوں۔ اس پر لیلیٰ نے کہا زِدْ

فَمِثْلُكَ زَادَ فَاَجْمَلْ "یعنی اور بڑھاؤ کیونکہ تیرے جیسا جب زیادہ دے تو اچھا لگتا ہے"۔ اس پر حجاج نے کہا لَكَ اَرْبَعُونَ "یعنی تیرے لئے چالیس ہیں"۔ اس پر لیلیٰ نے کہا زِدْ فَمِثْلُكَ زَادَ فَاَكْمَلْ یعنی اور بڑھاؤ کیونکہ تیرے جیسا جب زیادہ دے تو زیادتی پوری ہونی چاہیئے۔ اس پر حجاج نے کہا لَكَ ثَمَانُونَ یعنی تیرے لئے اسی ہیں۔ اس پر لیلیٰ نے کہا زِدْ فَمِثْلُكَ زَادَ فَتَمَّ یعنی اور بڑھاؤ۔ کیونکہ تیرے جیسا جب بڑھاتا ہے تو بڑھاؤتی ہر لحاظ سے پوری ہونی چاہئے اس پر حجاج نے کہا مِائَةٌ وَاعْلَمِیْ اِنَّهَا غَنَمٌ یعنی سو لیکن یہ یاد رکھنا کہ یہ سو بکریاں ہوں گی۔ اس پر لیلیٰ نے کہا ـــــ مَعَاذَ اللّٰهِ اَیُّهَا الْاَمِیْرُ اَنْتَ اَجْوَدُ جُوْدًا وَ اَمْجَدُ مَجْدًا وَ اَوْرٰی زَنْدًا مِّنْ اَنْ تَجْعَلَهَا غَنَمًا ــــــ یعنی اے امیر! خدا کی پناہ تو سخاوت، بزرگی اور مہمان نوازی میں اس قدر بلند مقام پر فائز ہے کہ تیری عظمت شان کے منافی ہے کہ تُو اس انعام کو بکریوں میں تبدیل کر دے۔ اس پر حجاج نے کہا فَمَا هِیَ وَیْحَكَ یَا لَیْلٰی ؟ یعنی اے لیلیٰ تو ہلاک ہو جائے پھر یہ کیا ہے؟ اس پر لیلیٰ نے کہا مِائَةٌ مِّنَ الْاِبِلِ بِرُعَائِهَا یعنی سو اونٹ بمعہ اُن کے چرواہوں کے۔ اس پر حجاج نے حکم دیا کہ یہ اسی طرح اس کو دیئے جائیں اور ساتھ ہی یہ پوچھا کہ کیا تجھے کسی اور چیز کی بھی ضرورت ہے؟ اس پر لیلیٰ نے کہا یُدْفَعُ اِلَیَّ نَابِغَةُ الْجَعْدِیُّ یعنی مجھے نابغہ جعدی دے دیا جائے۔ لیلیٰ اور نابغہ دونوں میں شاعرانہ چشمک و رقابت تھی اور دونوں ایک دوسرے کی ہجو کیا کرتے تھے۔ حجاج نے لیلیٰ کی یہ درخواست منظور کرلی۔ لیکن جب نابغہ کو اس کا علم ہُوا تو وہ بھاگ کر خلیفہ عبدالملک کے پاس چلا گیا۔ لیلیٰ بھی وہیں اس کے پیچھے پہنچ گئی تو وہ وہاں سے بھاگ کر قتیبہ بن مسلم کے پاس خراسان پہنچ گیا۔ اس طرح نابغہ آگے آگے اور لیلیٰ اس کے پیچھے پیچھے دوڑتی رہی لیکن اغلباً اُس کے وہ ہاتھ نہ آسکا۔

سخاوت

سخاوت ایک اعلیٰ درجہ کا انسانی خلق ہے۔ اس لئے حدیث شریف میں آیا ہے اَلسَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِّنَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّاسِ یعنی سخی اللہ تعالیٰ کا بھی مقرب ہے اور لوگوں کا بھی مقرب ہے۔ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بے حد سخی تھے۔ حتیٰ کہ جب مالِ غنیمت تقسیم کے لئے مسجد نبویؐ میں پہنچتا تو آنحضورؐ اس سارے مال کو تقسیم کرنے کے بعد اپنی چادر جھاڑ کر گھر تشریف لے جاتے۔ (کیا آج کوئی مسلمان سربراہِ مملکت اس اسوۂ نبیؐ پر عمل پیرا نظر آتا ہے؟) اور رمضان میں تو آپ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ

اِن دِنوں آپؐ اَجْوَدَ مِنَ الرِّیْحِ الْمُرْسَلَةِ یعنی آپؐ تیز ہواؤں سے

بھی زیادہ سخی تھے۔

آنحضرت صلعم نہ صرف خود سخی تھے بلکہ اسخیاء کو پسند بھی بہت کرتے تھے۔ تاریخ اسلام سے پتہ چلتا ہے کہ ایک جنگ میں حاتم طائی کا قبیلہ بمعہ اُس کی بیٹی کے پکڑا گیا۔ حاتم طائی کی بیٹی آنحضرت صلعم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور اپنا تعارف کرایا۔ یہ سنتے ہی حضور صلعم نے اُس کی بہت تکریم کی اور اُس کی سفارش پر اُس کے سارے قبیلے کو چھوڑ دیا۔

عربی ادب میں سخاوت و بخل کا ایک مقابلہ اس طرح کیا گیا ہے۔

اَلسَّخِیُّ شُجَاعٌ وَالْبَخِیلُ شُجَاعُ الْوَجْهِ یعنی سخی تو فی الواقعہ بہادر ہوتا ہے لیکن بخیل صرف چہرہ کا بہادر ہوتا ہے۔

عربوں میں بہت سخی لوگ گزرے ہیں اور اُن کے بڑے بڑے عجیب قصے عربی ادب میں مذکور ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں سخاوت کے لحاظ سے حاتم طائی اوّل نمبر پر آتا ہے۔

کافورِ اخشیدی

بعض ایسے سخی بھی گزرے ہیں جو سخاوت تو کرتے تھے لیکن کافی ٹال مٹول کے بعد۔ ایسے ہی لوگوں میں سے ممتاز عرب شاعر متنبی کا ممدوح کافورِ اخشیدی تھا۔ اُس نے جب متنبی کو کچھ دینے میں بہت تاخیر کی تو ایک روز متنبی نے اُسے درج ذیل شعر سنائے۔

اَبَا الْمِسْكِ هَلْ فِی الْكَأْسِ فَضْلٌ اَنَا لَهُ
فَاِنِّی اُغَنِّی مُنْذُ حِیْنٍ وَ تَشْرَبُ
اِذَا لَمْ تَنُطْ بِیْ ضَیْعَةً اَوْ وِلَایَةً
فَجُوْدُكَ یَكْسُوْنِیْ وَ شُغْلُكَ یَسْلُبُ

یعنی اے کستوری کے باپ (کافور کا رنگ کالا تھا اور کستوری کا رنگ بھی کالا ہوتا ہے اس لئے شاعر نے از راہ اعزاز اُسے یہ لقب دیا) کیا پیالے میں کچھ بچا بھی ہے جو مَیں حاصل کر سکوں کیونکہ مَیں کافی دیر سے گا رہا ہوں اور تو شراب پیئے جا رہا ہے۔ اگر تُو مجھے کوئی جاگیر یا ولایت یا امارت نہیں دیتا تو یہ ایسے ہی ہو گا کہ جیسے تیری سخاوت تو مجھے پہنا رہی ہو لیکن تیرا عمل میرے کپڑے اُتار رہا ہو۔

پھر متنبی ہی اپنے ایک اور محسن کی تعریف یوں کرتا ہے ۔

وَ اَحْسَنُ وَجْهٍ فِی الْوَرٰی وَجْهُ مُحْسِنٍ
وَ اَیْمَنُ کَفٍّ بَیْنَھُم کَفُّ مُنْعِمٍ

یعنی دنیا میں بہترین چہرہ محسن کا چہرہ ہے اور سب سے زیادہ بابرکت ہتھیلی اُن میں انعام دینے والے کی ہتھیلی ہے۔

جود و عطا کے طریق

سخاوت یا جود و عطا کے بھی عجیب عجیب طریق عربی ادب میں بیان ہوئے ہیں۔ عربی ادب کی روایات میں آتا ہے کہ ایک دفعہ مصر کے کسی فاطمی خلیفہ نے شعرائے مصر کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ جب یہ شعراء دریائے نیل کے کنارے کنارے خلیفہ کے محل کی طرف جا رہے تھے تو راستہ میں ایک غریب شاعر بھی اُن کے ساتھ شامل ہو گیا جبکہ اُس کے ہاتھ میں ایک گھڑا تھا، جسے وہ پانی سے بھرنے کے لئے دریائے نیل کی طرف جا رہا تھا۔ جب یہ سب شعراء قصر خلافت میں پہنچے تو خلیفہ نے اُن کی بہت تکریم و تعظیم کی اور انعامات سے خوب نوازا۔ پھر اچانک خلیفہ کی نظر اس مفلوک الحال آدمی پر پڑی۔ تو اُس نے اُس سے پوچھا کہ تم کون ہو اور یہاں کیسے آئے ہو۔ تو اس آدمی نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا ؎

وَ لَمَّا رَاَیْتُ الْقَوْمَ شَدُّوا رِحَالَھُمْ
اِلٰی بَحْرِکَ الطَّامِیْ اَتَیْتُ بِجَرَّتِی

یعنی جب میں نے قوم کو دیکھا کہ اُس نے تیرے جود و سخا کے بھرپور سمندر کی طرف جانے کے لئے اپنی سواریاں کس لی ہیں تو مَیں بھی اپنا گھڑا لے کر حاضر خدمت ہو گیا۔

خلیفہ کو اس مفلوک الحال شاعر کا یہ فی البدیہہ شعر اس قدر پسند آیا کہ اُس نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ وہ اس کا گھڑا زر و جواہرات سے بھر دیں۔ اس پر بعض درباریوں نے از راہِ حسد خلیفہ سے عرض کیا کہ یہ پاگل فقیر مال و دولت کی قدر کو کیا جانے۔ عین ممکن ہے کہ یہ اُسے ضائع کر دے۔ اس پر خلیفہ نے کہا تو کیا ہو گا۔

یہ اس کا مال ہے۔ وہ اس کے ساتھ جو چاہے کرے لیکن فی الواقعہ ہُوا یہی کہ جب اس شاعر کا گھڑا زر و جواہرات سے بھر کر اُس کے حوالے کر دیا گیا تو اُس نے باہر نکلتے ہی یہ سب مال و دولت بازار میں لُٹا دیا۔ اس بات کی خبر جب خلیفہ کو دی گئی تو اُس نے پھر اُسے دربار میں طلب کیا اور ڈانٹ کر کہا کہ یہ تم نے کیا کیا ہے۔ اس پر اُس شاعر نے ایک اور فی البدیہہ شعر خلیفہ کو سنایا ؎

یَجُوْدُ عَلَیْنَا اَلْخَیِّرُوْنَ بِمَالِھِمْ
وَ نَحْنُ بِمَالِ الْخَیِّرِیْنَ نَجُوْدُ

یعنی مخیر لوگ ہم پر اپنے مالوں سے سخاوت کرتے ہیں اور ہم اُن مخیروں کے مال سے آگے سخاوت کر دیتے ہیں۔

خلیفہ کو اس کا یہ برمحل شعر اس قدر پسند آیا کہ اُس نے نوکروں کو حکم دیا کہ اس کو زر و جواہرات کے دس گھڑے بھر کر اور دے دو۔ کیونکہ اَلْحَسَنَۃُ بِعَشْرِ اَمْثَالِھَا یعنی ہر نیکی کا اجر اس دنیا میں دس گنا ملتا ہے۔ اسی لئے فارسی زبان میں کہا جاتا ہے دہ در دنیا صد در آخرت۔

اسیری راہِ مولیٰ

راہِ مولیٰ میں اسیری ایک اعزاز و افتخار ہے۔ انبیاء اور اولیاء اللہ کو عموماً اس امتحان سے گزرنا پڑتا ہے۔

- حضرت یوسف علیہ السلام کو دیدہ دانستہ ایک جھوٹے الزام کے باعث جیل بھیج دیا گیا۔ جہاں انہوں نے چند سال گزارے۔
- خود سرورِ دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے مقدس صحابہؓ کو تقریباً تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور کر دیا گیا۔
- حضرت امام ابو حنیفہؒ کو جیل بھجوا کر وہیں زہر دے کر مروا دیا گیا۔
- حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو بھی ایک لمبا عرصہ کے لئے جیل بھیج دیا گیا اور کوڑے مارے گئے۔

لیکن کیا اس قید و بند سے ان سب بزرگوں کی عزت و تکریم میں آج کوئی کمی ہے؟ بخدا ہرگز نہیں۔

انہی حالات میں سے آج کل جماعت احمدیہ گزر رہی ہے۔ جس کے معزز و مکرم افراد کو کلمہ طیبہ پڑھنے، اُس کا بیج لگانے، اپنے دعوتی کارڈوں پر "بسم اللہ" لکھنے، عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی دینے اور کسی کو ماہِ رمضان میں اپنے گھر پر ہی اعتکاف بیٹھنے کی پاداش میں جیل بھیج دیا جاتا ہے۔

جبکہ شرافت اور عقل سلیم پکار پکار کر کہہ رہی ہوتی ہیں اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ؟

قرآن مجید میں فرعون کے متعلق آتا ہے فَاسْتَخَفَّ قَوْمَہٗ فَاَطَاعُوْہُ کہ اُس نے اپنی قوم کو بے وقوف بنایا اور وہ اُس کے پیچھے لگ گئی۔ قرآن ابدی صداقتوں کا سرچشمہ ہے اور اس میں کئی باتیں بطور پیش گوئی صیغہ ماضی میں درج ہیں۔ کسے معلوم تھا کہ ایسی ہی پیشگوئیوں میں سے

مندرجہ بالا آیت میں درج یہ ایک پیشگوئی ہے جو اِس زمانہ کے فرعون کے ذریعہ ظاہر ہوئی اور ہوتی چلی جارہی ہے۔

ایسے ہی معزز و مکرم اسیرانِ راہِ مولیٰ کے لئے ایک عرب شاعر کہتا ہے ؎

وَالْحَبْسُ مَالَم تَاتِهِ لِدَنِيئَةٍ
شَنْعَاء نِعْمَ الْمَنْزِلُ الْمُتَوَدَّدُ
بَعْثٌ يُجَدِّدُ لِلْكَرِيمِ كَرَامَةً
وَ يُزَارُ فِيْهِ وَ لَا يَزُورُ وَ يُكْرَمُ

یعنی قید و بند اگر کسی مکروہ کام کے لئے نہ ہو تو یہ بہت ہی اچھا اور پیارا گھر ہے۔ یہ ایک ایسی نئی زندگی ہے جو ایک معزز و مکرم آدمی کی عزت کی تجدید کرتی ہے اس حال میں کہ اگرچہ وہ خود تو کسی کی زیارت کے لئے نہیں جاتا لیکن لوگ بڑے شوق سے اُس کی زیارت کو آتے ہیں اور اس کی عزت کی جاتی ہے۔

شراب خانہ خراب

شراب بلاشبہ اُمّ الخبائث ہے اور دُنیا کی اکثریت اس کے ضرر سے خوب واقف ہے اور قرآن کریم نے تو یہ کہہ کر کہ اِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا شراب کے مالہ و ماعلیہ کو بیان کرتے ہوئے اس کی مضرت کو اس کے نفع سے زیادہ قرار دیتے ہوئے اِسے مومنوں کے لئے حرام قرار دیا لیکن اس کے باوجود بعض لوگ اس کے بے حد شوقین ہیں۔ بالخصوص شعراء کا ایک بہت بڑا حصہ اس کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان نظر آتا ہے اور شراب کی یہ مدح کسی ایک زبان سے مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ دنیا کی سب زبانوں میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ فارسی زبان کا مشہور فارسی شاعر یغما شراب کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہوئے کہتا ہے ؎

چیست می دانی مئے گلگوں مصفا جوہرے
حسن را پروردگارے عشق را پیغمبرے

اس شعر پر یغما بھی بھلا قاضی شہر کے عتاب سے کیسے بچ سکتا تھا؟ چنانچہ قاضی شہر کا یہ عتاب اپنی پوری جلالت شان کے ساتھ نازل ہوا اور یغما کو فتویٰ کفر کے ساتھ شہربدری کا پروانہ بھی تھما دیا گیا۔

لیکن یہ فتویٰ کفر اور پروانہ شہربدری اُسے اُس کے فارسی ادب میں اپنا مقام لینے سے نہ

روک سکے۔ اور عربوں کی بادہ کشی کا تو کیا کہنا ہے۔ اسلام کی روزانہ کی پانچ نمازیں اُن کے اوقاتِ شراب نوشی ہی تو تھے جن کو روحانی انقلاب سے دوچار کرتے ہوئے اسلام نے عربوں کو قعرِ مذلت سے اٹھا کر آسمان روحانیت کے درخشندہ ستارے بنا دیا۔

بہرحال عربی ادب میں زمانۂ جاہلیت اور بعثت اسلام کے بعد بھی۔ شراب کی بہت تعریف و توصیف کی گئی ہے، ہارون الرشید کا درباری شاعر ابو نواس اس کی تعریف میں کہتا ہے ۔

وَالرَّاحُ طَيِّبَةٌ وَ لَيْسَ تَمَامُهَا
اِلَّا بِطِيْبِ خَلَائِقِ الْجُلَاسِ

یعنی شراب بہت اعلیٰ چیز ہے لیکن اس کی عمدگی کا کمال تبھی ظاہر ہوتا ہے جب ندیم بھی خوب ہوں۔ عمرو بن کلثوم جو اصحاب المعلقات میں سے ایک ممتاز شاعر ہے، شراب کی تعریف یوں کرتا ہے

اَلَا هُبِّی بِصَحْنِكِ فَاصْبِحِيْنَا
وَ لَا تُبْقِیْ خُمُوْرَ الْاَنْدَرِيْنَا
مُشَعْشَعَةً كَاَنَّ الْحُصَّ فِيْهَا
اِذَا مَا الْمَاءُ خَالَطَهَا سَخِيْنَا

یعنی اے میری محبوبہ اُٹھ اور ہمیں بڑے پیالے سے شراب پلا اور مقام اندرین کی شرابیں کسی اور کے لئے باقی نہ رکھ۔ ہاں ہمیں ایسی پانی کی آمیزش والی شراب پلا کہ جس کا رنگ اس آمیزش سے زعفرانی ہو جائے اور اُسے پی کر ہم بے اختیار سخاوت کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

ہارون الرشید کا مشہور زمانہ درباری شاعر ابو نواس شراب کی تعریف میں مزید یوں رطب اللسان ہے۔

"اَلرَّاحُ صَدِيْقُ الرُّوْحِ۔ قَيْدُ اللَّذَّاتِ وَ مِفْتَاحُ الْمُسَرَّاتِ" —— یعنی شراب روح کی ساتھی ہے۔ لذتوں کو پکڑ کر رکھنے والی ہے اور مسرتوں کی کنجی ہے۔

مشہور شاعر ابن دُرید کہتا ہے ۔

حَمْرَاءُ قَبْلَ الْمَزْجِ صَفْرَاءُ بَعْدَهَا
اَتَتْ بَيْنَ لَوْنَی نَرْجَسٍ وَ شَقَائِقِ
حَكَتْ وَجْنَةَ الْمَعْشُوْقِ صَرْفًا فَسَلَّطُوْا
عَلَيْهَا مِزَاجًا فَاكْتَسَتْ لَوْنَ عَاشِقِ

یعنی شراب آمیزش سے پہلے سرخ ہوتی ہے۔ آمیزش کے بعد زرد رنگ اختیار کرلیتی ہے اور اس لحاظ سے اُس کا رنگ گل نرگس اور گل لالہ کے بین بین ہوتا ہے۔ یہ شراب اپنے خالص ہونے کے اعتبار سے معشوق کے رخسار کے مشابہ ہوتی ہے۔ اس لئے انہوں نے اس پر ایسا مزاج مسلط کردیا ہے کہ جس سے شراب عاشق کا رنگ اختیار کرلیتی ہے۔

ایک اور بادہ خوار شراب کی تعریف یوں بیان کرتا ہے۔

اَلْغِنَاءُ بِلاَ شَرَابٍ کَتَحِیَّۃٍ بِلاَ عَطِیَّۃٍ
وَرَعْدٍ بِلاَ مَطَرٍ وَ شَجَرٍ بِلاَ ثَمَرٍ

یعنی گانا بلا شراب اَیسے ہے جیسے سلام بلا تحفہ اور بادل بغیر بارش اور درخت بغیر پھل کے۔

خلیفہ مہدی اور ابُو دلامہ

ابُو دلامہ عباسی خلیفہ مہدی کا مصاحب و ندیم تھا اور اُسے بہت عزیز تھا۔ ایک دفعہ مہدی نے خوش ہو کر اُسے ایک قیمتی خلعت عطا فرمائی تا کہ وہ اُسے عظیم الشان مواقع پر پہن کر دربار میں حاضر ہوُا کرے۔ لیکن ابُو دلامہ کی شامت جو آئی تو اُس نے ایک دن یہ قیمتی خلعت پہن کر شراب پی لی اور سرِ بازار غُل غپاڑہ شروع کردیا۔ کسی چغل خور نے مہدی کو ابُو دلامہ کی اس حرکت سے آگاہ کر دیا تو مہدی کو بہت غصہ آیا اور اس نے حکم دیا کہ

ابُو دلامہ کی یہ خلعت پھاڑ دی جائے اور اُسے مرغیوں کے دڑبہ میں بند کردیا جائے۔

چنانچہ اس کی تعمیل کی گئی۔ ابو دلامہ چونکہ نشہ کی حالت میں تھا۔ اس لئے کافی دیر تک وہ وہاں بند رہا۔ جب کافی رات گزر گئی اور ابو دلامہ کو ہوش آیا تو اُس نے چلانا شروع کردیا۔ اس پر داروغہ آیا اور شور کی وجہ پوچھی۔ جس پر ابُو دلامہ نے اُسے کہا کہ مجھے یہاں کس نے بند کیا ہے ـــــ داروغہ نے کہا کہ خلیفہ نے تمہیں یہاں قید کرنے کا حکم دیا ہے اور ساتھ ہی وجہ بھی بتادی کہ تمہاری خباثت اور شامت اعمال تمہیں یہاں لائی ہے۔ اس پر ابو دلامہ نے داروغہ سے کہا کہ جلدی سے قلم دوات اور کاغذ لاؤ۔ داروغہ نے اس کی تعمیل کی اور ابو دلامہ نے درج ذیل اشعار لکھ کر یہ رُقعہ جلدی سے خلیفہ مہدی کو پہنچانے کی (داروغہ سے) درخواست کی ؎

اَمِنْ صَھْبَاءَ صَافِیَۃِ الْمِزَاجِ
کَاَنَّ شُعَاعَھَا لَھَبُ السِّرَاجِ

تَهُشُّ لَهَا النُّفُوسُ وَ تَسْتَهِيْهَا
إِذَا بَرَزَتْ تُرَقْرِقُ فِی الزُّجَاجِ
اَمِیْرَالْمُؤْمِنِیْنَ فَدَتْكَ نَفْسِی
عَلَی مَا حَبَسْتَنِی خَرَقْتَ وَ سَاجِی
أُقَادُ اِلَی السُّجُونِ بِغَیْرِ ذَنْبٍ
وَ أُحْبَسُ بَعْدَهُ مَعَ الدَّجَاجِ
دَجَاجَاتٌ یُطِیْفُ بِهِنَّ دِیْكٌ
یُنَادِی بِالصِّیَاحِ اِذَا یُنَاجِی
وَ قَدْ كَانَتْ تُخَبِّرُنِی ذُنُوبِی
بِاَنِّی مِنْ عَذَابِكَ غَیْرُ نَاجِی
عَلَی اِنِّی وَ اِنْ لاَ قَیْتُ شَراً
لِخَیْرِكَ بَعْدَ ذَاكَ الشَّرِّ رَاجِی

یعنی ـــــ کیا اس شراب کے باعث جس میں صاف و شفاف پانی ملا ہوا ہے اور جو چراغ کی لو کی طرح چمکتی دمکتی ہے۔ انسانی نفوس میں اس کے باعث مسرت کی لہر دوڑ جاتی ہے اور جب یہ چھلکتی ڈلکتی بلوری جاموں میں سامنے آتی ہے تو اسے پینے کو خود بخود جی چاہتا ہے۔ امیرالمومنین! مَیں آپ کے قربان جاؤں آپ نے مجھے کیوں قید کیا ہے اور میری خلعت کس لئے پھاڑی ہے؟ مجھے بلا قصور قید خانہ میں دھکیل کر مرغیوں کے ساتھ بند کر دیا گیا ہے اور یوں لگتا ہے گویا کہ مَیں ایک مرغ ہوں جو مرغیوں کو لے کر پھر رہا ہے اور جب وہ اُن سے بات کرنا چاہتا ہے تو اُسے اُن کی طرح چلانا پڑتا ہے۔ مجھے میرے گناہ بتا رہے تھے کہ مَیں آپ کی سزا سے بچ نہیں سکوں گا اور اگرچہ مجھے یہ تکلیف آپ کی طرف سے پہنچی ہے۔ تاہم اس تکلیف کے بعد مجھے آپ کی طرف سے بھلائی اور نیکی کی پوری پوری توقع ہے۔

جب یہ رقعہ خلیفہ مہدی کو پہنچا تو اُس نے ابو دلامہ کی فوری رہائی اور اپنے حضور حاضر ہونے کا حکم دیا۔ جب ابو دلامہ مہدی کے سامنے آیا تو مہدی نے پوچھا کہ تم نے رات کہاں گزاری ہے؟ ابو دلامہ نے کہا۔ حضور مرغیوں کے دڑبہ میں۔ اس پر مہدی نے کہا کہ تُم وہاں کیا کرتے تھے؟ ابو دلامہ نے کہا۔ كُنْتُ اَقُوْقِی مَعَهُنَّ یعنی حضور مَیں وہاں اُن کی طرح کُڑک کُڑک کرتا تھا۔

اس پر مہدی بہت ہنسا اور اسے انعام کے علاوہ ایک اور خلعت دینے کا حکم دیا۔

خلیفہ مہدی اور واقدی

واقدی روایت کرتا ہے کہ ایک دن مہدی قلم و دوات اور کاغذ لئے بیٹھا تھا اور میرے بیان کردہ نوادر و فکاہات کو قلمبند کر رہا تھا کہ اچانک وہ اٹھ بیٹھا اور مجھے کہہ گیا کہ تم ذرا ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد مہدی جب واپس آیا تو اُس کا لباس تبدیل ہو چکا تھا اور وہ سخت غصہ کی حالت میں نظر آ رہا تھا۔ جس پر مَیں نے پوچھا کہ امیرالمومنین خیر تو ہے؟ اس پر مہدی نے کہا کہ جب مَیں گھر میں گیا تو ملکہ خیزران مجھ پر ٹوٹ پڑی میرا لباس پھاڑ دیا اور مجھے کہا

"یَاقَشَّاشُ وَ اَیُّ خَیْرٍ رَاَیْتُ مِنْكَ" —— یعنی اے فضلہ خور مَیں نے تجھ سے کون سی بھلائی دیکھی ہے۔

اور اے واقدی! تجھے علم ہے کہ مَیں نے اس لونڈی کو ایک دلال سے خرید کر ملکہ بنا دیا ہے اور اُس کے دونوں بیٹوں کو یکے بعد دیگرے ولی عہد مقرر کر چھوڑا ہے۔ "وَیْحَكَ وَاَنَا قَشَّاشُ" تیرا برا ہو کیا میں پھر بھی فضلہ خور ہی رہا؟ —— واقدی کہتا ہے کہ اس پر مَیں نے مہدی کو کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے متعلق فرمایا ہے کہ "اِنَّهُنَّ یَغْلِبْنَ الْکِرَامَ وَ یَغْلِبُهُنَّ اللِّئَامُ وَ قَالَ خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَهْلِهٖ وَ قَالَ خُلِقَتِ الْمَرْاَةُ مِنْ ضِلْعٍ اَعْوَجَ اِنْ قَوَّمْتَهٗ کَسَرْتَهٗ" —— یعنی عورتوں کی حالت یہ ہے کہ شرفاء کو مغلوب کر لیتی اور کمینوں سے دب جاتی ہیں اور حضورؐ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنی اہلیہ کے ساتھ بہترین سلوک کرتا ہے اور حضورؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ عورت ایک ٹیڑھی پسلی کی طرح ہے۔ اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو یہ ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے اس سے اسی طرح کام لیتے رہو —— واقدی کہتا ہے کہ اس قسم کی اور بہت سی باتیں میں نے مہدی سے کہیں۔ جس سے اُس کا غصہ قدرے تھم گیا اور پھر اُس نے مجھے دو ہزار دینار دے کر رخصت کیا۔ اور جب مَیں گھر پہنچا تو ملکہ خیزران کا ایلچی بھی میرے پیچھے آ پہنچا اور کہنے لگا کہ ملکہ نے کہلا بھیجا ہے کہ مَیں نے آپ کی مہدی کے ساتھ ساری گفتگو سن لی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ مَیں آپ کو کچھ کپڑے اور ۱۹۹۰ دینار بھجوا رہی ہوں اور پورے دو ہزار اس لئے نہیں بھیج رہی کہ مَیں خلیفۂ وقت سے برابری کرنے کی بے ادبی کی مرتکب ہونا نہیں چاہتی۔

حُسن و جمال

حُسن و جمال امتیازی صفات میں سے ہیں اور اُن کا حامل دنیاوی اعتبار سے معاشرے میں ایک خاص قدر و منزلت رکھتا ہے لیکن حُسن ایک نسبتی چیز ہے جو اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ حضرت احمدؑ نے اپنے ایک فارسی شعر میں کیا ہی خوب فرمایا ہے ؎

گر نبودے در مقابل روئے مکروہ و سیاہ
کس چہ دانستے جمال شاہد گلفام را

عربی کا ایک شاعر بھی کہتا ہے "وَ بِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْاَشْيَاءُ" یعنی اشیاء اپنی ضد و نقیض سے پہچانی جاتی ہیں بہرحال حسن و جمال اگرچہ ایک نسبتی چیز ہے تاہم اس کی کیفیت یہ ہے کہ یہ دوسرے انسان کو اپنا فریفتہ و شیدا بنا لیتا ہے اور شاعروں اور ادیبوں کے لطیف و رقیق جذبات و عواطف کو برانگیختہ کرتا ہے۔ حسین و جمیل انسان کے ہزاروں مداح خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں اور اس کا حسن و جمال اُس کے لئے بے شمار سہولتوں، آسائشوں اور رعایتوں کا موجب بن جاتا ہے ——چنانچہ ایک عرب شاعر کہتا ہے ؎

اِنَّ الْمَلِيْحَ اِذَا اَتَى بِجَرِيْمَةٍ
جَائَت مَحَاسِنُهٗ بِاَلْفِ شَفِيْعٍ

یعنی —— کوئی خوبرو انسان اگر کبھی کوئی غلطی کر بیٹھے تو اس کا حسن و جمال اُس کے لئے ہزاروں سفارشیں مہیا کر دیتا ہے۔

حسب و نسب

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے اور یہ شرف خود اپنی ذات میں بہت بڑا ہے لیکن بعض کم فہم اور کوتاہ نظر انسان اِس شرف کو اپنے لئے کافی نہیں سمجھتے اس لئے وہ بعض بناوٹی چیزوں سے اپنا ایک جعلی اور مصنوعی وقار قائم کرنا چاہتے ہیں۔

چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ اگر کچھ لوگ حسب و نسب کو اپنے لئے باعث شرف و فخر سمجھتے ہیں تو بعض دوسرے مال و دولت کو اپنے لئے باعث عزت بنا لیتے ہیں لیکن

بالغ النظر لوگوں کی نظر میں نہ حسب و نسب باعث فخر ہے اور نہ ہی مال و دولت بلکہ اصل باعث فخر وہ روحانی اور اخلاقی اقدار ہیں جن کو انسان اپنے اندر سمو کر اُنہیں ترقی دے لیتا ہے۔

اگر ایسا نہ ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی یہ نہ فرماتے کہ "بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ ـــــ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے اخلاقِ فاضلہ کی تکمیل کے لئے بھیجا ہے اور نہ ہی قرآن کریم ببانگ بلند یہ کہتا کہ "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ" ـــــ یعنی تم میں سے معزز ترین وہ ہے جو سب سے بڑا متقی ہے ـــــ چنانچہ ایک عرب شاعر کہتا ہے ۔

لَعَمْرُكَ مَاالْاِنْسَانُ اِلَّا بِدِیْنِهٖ

فَلَاتَتْرُكِ التَّقْوٰی اِتِّکَالًا عَلَی الْحَسَبْ

فَقَدْ زَیَّنَ الْاِیْمَانُ سَلْمَانَ فَارِسٍ

وَ قَدْ وَضَعَ الشِّرْكُ الشَّرِیْفَ اَبَالَهَبْ

یعنی بخدا انسان کی قدر و منزلت اُس کی دینداری سے ہے۔ پس تم حسب و نسب پر توکل کرتے ہوئے تقویٰ کو خیر باد مت کہو کیونکہ ایمان ہی وہ چیز ہے جس نے سلمان فارسی کو مقبول بارگاہ الٰہی بنا دیا اور شرک نے ابو لہب جیسے عالی النسب انسان کو وضیع القدر اور حقیر بنا دیا۔

ایک اور عرب شاعر اسی مفہوم کو یوں ادا کرتا ہے ۔

قَدْ یُدْرِكُ الشَّرَفَ الْفَتٰی وَرِدَاءُهٗ

خَلَقٌ وَ جَیْبُ قَمِیْصِهٖ مَرْقُوْعُ

یعنی ایک ایسا نوجوان بھی شرف سے مشرف ہو سکتا ہے جس کی چادر بوسیدہ ہو اور اُس کی قمیص کے دامن کو جگہ جگہ پیوند لگے ہوئے ہوں۔

اور ایک اور عرب شاعر اس موضوع پر یوں لب کشائی کرتا ہے ۔

کُنْ اِبْنَ مَنْ شِئْتَ وَاکْتَسِبْ اَدَبًا

یُغْنِیْكَ مَحْمُوْدُهٗ مِنَ النَّسَبِ

اِنَّ الْفَتٰی مَنْ یَقُوْلُ هَا اَنَاذَا

لَیْسَ الْفَتٰی مَنْ یَقُوْلُ کَانَ اَبِیْ

یعنی تُو اپنے آپ کو جس کا فرزند چاہے کہلا لیکن ادب و اخلاق سے اپنے آپ کو ضرور مزین کر۔ کیونکہ اخلاقِ فاضلہ تمہیں حسب و نسب سے بے نیاز کر دیں گے۔ حقیقی نوجوان تو وہ ہے جو کہے کہ لو میں یہ ہوں۔ نہ کہ وہ جو یہ کہے کہ میرا باپ فلاں فلاں تھا۔

ایک اکتسابی چیز

عصر حاضر کا ممتاز مصری شاعر احمد شوقی کیا ہی خوب کہتا ہے ۔

وَدَعُوا التَّفَاخُرَ بِالتُّراثِ وَ اِن عَلاَ
فَالْمَجْدُ کَسْبٌ وَالزَّمَانُ عِصَامُ

یعنی حسب و نسب پر فخر کرنا بالکل چھوڑ دو۔ خواہ یہ کتنا ہی بلند و بالا کیوں نہ ہو
کیونکہ عظمت و بزرگی ایک اکتسابی چیز ہے اور زمانہ تو اس کے لئے محض
ایک دربان کی طرح ہے۔

عصام حیرا کے بادشاہ نعمان بن منذر کا رئیس الحجاب تھا اور بعد میں خود بھی بادشاہ بن گیا تھا۔ شوقی اُس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اپنے آپ کو خود بڑا بناؤ اور آباؤ اجداد کی بڑائی پر "پدرم سلطان بود" کہتے ہوئے فخر نہ کرو۔ بلکہ عصام کی طرح ترقی کر کے خود بڑے بنو۔ اسی لئے عربی زبان کی ضرب المثل ہے: "کُنْ عِصَامِیًّا لاَ عِظَامِیًّا" یعنی اپنے آپ کو عصام کی طرح خود بڑے بناؤ اور اپنے آباؤ اجداد پر فخر نہ کرو۔"

معن اور تین عرب دوشیزائیں

ادبی روایات میں آتا ہے کہ گورنر عراق معن ایک دن شکار کو نکلا تو راستہ میں اُسے سخت پیاس لگی اور جب پوچھا تو پتہ چلا کہ پانی تو ختم ہو چکا ہے۔ معن اسی حالت میں کھڑا تھا کہ تین عرب دوشیزائیں اپنے سروں پر پانی کے مٹکے اٹھائے نمودار ہوئیں۔ معن کی درخواست پر انہوں نے اُسے پانی پلایا۔ جس پر معن نے انہیں جب کچھ انعام دینا چاہا تو پتہ چلا کہ خزانچی کے پاس اس وقت کوئی رقم نہیں۔ اس پر معن نے ہر دوشیزہ کو دس دس ایسے تیر دیئے جن کے پھل (اَنی) خالص سونے کے تھے۔ اس پر وہ تینوں بڑی حیران ہوئیں اور کہنے لگیں کہ ایسا کام تو سوائے معن بن زائدہ کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ اس لئے آؤ ہم میں سے ہر ایک اس بارہ میں کچھ شعر کہے۔ جس پر پہلی یوں مخاطب ہوئی ۔

یُرَکِّبُ فِی السِّهَامِ نُصُوْلَ تِبْرٍ وَ یَرْمِی لِلْعِدا کَرَمًا وَ جُودَا
وَ لِلمَرْضَی عِلاَجٌ مِن جَراحٍ وَ اَکْفَانٌ لِمَنْ سَکَنَ اللُّحُودَا

یعنی معن اپنے تیروں میں سونے کے پھل لگا کر اپنے دشمنوں پر جود و سخا کی
بارش برساتا ہے۔ پس ان تیروں کا سونا زخمیوں کے علاج کے لئے اور مرنے
والوں کے کفن کے لئے رقم مہیا کرتا ہے۔

اس پر دوسری دوشیزہ نے معن کی تعریف کے لئے یوں لب کشائی کی ۔

وَ مُحارِبٍ مِن فَرْطِ جُودِ بَنَانِهٖ عَمَّتْ مَكَارِمُهُ الْاَقَارِبَ وَالْعِدیٰ
صِيْغَتْ نُصُولُ سِهَامِهٖ مِن عَسْجَدٍ كَی لَا يُفَوِّتَهُ التَّقَارُبُ وَالنَّدٰی

یعنی معن اپنے شمنوں سے اپنے ہاتھ کی کثرت سخاوت سے بر سر پیکار ہے اور اُس کی جود و سخا سے رشتہ دار اور دشمن دونوں مستفید ہو رہے ہیں۔ اس کے تیروں کے پھل خالص سونے سے بنائے گئے ہیں تا کہ قرابت اور سخاوت اُس سے پہلو تہی نہ کر سکیں۔

اور تیسری دوشیزہ یوں گویا ہوئی ۔

مِنْ جُودِهٖ يَرْمِی الْعِدَاةَ بِاَسْهَمٍ مِن الذَّهَبِ الْاِبْرِيْزِ صِيْغَتْ نُصولُهَا
لِيُنْفِقَهُ الْمَجْرُوحُ عِندَ انْقِطَاعِهٖ وَ يَشْتَرِیَ الاَكْفَانَ مِنها قَتِيْلُهَا

یعنی یہ معن کی سخاوت کا طرۂ امتیاز ہے کہ وہ دشمنوں پر ایسے تیر برساتا ہے کہ جن کے پھل خالص سونے کے ہیں تا کہ زخمی اُن کو بیچ کر اپنا علاج کرالے اور مرنے والے کو کفن خریدنے میں دقت نہ ہو۔

وہ تینوں یہ اشعار کہہ کر رخصت ہوئیں اور معن اُن کے ادبی ذوق پر حیرت و استعجاب میں غرق ہو کر رہ گیا۔ کیونکہ فی البدیہہ شعر کہنا ایک بلند ادبی لیاقت ہے۔

بد اور بد ترین

احادیث نبویہ میں آتا ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ میں مجلس علم و عرفان لگائے بیٹھے تھے کہ حضورؐ نے فرمایا "اَلَا اُخْبِرُ كُمْ بِشَرِّ كُمْ مَنْ اَكَلَ وَحْدَهٗ وَ ضَرَبَ عَبْدَهٗ وَ مَنَعَ رِفْدَهٗ اَلَا اُخْبِرُ كُمْ بِشَرٍّ مِنْ ذَالِكَ مَنْ لَا يَقْبَلُ مَعْذِرَةً وَ لَا يُقِيْلُ عَثَرَةً یعنی کیا میں تمہیں اُس شخص کا حال نہ بتاؤں جو تم میں بد ہے اور یہ وہ شخص ہے جو اکیلا کھاتا ہے۔ اپنے غلام کو مارتا ہے۔ اور اپنی جود و عطا سے لوگوں کو محروم رکھتا ہے اور کیا میں تمہیں اُس شخص کے متعلق نہ بتاؤں جو تم میں بد ترین ہے اور یہ وہ شخص ہے جو کسی کا عذر قبول نہیں کرتا اور کسی کی غلطی کو معاف نہیں کرتا۔ اسی لئے ایک عرب شاعر کہتا ہے ۔

اَقْبِلْ مَعَاذِيْرَ مَنْ يَاتِيْكَ مُعْتَذِراً
اِنْ بَرَّ عِندَكَ فِيْمَا قَالَ اَوْ فَجَرا

فَقَدْ اَطَاعَكَ مَنْ يُرْضِيْكَ ظَاهِرُهٗ
وَ قَدْ اَجَلَّكَ مَنْ يَعْصِيْكَ مُسْتَتِرَا

یعنی جو تیرے پاس کوئی عذر لے کر آئے تُو اُس کا عذر قبول کر لے۔ خواہ وہ عذر سچا ہو یا جھوٹا کیونکہ جس کا ظاہر تجھے پسند ہو اُس نے تیری اطاعت کر لی ہے اور جس نے تجھ سے چھپ کر تیری نافرمانی کی ہے۔ اُس نے تیری بڑائی کا اقرار کر لیا ہے۔

سفر وسیلۂ ظفر

سیر و سیاحت اِنسانی طبائع کو بے حد مرغوب ہے۔ دُنیا کی بیشتر اقوام میں اَیسے آدمی پائے جاتے ہیں جنہوں نے سفر کو بطورِ پیشہ اختیار کیا اور اپنی اپنی قوموں کے لئے بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کیں۔ چنانچہ عربوں میں ابن بطوطہ، پرتگیزیوں میں واسکوڈے گاما اور پرنس ہینری۔ اطالویوں میں کولمبس، مارکوپولو اور گیری بالڈی تاریخ ساز مسافر ہستیاں ہو گزری ہیں اور آج کل تو سفر علم کی ایک باقاعدہ شاخ بن گیا ہوا ہے اور امریکہ میں ایک جہازی یونیورسٹی کئی سالوں سے قائم ہے جو "SEMESTER OF SEA" کے نام سے مشہور ہے۔ جس کے طالب علم پورا ایک سمسٹر (SEMESTER) دنیا کے مختلف اطراف و جوانب میں بحری اور کچھ بری سفر پر رہتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں "TOURISM"، یعنی تفریحی سفر کو ایک دلچسپ مشغلہ کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے اور اسے بہت عروج حاصل ہُوا ہے اور یہ دُنیا کی بیشتر حکومتوں کے لئے زرِ مبادلہ کمانے کا ایک اہم شعبہ بن گیا ہے۔ قرآنِ کریم نے بھی "قُلْ سِیْرُوا فِی الْاَرْضِ" کہہ کر سیر و سیاحت پر بہت ترغیب دی ہے اور اگرچہ سفر ایک تکلیف دہ چیز ہے۔ لیکن پھر بھی ہمیشہ سے ہی سفر کو وسیلۂ ظفر سمجھا جاتا ہے اور ہر قوم کے شعراء نے اس کے متعلق طبع آزمائی کی ہے اور عرب شعراء نے اپنی جولانی اور سیلانی طبیعت کے پیشِ نظر تو اس بارہ میں بہت ہی پُر حکمت گوہر افشانی کی ہے۔ جس کے چند نمونے درج ذیل کئے جاتے ہیں:

ایک عرب شاعر کہتا ہے ؎

فَسِرْ فِی بِلَادِ اللّٰهِ وَالْتَمِسِ الْغِنَی
تَمُتْ ذَایَسَارٍ اَوتَمُوتَ فَتُعْذَرَا

یعنی —— تلاش رزق میں دنیا میں پھرو اور گھومو نتیجہ یہ نکلے گا کہ یا تو تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر حالت امارت میں فوت ہو گے اور یا اگر تم ناکام ہو گئے تو دنیا تمہیں معذور سمجھے گی۔

ایک اور عرب شاعر کہتا ہے

اِذَا لَمْ یُسَالِمْكَ الزَّمَانُ فَحَارِبِ
وَبَاعِدْ اِذَا لَمْ تَنْتَفِعْ بِالْاَقَارِبِ

یعنی ـــــ جب زمانہ تم سے صلح پر آمادہ نہ ہو تو تم "تنگ آمد بجنگ آمد" کے مقولہ پر عمل کرو اور جب تمہیں اپنے اعزہ و اقارب سے کسی نفع کی توقع نہ ہو تو سفر پر نکل جاؤ۔

اور حضرت علیؓ نے اپنے حکیمانہ اشعار میں سفر کے درج ذیل پانچ فوائد گنوائے ہیں۔

تَغَرَّبْ عَنِ الْاَوْطَانِ فِی طَلَبِ الْعُلٰی
وَ سَافِرْ فَفِی الْاَسْفَارِ خَمْسُ فَوَائِدِ
تَفَرُّجُ هَمٍّ وَ اكْتِسَابُ مَعِیْشَةٍ
وَ عِلْمٌ وَ اٰدَابٌ وَ صُحْبَةُ مَاجِدِ

یعنی ـــــ بلندیوں کے حصول کے لئے ترک وطن کرو اور سفر پر نکل جاؤ۔ کیونکہ اس میں پانچ فائدے ہیں۔ (۱) اس سے ہم و غم دور ہوتا ہے (۲) روزی ملتی ہے (۳) علم حاصل ہوتا ہے (۴) آداب و اخلاق سیکھے جاتے ہیں اور (۵) کسی شریف یا بزرگ انسان کی صحبت سے حظ اٹھانے کا موقع ملتا ہے۔

ایک اور عرب شاعر سفر کے متعلق یوں خامہ فرسائی کرتا ہے۔

مَا فِی الْمُقَامِ لِذِی لُبٍّ وَ ذِیْ اَدَبٍ
مَعَزَّةٌ فَاتْرُكِ الْاَوْطَانَ وَاغْتَرِبِ
اِنِّی رَاَیْتُ وُقُوْفَ الْمَاءِ یُفْسِدُهٗ
اِنْ سَالَ طَابَ وَ اِنْ لَمْ یَجْرِ لَمْ یَطِبِ
وَالْاُسْدُ لَوْ لَا فِرَاقُ الْغَابِ مَاقْتَنَعَتْ
وَالسَّهْمُ لَوْ لا فِرَاقُ الْقَوْسِ لَمْ یُصِبِ
وَالتِّبْرُ كَالتُّرْبِ مُلْقًی فِی مَعَادِنِهٖ
وَالْعُوْدُ فِی اَرْضِهٖ نَوْعٌ مِنَ الْحَطَبِ
فَاِنْ تَغَرَّبَ هٰذَا عَزَّ مَطْلَبُهٗ
وَ اِنْ اَقَامَ فَلَا یَعْلُوا اِلَی الرُّتَبِ

یعنی ـــــ کسی عقل مند کے لئے ایک جگہ ٹھہرے رہنے میں کوئی عزّت نہیں ہے۔ پس ترک وطن کرکے سفر پر نکل جاؤ۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ پانی کا رُکے رہنا اُسے گندا کر دیتا ہے اور اگر وہ بہتا رہے تو پاک رہتا ہے اور اگر نہ بہے تو پاک نہیں رہتا اور شیر اگر اپنی کچھاروں سے نہ نکلیں تو اُنہیں شکار نہ ملے اور تیر اگر کمان سے علیحدہ نہ ہو تو ٹھکانے یا نشانے پر بیٹھنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے اور سونا اپنی کان میں مٹی کا ہم پلہ ہے اور اگر کی لکڑی اپنی جگہ پر ایک قسم کا ایندھن ہے۔ پس اگر سونا سفر پر روانہ ہو جائے تو وہ عزیز القدر ہو جاتا ہے لیکن اگر اپنی کان میں مقیم ہے تو کسی مقام و مرتبہ کو حاصل نہیں کر سکتا۔

اُمّ الخبائث

شراب بطور خانہ خراب بہت مشہور ہے اور عربی میں اسے اُمّ الخبائث کا لقب دیا گیا ہے۔ اخلاقی اعتبار سے کوئی خواہ کس قدر ہی گرا ہُوا ہو پھر بھی اُسے یہ جرأت نہیں ہوتی کہ وہ منبر پر کھڑا ہو کر شراب پینے کی اعلانیہ تلقین کرے۔ اس کے باوجود شراب لوگوں کو بے حد محبوب ہے اور ہر زبان اور ہر مُلک میں اس کے مداحین کی غیر معمولی تعداد موجود ہے۔ بالخصوص شعراء عام طور پر اس کے بے حد شائق اور اس کی رنگینی پر فریفتہ و شیدا نظر آتے ہیں۔ فارسی کے مشہور شاعر یغماء نے تو اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتا ہے ؎

چیست می دانی مئے گلگوں مصفا جوہرے
حُسن را پروردگارے عشق را پیغمبرے

اور تو اور خود صوفیا نے بھی اپنے مسلک میں اس چیز کا نام بطور استعارہ کثرت سے استعمال کیا ہے۔ چنانچہ شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

مے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود زِ رسم دراہ منزلہا

اور مولانا رُومؒ اس کے متعلق استعارۃً فرماتے ہیں ؎

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم
اے بے خبر زِ لذتِ شرب مدام ما

بہرحال شراب باوجود اپنی تمام تر رُسوائیوں اور بُرائیوں کے ہر قوم اور ہر مُلک میں جڑ پکڑے

ہوئے ہے اور ذوق کے اِس شعر کی مصداق ہے ۔

اے ذوق دیکھ دختر رز کو نہ منہ لگائیو
چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

دیگر زبانوں کے شعراء کی طرح عرب شعراء نے بھی شراب کے متعلق خوب طبع آزمائی کی ہے اور اس کی تعریف میں اس کے گن گائے ہیں۔ چنانچہ خلیفہ مہدی نے جب اپنے درباری شاعر ابو دلامہ کو شراب پی کر بد مستی کرنے پر قید کیا۔ تو ہوش میں آنے پر اُس نے خلیفہ سے یوں معذرت کی ۔

اَمِنْ صَهْبَاءِ صَافِيَةِ المِزَاجِ
كَاَنَّ شُعاعَهَا لَهَبُ السَّراجِ
تَهُشُّ لَهَا النُّفُوْسُ وَ تَشْتَهِيْهَا
اِذَا بَرَزَتْ تُرَقْرِقُ فِي الزُّجاجِ

یعنی —— کیا اس شراب کے باعث جس میں صاف و شفاف پانی ملا ہوا ہے اور جو چراغ کی لَو کی طرح چمکتی دمکتی ہے اور جو جونہی بلوری جاموں میں چھلکتی دمکتی سامنے آتی ہے تو انسانی نفوس میں اُس کے باعث مسرت و فرحت کی لہر دوڑ جاتی ہے اور اسے پینے کو خود بخود جی چاہتا ہے۔

اور شراب کے رسیا اور دلدادہ ابو نواس شاعر کا یہ شعر تو زبان زد خلائق ہے ۔

اَلَا فَاسْقِنِي خَمْراً وَ قُلْ لِي هِيَ الْخَمْرُ
وَ لَا تُسْقِنِي سِرًّا اِذَا اَمْكَنَ الْجَهَرُ

یعنی —— مجھے شراب پلاؤ اور کہو کہ یہ شراب ہے اور اگر اعلانیہ پینے کا امکان ہو تو پھر پوشیدگی میں مت پلاؤ۔

اور عمرو بن کلثوم جو شاعر ہونے کے باوجود شجاعت میں بھی ضرب المثل تھا۔ اپنے مشہور معلقہ کی ابتداء ہی شراب کے ذکر سے کرتا ہے اور کہتا ہے ۔

اَلَا هُبِّي بِصَحْنِكَ فَاصْبِحِيْنَا
وَ لَا تُبْقِي خُمُورَ الْاَنْدَرِيْنَا
مُشَعْشَعَةً كَاَنَّ الْحُصَّ فِيْهَا
اِذَا مَا الْمَاءُ خَالَطَهَا سَخِيْنَا

یعنی —— اے میری محبوبہ اُٹھ کر مجھے شراب صبوحی پلاؤ اور اندریں جگہ کی

بنی ہوئی شراب میں سے کچھ باقی نہ رکھو۔ وہ شراب ایسی ہے کہ جب اُس
میں صاف و شفاف پانی ملایا جاتا ہے تو وُہ زعفرانی رنگت اختیار کر لیتی ہے اور
اُسے پی کر ہم مائل بہ سخاوت ہوتے ہیں۔

قرآن کریم نے بھی جنت میں جنتیوں کو شراب دیئے جانے کا ذکر کیا ہے لیکن وہ شراب اُن تمام خرابیوں اور عیوب سے مبرا ہے جو دُنیوی شراب میں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے لَا یُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَ لَا یُنْزِفُوْنَ یعنی اسے پی کر جنتی نہ تو بدمستی کا شکار ہوں گے اور نہ ہی بیہودہ بکواس کریں گے۔

مجبورِ فطرت

نیش زنی بچھو کی فطرت ہے اور وہ اس سے کسی صورت میں بھی باز نہیں رہ سکتا۔ اس لئے انسانوں میں کینہ توز انسانوں کو بھی بچھو سے تشبیہہ دی جاتی ہے۔ بچھو کی نیش زنی کو ایک عرب شاعر نے یوں قلمبند کیا ہے ؎

رَاَیْتُ عَلَی صَخْرَۃٍ عَقْرَبًا
وَ قَد جَعَلَتْ ضَرْبَهَا دَیْدَنًا
فَقُلْتُ لَهَا اِنَّهَا صَخْرَۃٌ
وَ طَبْعُكَ مِن طَبْعِهَا اُلْیَنَا
فَقَالَ صَدَقْتَ وَ لٰكِنَّنِی
اُرِیْدُ اُعَرِّفُهَا مَنْ اَنَا

یعنی میں نے ایک بچھو کو چٹان کی پشت پر دیکھا کہ وہ اُسے ڈنک پر ڈنک مارتا چلا جا رہا ہے۔ مَیں نے اُسے کہا۔ کہ یہ تو ایک چٹان ہے اور تیری طبع اُس کی نسبت سے بہت نرم ہے۔ اس پر بچھو نے کہا ــــــ "تم ٹھیک کہتے ہو لیکن میں تو اِسے صرف اس لئے ڈنک مار رہا ہوں تاکہ میں اُسے بتلاؤں کہ مَیں کون ہُوں"۔

خلیفہ اور ایک بدوی

ادبی روایات میں آتا ہے کہ سلیمان بن عبدالملک ایک دن شکار کو نکلا تو سامنے اُسے ایک یک چشم آدمی نظر آیا۔ خلیفہ کو بدشگونی لینے کا مرض تھا۔ اس لئے اُس نے اُسے منحوس سمجھتے

ہوئے قید کرنے کا حکم دیا اور کہا کہ ـــــ "اگر تو آج شکار خوب ملا تو واپس آکر اسے چھوڑ دیں گے اور اگر شکار خوب نہ ملا تو اس کی نحوست کے باعث اسے قتل کر دیں گے۔"

اب اتفاق ایسا ہُوا کہ اُس دن سلیمان کو معمول سے بھی زیادہ شکار ملا۔ اس نے واپسی پر اُس آدمی کو اپنے سامنے بُلایا اور کہا

"يَا شَيْخ مَارَاَيْتُ اَسَرَّ وَ اَبَرَّ مِنْ طَلْعَتِكَ" یعنی اے بوڑھے آدمی میں نے تیرے چہرے سے زیادہ خوشکن اور مبارک چہرہ کبھی نہیں دیکھا۔

اس پر اُس یک چشم آدمی نے کہا صَدَقْتَ وَ لٰكِنَّنِی اَنَا مَارَاَيْتُ اَشَامَ مِنْ طَلْعَتِكَ عَلَّی یعنی آپ نے میرے متعلق بالکل بجا فرمایا ہے لیکن میں نے اپنے لئے آپ کے چہرے سے زیادہ منحوس آج تک نہیں دیکھا۔ کیونکہ میں نے محض آپ کی وجہ سے آج سارا دن بغیر کسی جرم کے قید میں کاٹا ہے۔

اس پر خلیفہ ہنس پڑا اور اُسے انعام دے کر رخصت کر دیا۔

نگینوں والی کتاب

ادبی روایات میں آتا ہے کہ ابوالعلا صاعد نامی ایک ادیب و شاعر نے ایک کتاب بنام "کتاب الفصوص" یعنی نگینوں والی کتاب تالیف کی اور تالیف کے بعد اُسے ایک خادم کے سر پر لاد کر اُسے اپنے سر پر اُٹھائے دریا عبور کر رہا تھا کہ اُس کا قدم پھسل گیا اور وہ بھاری بھرکم کتاب اُس کے سر سے دریا میں گر کر اُس کی تہہ میں غائب ہو گئی اور باوجود تلاش کے مل نہ سکی۔ بہرحال مؤلف کبیدہ خاطر خلیفہ کے دربار میں پہنچا اور اپنی رام کہانی کہہ سنائی۔ اس پر وہاں بیٹھے کسی شاعر نے برجستہ یہ شعر کہا ؎

قَدْ خَاضَ فِی الْبَحْرِ كِتَابُ الْفُصُوصْ
وَ هٰكَذَا كُلُّ ثَقِيْلٍ يَغُوصْ

یعنی کتاب الفصوص نے دریا میں غوطہ لگا دیا ہے اور ہر بھاری بھرکم چیز اسی طرح ڈوبا کرتی ہے۔

اس پر خلیفہ منصور اور اس کے سب درباری ہنس پڑے لیکن مؤلف اس طنز پر قطعاً پریشان نہ ہوا۔ بلکہ فوراً جواب میں یہ شعر پڑھا ؎

عَادَ اِلٰى مَعْدَنِهٖ اِنَّمَا
تُوْجَدُ فِی قَعْرِ البِحَارِ الفُصُوصْ

یعنی ـــــ وہ کتاب اپنی کان کی طرف لوٹ گئی ہے۔ کیونکہ نگینے یعنی موتی
صرف سمندر کی تہہ میں ہی ملتے ہیں۔

موت و حیات

عدم سے وجود میں آنا حیات کہلاتا ہے اور وجود سے پھر عدم میں چلے جانا موت کے نام سے موسوم ہے اور معلوم یوں ہوتا ہے کہ جیسے زندگی دو غیبوتبوں کے درمیان حرکت اور روشنی کا ایک خلاء ہے۔ جو زمان و مکان کی قید میں مقید ہے۔ اس حقیقت ثابتہ کو دنیا میں مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے دیکھا گیا ہے اور ہر ایک کی تعبیر میں علیحدہ علیحدہ رنگینئی خیال فروکش و جلوہ افروز ہے۔

موت و حیات کے بارہ میں قرآنی فلسفہ یہ ہے کہ "هُوَ الَّذِی خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃِ لِیَبْلُوَکُم اَیُّکُم اَحْسَنُ عَمَلاً ـــــ یعنی اللہ تعالیٰ انسان کو عدم سے وجود میں صرف اس لئے لایا ہے تاکہ وہ اپنی مادی، اخلاقی اور روحانی صلاحیتوں کا اظہار کر سکے اور جس کی صلاحیتیں مفید پائی جائیں اس کو "اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمکُثُ فِی الاَرْضِ کے مطابق ایک مدت مقررہ تک کے لئے بقاء اور جس کی صلاحیتیں مفید نہ ہوں اُسے مناسب وقت پر فنا سے دوچار کر دیا جائے۔ کیونکہ دوام اور خلود سوائے ذات باری کے کسی کو نہیں۔ اس لئے انسان خواہ کچھ کرے۔ اُسے موت سے کوئی چھٹکارا نہیں چنانچہ آیت قرآنی "اَیْنَمَا تَکُونُوا یُدْرِکْکُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُم فِی بُرُوجٍ مُشَیَّدہ" ـــــ اسی حقیقت کی غماز ہے۔

مولانا رُوم نے اپنی شہرہ آفاق مثنوی میں موت و حیات کا ایک عجیب نظارہ پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے ؎

از عدم تا سوئے ہستی ہر زماں
ہست یارب کارواں در کارواں

یعنی ـــــ عدم سے مختلف قسم کے مظاہر حیات قافلہ در قافلہ اس جہاں میں
داخل ہو رہے ہیں۔

مولانا کے اس بیان سے دوسری صورت خود بخود سامنے آجاتی ہے کہ عین اُسی وقت کچھ اور ارواح قافلہ در قافلہ ہی اِس جہانِ فانی سے سوئے عدم رواں دواں ہیں۔

مختلف قوموں اور زبانوں کے شعراء نے بھی موت و حیات کے متعلق عجیب و غریب خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اُردو زبان کے مشہور شاعر غالب نے زندگی کے ساتھ غم کو لازم و ملزوم ٹھہراتے ہوئے ایک نرالے انداز میں اس پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا ہے ؎

قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے حکیمانہ اشعار میں موت کو حقیقت ثابتہ اور اٹل سمجھتے ہوئے یوں اظہارِ خیال فرمایا ہے ؎

مَنْ لَمْ یَمُتْ بِالسَّیْفِ مَاتَ بِدُوْنِہٖ
تَعَدَّدَتِ الْاَسْبَابُ وَالْمَوْتُ وَاحِدٌ

یعنی ـــــ جو تلوار کی ضرب سے نہ مَرے وہ کسی اور طریق سے مرجائے گا اور اگرچہ موت اپنی ذات میں ایک ہی ہے۔ تاہم اس کے اسباب و علل مختلف النوع ہیں۔

علاوہ ازیں فرد کی موت قومی حیات کا ایک بہت بڑا اور کامیاب ترین ذریعہ سمجھا گیا ہے۔ اس لئے زندہ قوموں کے افراد موت سے قطعاً نہیں ڈرتے۔ چنانچہ قرآن کریم بھی اسی کی تائید میں فرماتا ہے ـــــ "وَ لَا تَقُوْلُوا لِمَن یُقْتَلُ فِی سَبِیلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ وَ لٰکِنْ لَا تَشْعُرُوْن" ـــــ اور مولانا عبدالمجید سالک نے قرآن مجید کی بیان کردہ اس حقیقت کو اُردو الفاظ کا جامہ یوں پہنایا ہے ع

شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک دفعہ کسی نے کہا "مَا لَنَا نَکْرَہُ الْمَوْتَ فَقَالَ لِاَنَّکُم اَخْرَبْتُم اٰخِرَتَکُمْ وَ عَمَرْتُمْ دُنْیَاکُمْ فَکَرِھْتُم اَنْ تَنْتَقِلُوا مِنَ الْعُمْرَانِ اِلَی الْخَرَاب" ـــــ یعنی ہم موت کو کیوں ناپسند کرتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم موت کو اس لئے ناپسند کرتے ہو کہ تم نے اپنی دنیا کو آباد کر کے اپنی آخرت کو برباد کرلیا ہے اس لئے تم نہیں چاہتے کہ آبادی سے بربادی کی طرف جاؤ۔

بہرحال اس حقیقت سے کوئی مفر نہیں کہ موت ایک ایسا دروازہ ہے جس میں سے ہر کسی کو طوعاً و کرہاً گزرنا پڑتا ہے۔ کسی فارسی شاعر نے کہا ہے ؎

بدنیا گر کسے پائندہ بودے
ابوالقاسم محمدؐ زندہ بودے

اور اردو کے کسی مشہور شاعر نے اس بارہ میں یوں نکتہ آفرینی کی ہے ؎

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے

فرق صرف یہ ہے کہ نیک لوگ موت سے نہ صرف یہ کہ ڈرتے نہیں بلکہ وہ اُسے اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو کر اُس کے قُرب کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں۔ جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت فرمایا "اَللّٰھُمَّ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی" ــــ یعنی الٰہی اب تو اپنے حضور ہی لے چلو۔

پس موت و حیات قدرت کے دو مظاہر ہیں۔ ہر انسان کی پیدائش لوگوں کے لئے خوشی کا باعث ہوتی ہے۔ جبکہ وہ خود بوقت ولادت رو رہا ہوتا ہے۔ اس لئے کس قدر خوش نصیب ہے وہ شخص جو بوقت موت خود تو ہنس رہا ہو اور لوگ اُس کی جدائی پر آنسو بہا رہے ہوں۔ جیسے کہ کسی عرب شاعر نے کہا ہے ۔

یَا ذَالَّذِی وَ لَدَتْکَ اُمُّکَ بَاکِیًا
وَالنَّاسُ حَوْلَکَ یَضْحَکُوْنَ سُرُوْرًا
فَاحْرِصْ عَلَی عَمَلٍ تَکُوْنُ بِہٖ مَتٰی
یَبْکُوْنَ حَوْلَکَ ضَاحِکًا مَسْرُوْرًا

یعنی ــــ اے وہ شخص جسے تیری ماں نے ایسے حال میں جنم دیا تھا کہ تو رو رہا تھا اور لوگ تیرے اردگرد کھڑے ہنس رہے تھے۔ پس اب تو کسی ایسے عمل کی کوشش کر کہ جب بوقت وفات لوگ تیرے اردگرد رو رہے ہوں تو تُو خود ہنس رہا ہو۔

مکھی، مچھر اور کھٹمل

ایک عرب شاعر کسی کے ہاں بطور مہمان وارد ہوا لیکن وہ گھر ایسا غلیظ اور گندہ تھا کہ دن کو وہاں اُسے مکھیوں نے تنگ کیا تو رات کو اُسے مچھروں اور کھٹملوں نے پل بھر سونے نہ دیا۔ جس پر اُس نے علی الصبح یہ شعر اپنے میزبان کی خدمت میں پیش کیا ۔

غَنَّی الذُّبَابُ و ظَلَّ یَزْمُرُ حَوْلَہٗ
فِیْہِ الْبَعُوْضُ وَ یَرْقُصُ الْبَرْغُوْثُ

یعنی ــــ مکھیاں گاتی تھیں اور اُن کے اردگرد مچھر بنسی بجاتا رہا اور کھٹمل رقص کرتا رہا۔

ایک اور عرب شاعر اپنے اس قسم کے المئے کو یوں بیان کرتا ہے ۔

لَیْلُ الْبَرَاغِیْثِ وَالْبَعُوْضِ
لَیْلٌ طَوِیْلٌ بِلَا غُمُوْض

فَذَاكَ يَغْدُو بِغَيْرِ رَقْصٍ
وَ ذَا يُغَنِّي بِلاَ عُرُوضٍ

یعنی ـــــ کھٹملوں اور مچھروں والی رات ایک ایسی رات ہے کہ جس میں آنکھ جھپکنی نصیب نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ کھٹمل ایک جگہ کھڑے ہو کر رقص کرنے کی بجائے دوڑتا پھرتا اور وہ (مچھر) ایسے اشعار گاتا ہے جن میں عروض و قافیہ کا کوئی لحاظ نہیں ہوتا ہے۔

امیر و غریب

اس کارخانہ عالم کو چلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے امارت و غربت کو اس لئے بانٹا ہے تاکہ امیر و غریب ہر دو ایک دوسرے کے محتاج رہیں۔ یعنی امیر غریب کی محنت کا محتاج رہے اور غریب امیر کے پیسوں کا اور اس طرح ہر دو مل کر دنیا کے کاروبار چلائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے حضور نہ امیر صرف اپنی امارت کے باعث مقبول ہے اور نہ غریب صرف اپنی غربت کے باعث مردود۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَعِيْشَتَهُم فِي الْحَيٰوةِ الدُّنيَا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُم فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُوْنَ (زخرف آیت ۳۲)

یعنی ـــــ ہم نے ان کے درمیان دنیوی زندگی سے تعلق رکھنے والے اُن کی معیشت کے سامان تقسیم کئے ہیں اور اُن میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ تاکہ اُن میں سے ایک دوسرے سے کام لیتا رہے اور تیرے رب کی رحمت اُس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔

پس امارت و غربت کا یہ الٰہی فلسفہ ہے جو قرآن مجید نے بیان کیا ہے لیکن بدقسمتی سے دنیاداروں کی نگاہ میں امارت باعث عزت ہے اور غربت باعث نفرت و تحقیر۔

اس دنیاداری نقطۂ نظر کو ایک عرب شاعر نے اپنے اشعار میں یوں قلمبند کیا ہے ۔

مَنْ كَانَ يَمْلِكُ دِرْهَمَيْنِ تَعَلَّمَتْ
شَفَتَاهُ اَنْوَاعَ الْكَلاَمِ فَقَالاَ
لَوْ لاَ دَرَاهِمُهُ الَّتِي يَزْهُو بِهَا
لَوَجَدْتَهُ فِي النَّاسِ اَسْوَءُ حَالاَ

اِنَّ الْغَنِیَّ اِذَا تَکَلَّمَ بِالْخَطَا
قَالُوا صَدَقْتَ وَ مَا نَطَقْتَ مُحَالاَ
اَمَّا الفَقِیْرُ اِذَا تَکَلَّمَ صَادِقًا
قَالُوْا کَذَبْتَ فَاَبْطَلُوا مَا قَالاَ
اِنَّ الدَّرَاهِمَ فِی الْمَوَاطِنِ کُلِّهَا
تَکْسُوا الرِّجَالَ مَهَابَةً وَ جَلاَلاَ
فَهِیَ اللِّسَانُ لِمَنْ اَرَادَ فَصَاحَةً
وَ هِیَ السِّلاَحُ لِمَنْ اَرَادَ قِتَالاَ

یعنی ـــــ جو دو پیسوں کا مالک ہے وہ ٹکے ٹکے کی باتیں کرتا ہے۔ اگر اس کے پاس وہ پیسے نہ ہوتے جن پر وہ اِتراتا ہے تو لوگوں میں اس کی حالت بدترین ہوتی۔ اس پر وہ اگر کوئی غلط بات بھی کہے تو لوگ کہنے لگ جاتے ہیں کہ آپ نے بجا فرمایا ہے اور ہرگز کوئی انہونی بات نہیں کہی ہے۔

لیکن اس کے برعکس اگر غریب کوئی سچی بات بھی کہے تو لوگ فوراً کہہ اٹھتے ہیں کہ تو نے جھوٹ بولا ہے اور اس کی بات کو لغو قرار دیتے ہیں۔ مال دنیا میں مالدار کو ہر جگہ ہیبت اور رعب و جلال عطا کرتا ہے۔ مال فصاحت کے خواہشمند کو زبان عطا کرتا ہے اور جو لڑنا چاہتا ہے تو مال اس کے لئے ہتھیار و اسلحہ بن جاتا ہے۔

ایک عمدہ تشبیہہ

ظالم و جابر حکمرانوں کی چیرہ دستیاں مشہور ہیں۔ اسی طرح کا ایک حکمران ایک عرب شاعر ابوالمعمار کے زمانہ میں تھا جو بڑا سخت گیر تھا۔ جس پر اس نے اس کے متعلق درج ذیل شعر موزوں کیا۔ جو زبان زدخلائق ہو گیا۔

قَدبُلِیْنَا بِاَمِیْرٍ ظَلَمَ النَّاسَ وَ سَبَّحَ
فُهو کَا الْجَزَّارِ فِیْنَا یَذْکُرُاللّٰهَ وَ یَذْبَحْ

یعنی ـــــ ہمارا پالا ایک ایسے امیر سے پڑا ہے جو لوگوں پر ظلم کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کی تسبیح بھی کرتا ہے۔ پس وہ ایک قصاب کے مشابہ ہے جو چھری پھیرتے وقت تکبیر پڑھتا ہے۔

مروان اور حجاج

خلیفہ عبدالملک کے زمانہ میں حجاج عراق کا گورنر تھا۔ روایات میں آتا ہے کہ خلیفہ عبدالملک نے حکم دیا کہ مسجد بیت المقدس کے لئے ایک دروازہ بنایا جائے جس پر اُس کا نام کندہ ہو۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ یہ دیکھ کر حجاج کو بھی شوق پیدا ہوا تو اُس نے بھی خلیفہ سے درخواست کی کہ اُسے بھی اپنے نام کا ایک دروازہ مسجد بیت المقدس میں لگانے کی اجازت دی جائے۔ خلیفہ نے اس کی اجازت دے دی تو اس کے نام کا ایک دروازہ بھی وہاں لگ گیا۔ اب کارِ قضاء ایک دن آسمان سے ایک بجلی گری جس سے خلیفہ عبدالملک والا دروازہ جل گیا لیکن حجاج والا بچ گیا۔ اس سے طبعاً خلیفہ کو بہت رنج ہوا۔ حجاج کو جب اس بات کا علم ہوا تو اُس نے خلیفہ کو ایک خط لکھا جس میں اُس نے کہا کہ میری اور آپ کی مثال آدم کے دو بیٹوں کی طرح ہے جن کے متعلق قرآن مجید میں ہے کہ "اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِھِمَا وَ لَمْ یُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَر" یعنی —— اُن دونوں نے قربانی پیش کی۔ ایک کی تو قبول ہو گئی لیکن دوسرے کی قبول نہ ہوئی۔

کہتے ہیں کہ خلیفہ عبدالملک کو یہ نکتہ بہت پسند آیا اور وہ اس سے بہت محظوظ ہوا۔

صبر و رضا

صبر و رضا خصائل محمودہ میں سے ہیں اور خدا تعالیٰ نے ان صفات کے حامل مومنوں کو ان پر اپنی پسندیدگی کا سرٹیفکیٹ بدیں الفاظ عطا فرمایا ہے "اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْن" اور "لَئِنْ صَبَرْتُمْ فَھُوَ خَیْرٌ لِلصَّابِرِیْن" —— عربی زبان میں صبر بہت وسیع منعوں میں استعمال ہوتا ہے اور مختلف شعراء اور حکماء نے اس کے متعلق مختلف رنگوں میں طبع آزمائی کی ہے۔ چنانچہ ایک عرب شاعر کہتا ہے ؎

بَنَی اللّٰہُ لِلْاَخْیَارِ بَیْتًا سَمَاوُہٗ
ھُمُوْمٌ وَ اَحْزَانٌ وَ حِیْطَانُہُ الضُّرُّ
وَاَدْخَلَھُم فِیْہِ وَ اَغْلَقَ بَابَہٗ
وَ قَالَ لَھُم مِفْتَاحُ بَابِکُمُ الصَّبْرُ

یعنی —— اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایک گھر بنایا۔ جس کی چھت غم و فکر سے اور دیواریں ضرر سے بنی ہوئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس میں داخل کر کے ان پر دروازہ بند کر دیا اور اُنہیں کہا کہ تمہارے

دروازہ کی چابی صبر ہے۔

حضرت علیؓ اپنے ایک فصیح و بلیغ خطبہ میں فرماتے ہیں:

اِعْلَمُوا اَنَّ الصَّبْرَ مِنَ الْاُمُورِ بِمَنْزِلَةِ الرَّاسِ مِنَ الْجَسَدِ اِذَا فَارَقَ الرَّاسُ الْجَسَدَ فَسَدَ الْجَسَدُ وَ اِذَا فَارَقَ الصَّبْرُ الاُمُوْرَ فَسَدَتِ الْاُمُور"

یعنی ـــــ سمجھ لو کہ صبر کا مقام معاملات میں بمنزلہ سر ہے۔ اگر سر تن سے جدا ہو جائے تو جسم بیکار ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر حالات و معاملات میں صبر سے کام نہ لیا جائے تو حالات و معاملات بگڑ جاتے ہیں۔

اور اپنے حکیمانہ اشعار میں حضرت علیؓ ہی فرماتے ہیں ؎

اِصْبِرْ قَلِيْلاً فَبَعْدَ الْعُسْرِ تَيْسِيْرٌ
وَ كُلُّ اَمْرٍ لَهُ وَقْتٌ وَ تَدْبِيْرٌ
وَ لِلْمُهَيْمِنِ فِی حَالاَتِنَا نَظَرٌ
وَ فَوْقَ تَدْبِيْرِنَا لِلّٰهِ تَدْبِيْرٌ

یعنی ـــــ ذرا صبر کرو کیونکہ ہر تنگی کے بعد آسانی آتی ہے۔ اور ہر امر کے لئے کوئی وقت اور تدبیر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ ہمارے حالات پر ہے اور ہماری تدبیر پر اللہ تعالیٰ کی تدبیر فائق ہے۔

ایک اور عرب شاعر نے اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا ہے ؎

وَاِذَا بُلِيْتَ بِعُسْرَةٍ فَالْبَسْ لَهَا
صَبرَالْكَرِيْمِ فَاِنَّ ذَالِكَ اَحْزَمُ
لَا تَشْكُوَنَّ اِلَى الْعِبَادِ فَاِنَّمَا
تَشْكُوْ الرَّحِيْمَ اِلَى الَّذِیْ لَا يَرْحَمُ

یعنی ـــــ اگر تیرا پالا کسی مصیبت سے پڑ جائے تو تُو اُس کے لئے ایک شریف انسان کے صبر کا جامہ پہن لے۔ کیونکہ عقل مندی یہی ہے اور اپنی شکایت بندوں کے پاس ہرگز نہ لے جا۔ کیونکہ اُس صورت میں تُو رحیم خدا کی شکایت اُس کے پاس کر رہا ہو گا جو یا تو رحم کرتا نہیں یا کر نہیں سکتا۔

سب سے بڑا شاعر

ابو یونس نحوی سے ایک دفعہ کسی نے پوچھا "مَنْ اَشْعَرُ النَّاسِ" یعنی لوگوں میں سب سے بڑا شاعر کون ہے ــــ تو اُس نے جواب دیا ــــ "اِمْرَؤُ الْقَیْسِ اِذَا غَضِبَ وَالنَّابِغَۃُ اِذَا رَھِبَ وَ زُھَیْرٌ اِذَا رَغِبَ وَالْاَعْشٰی اِذَا طَرِبَ" ــــ یعنی امرؤ القیس سب سے بڑا شاعر ہے۔ جب وہ غضبناک ہو اور نابغہ ذبیانی سب سے بڑا شاعر ہے۔ جب وہ خوفزدہ ہو۔ اور زہیر سب سے بڑا شاعر ہے جب اُس کی طبیعت میں کسی چیز کی طرف خاص میلان ہو اور اعشیٰ میمون سب سے بڑا شاعر ہے۔ جب وہ حالت طرب میں ہو۔

اس پر بعض لوگوں نے اضافہ کرتے ہوئے کہا "وَ عَنْتَرَۃُ اِذَا رَکِبَ" ــــ یعنی عنترہ عبسی سب سے بڑا شاعر ہے۔ جب وہ گھوڑے کی پشت پر ہو۔

نظم و نثر کا دلچسپ موازنہ

علامہ ابو حیان التوحیدی چوتھی صدی ہجری کے اُن بلند پایہ ادیبوں اور قلم کاروں میں سے ایک ہیں جن کو علم و ادب سے وافر حصّہ ملا۔ لیکن بد قسمتی سے اُن کی نہ صورت اچھی تھی اور نہ ہی وہ سیم و زر سے بہرہ ور تھے۔ بلکہ وہ اُن لوگوں میں سے تھے جن کے متعلق "گدڑی میں لعل" کا محاورہ بجا طور پر استعمال ہو سکتا ہے اور جو یہ کہنے میں بالکل حق بجانب ہیں کہ

وَالرِّزْقُ یَتْرُکُ بَابَ عَاقِلِ قَوْمِہٖ
وَ یَبِیْتُ بَوَّابًا بِبَابِ الْاَحْمَقِ

یعنی ــــ رزق قوم کے عقل مند کا دروازہ چھوڑ دیتا ہے اور احمق کے در کی دربانی قبول کر لیتا ہے۔

اور پھر انہی علامہ صاحب نے اپنی زندگی میں اس شعر کو بھی عملاً پورا ہوتے دیکھا کہ ؎

حَیَّاکَ مِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرْجُوا تَحِیَّتَہٗ
لَوْ لَا الدَّرَاھِمُ مَا حَیَّاکَ اِنْسَانٌ

یعنی ــــ تجھے وہ شخص سلام کرتا ہے جس کے سلام کی تجھے توقع بھی نہ تھی اور اگر تیرے پاس مال نہ ہوتا تو تجھے کبھی کوئی شخص سلام نہ کرتا۔

یہ علامہ صاحب عباسی خلیفہ صمصام الدولہ کے عہد میں تھے۔ بوجہ اپنی مفلسی و قلاشی کے ملازمت کے لئے دربدر مارے مارے پھرتے رہے۔ بالآخر اُن کے ایک دوست ابو الوفاء کو اُن کی

حالتِ زار پر ترس آیا اور اُس نے انہیں صمصام الدولہ کے وزیر ابو عبداللہ العارض کے پاس بطور ندیم و مصاحب ملازم کروایا۔ ان کا کام یہ تھا کہ یہ رات کو اس وزیر کے ساتھ علم و ادب کے موضوع پر مختلف قسم کی گفتگو کرتے اور اپنے اس انجینئر دوست کی درخواست پر ہر روز صبح کو اس گفتگو کو حیطہ تحریر میں لاتے۔ چالیس راتوں کی یہ علمی و ادبی گفتگو اس طرح ایک کتاب کی شکل میں مدون ہو گئی۔ جس کا نام انہوں نے "اَلْاِجتمَاعُ وَالْمُوانَسَۃُ" تجویز کیا۔ اس کتاب کی تیسری جلد میں علامہ ابو حیان نے نظم و نثر کا ایک نہایت ہی دلچسپ موازنہ کیا ہے جسے اختصار کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

فضیلت نثر

ترجمہ: "نثر کلام کی اصل ہے اور نظم اس کی شاخ اور اصل شاخ سے افضل ہوتی ہے۔ سب لوگ نثر میں ہی کلام کرتے ہیں اور گفتگو کرنا اسی سے شروع ہوتا ہے اور نظم بعد ازاں کسی خاص باعث یا وجہ سے ہوتی ہے۔

نثر کی فضیلت سے اس سے بھی عیاں ہے کہ سب دینی کتب جو انبیاء کو بذریعہ الہام و وحی عطا ہوئیں۔ وہ اپنی زبانوں کے اختلاف کے باوجود سب کی سب نثر ہی میں ہیں۔ پھر بچہ بھی نثر ہی میں کلام شروع کرتا ہے اور اپنی توتلی زبان میں نثر ہی کو استعمال کرتا ہے۔ نظم کو یہ خصوصیت حاصل نہیں ہے کیونکہ وہ ایک بناوٹی چیز ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ نظم تو عروض و قوافی اور وزن وغیرہ کی قید میں مقید ہے لیکن نثر آزاد ہے۔ پھر نثر کی فضیلت اس بات سے بھی ثابت ہے کہ یہ تکلف، تقدیم و تاخیر اور حذف و تکرار سے پاک ہوتی ہے لیکن نظم ایسے نہیں ہے۔ پھر نظم کا تعلق اگر حس سے ہے تو نثر کا تعلق عقل سے ہے اور نثر کی فضیلت اس بات سے بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ دھر میں غلمان کے متعلق فرمایا "اِذَارَاَیْتَھُم حَسِبْتَھُمْ لُوْلُواً مَنْثُوْراً" اور منظوماً نہیں کہا (یعنی جب تو ان غلمان کو دیکھے گا تو وہ تجھے بکھرے ہوئے موتی نظر آئیں گے اور یہ نہیں کہا کہ وہ تجھے منظوم یعنی پروئے ہوئے موتی لگیں گے) اور ابن کعب انصاری کہتے ہیں کہ نثر کی فضیلت اِس بات سے بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر حکم کرنے کے لئے اور روکنے کے لئے۔ پوچھنے کے لئے اور بتانے کے لئے۔ ہدایت کے لئے اور وعظ و نصیحت کے لئے رضامندی کی حالت میں اور ناراضگی میں صرف نثر ہی کو استعمال کیا ہے اور نظم کو اس لئے اختیار نہ کیا کہ اس کا مرتبہ نثر سے کم تھا۔"

نظم کی فضیلت

ترجمہ: "نظم کی فضیلت یہ ہے کہ یہ ہمارے لئے ایک مستقل فن بن چکا ہے اور گانا صرف اعلیٰ قسم کے اشعار کا ہی ہوتا ہے اور گانے کی فضیلت سب کو مسلم ہے۔ اس کا اثر عجیب ہوتا ہے اور اس کی قدر و قیمت بہت بلند ہے یہ عموماً کہا جاتا ہے کہ

"ــــ فلاں مضمون میں اگر کوئی شعر بھی ہوتا تو وہ کس قدر اچھا لگتا ہے
لیکن یہ کسی نے بھی نہیں کہا کہ یہ شعر کتنا اچھا لگتا ہے۔ اگر اس میں کچھ نثر بھی ہوتی۔"

اور نظم کی فضیلت اس امر سے بھی ثابت ہے کہ اشعار کو بطور حجت و برہان پیش کیا جاتا ہے۔ یعنی علماء و فقہاء اور علم نحو اور لغت کے ماہرین اپنی رائے کی صحت کے ثبوت کے لئے مختلف قسم کے اشعار کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ پس شعر کا حجت ہونا اور شاعر کا صاحب حجت ہونا مسلم ہے اور اگر تم ان انعامات اور تحائف کو دیکھو جو شعراء کو ملوک و خلفاء اور امراء و حکام کی طرف سے ان کے تاریخی مقامات اور اعلیٰ درجہ کی مجالس و محافل میں بوجہ اشعار و قصائد پہنچے تو اُن کا شمار نہیں ہو سکتا ہے"۔

اس امر سے بھی

راقم الحروف کے نزدیک شعر و شعراء کی فضیلت اس امر سے بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت انصاریؓ کو خود مسجد نبویؐ میں منبر پر بٹھا کر کہا "اُهْجُ عَنِّي وَ جِبْرِيْلُ مَعَكَ" یعنی اے حسان! میری طرف سے قریش کی ہجو کا جواب دو اور جبریل تمہارے ساتھ ہو۔"

ہارون الرشید اور اس کی بہن

مشہور عباسی خلیفہ ہارون الرشید کی ایک بہن اپنے ایک طل نامی غلام پر عاشق ہو گئی۔ آہستہ آہستہ خلیفہ کو بھی اس معاشقہ کا علم ہو گیا تو اس نے اپنی ہمشیرہ کو نہ صرف اس غلام سے ملنے سے منع کر دیا بلکہ یہاں تک حکم دیا کہ تم نے اس کا نام تک زبان پر نہیں لانا۔ اس کے بعد اس خاتون کا جو حال ہوا اس کا اندازہ قارئین اس شعر سے بآسانی کر سکتے ہیں جو اس نے اپنے اس محبوب کی مدح میں کہا۔

مَولاۃ سُوْءٍ تَستَھِیْنُ بِعَبۡدِھَا

نِعۡمَ الغُلَامِ وَ بِئسَتِ الرَّبَّاہُ

یعنی مالکہ (مراد وہ خود) کتنی بری ہے کہ اپنے غلام سے عشق کر کے اپنی توہین کرتی ہے اور اس کے بالمقابل غلام کا مرتبہ کتنا بلند و بالا ہے کہ وہ حرہ یعنی آزاد عورت کا محبوب ہے۔

بہرحال جب خلیفہ نے اُسے منع کر دیا کہ تم نے اس غلام کا نام تک بھی زبان پر نہیں لانا ہے تو وہ صبر کے تلخ گھونٹ پی کر رہ گئی۔ لیکن ایک دن جب وہ صبح سویرے قرآن مجید کی تلاوت کر رہی تھی اور وہ سورۃ بقرہ کی اس آیت پر پہنچی "وَ اِنۡ لَمۡ یُصۡبِھَا وَابِل" ـــــ جہاں آگے لکھا تھا "فَطَلٌّ" تو وہ شش و پنج میں پڑ گئی کہ اب وہ کیا کرے۔ کیونکہ یہ نام تو خلیفہ نے اس کے لئے ممنوع قرار دیا ہوا تھا۔ بالآخر اُس نے سوچ سوچ کر اس آیت کو اس طرح پڑھا وَ اِنۡ لَمۡ یُصِبۡھَا وَ ابلٌ فَمَا مَنَعَ عَنۡہُ اَمِیۡرُ الۡمُومِنِیۡنَ

آیت کے معنے تو یہ تھے کہ اگر اس ٹیلہ پر موسلادھار بارش نہ بھی پڑے تو اس کے لئے ہلکی بارش ہی کافی ہے ـــــ اور جو اُس نے پڑھا اُس کے معنے یہ بنتے تھے کہ اگر اس ٹیلہ پر موسلادھار بارش نہ بھی برسے تو وہ جس سے امیرالمومنین نے منع کر رکھا ہے۔

حاضر جوابی اور حاضر دماغی

حاضر جوابی اور حاضر دماغی دو ایسے وصف ہیں جو انسان کو محبوب بنا دیتے ہیں اور اُسے مجالس میں مقبولیت بخشتے ہیں۔ روایات میں آتا ہے کہ ایک دفعہ ایک فقیر بازار میں یہ صدا لگا رہا تھا کہ اَیۡنَ الَّذِیۡنَ یُوۡثِرُوۡنَ عَلٰۤی اَنۡفُسِھِمۡ وَلَوۡ کَانَ بِھِمۡ خَصَاصَۃٌ یعنی قرآن کریم کی اس آیت کے مصداق (لوگ) کدھر گئے ہیں جن کے متعلق آیا ہے کہ وہ اپنی ضرورت پر اپنے بھائی کی ضرورت کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ سن کر کسی منچلے نے اُس کو برجستہ جواب دیا کہ ذَھَبُوا مَعَ الَّذِیۡنَ لَا یَسۡئَلُوۡنَ النَّاسَ اِلۡحَافًا ـــــ یعنی وہ مومن اُن فقراء کے ساتھ ہی دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں جو لوگوں کو زچ کر کے نہیں مانگا کرتے"۔

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ ایک مُلّا نے اپنے یتیم بھتیجوں کی جائیداد ہضم کر لی۔ ایک روز علی الصبح وہ مسواک کر رہا تھا کہ اُدھر سے ایک شاعر کا گزر ہُوا۔ جسے اس سارے واقعہ کا علم تھا۔ شاعر نے اس مُلّا کو دیکھتے ہی برجستہ یہ شعر پڑھا۔

اَکَلَ الْیَتِیْمَ وَ خَشْیَۃً مِنْ اَن یُری
اَثَرُ عَلٰی اَسْنَانِہٖ یَتَسَوَّکُ

اس شخص نے یتیموں کا مال ہضم کرلیا ہے اور اب مسواک صرف اِس لئے کررہاہے تاکہ اُس کے دانتوں پر حرامخوری کا کوئی نام ونشان باقی نہ رہے۔

ایک لطیف جواب

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو اسلام کا پانچواں خلیفہ راشد مانا گیا ہے۔ آپ بڑے عفیف النفس اور متقی تھے۔ ایک دفعہ آپ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ اور جنگِ جمل اور جنگِ صفین کے بارہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ نے جواب دیا:

تِلْکَ دِمَاءٌ کَفَّ اللّٰہُ یَدِیْ عَنْھَا فَاَنَا اَکْرَہُ اَنْ اُغْمِسَ لِسَانِی فِیْھَا

یعنی یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھوں کو محفوظ رکھا۔ اس لئے مجھے پسند نہیں ہے کہ میں اب ان میں اپنی زبان کو ملوث کروں۔

فراست مومن

احادیث نبویہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ اِتَّقُوا فَرَاسَۃَ الْمُومِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ عَیْنِ اللّٰہِ —— یعنی مومن کی فراست سے بچو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آنکھ کے نور سے دیکھتا ہے —— اس مضمون کو ایک شاعر نے اپنے شعر میں اس طرح باندھا ہے ؎

مَنْ کَانَ ذَاعَقْلٍ اُجِلَّ لِعَقْلِہٖ
وَ اَفْضَلُ عَقْلٍ عَقْلُ مَن یَّتَدَیَّنُ

یعنی عقل مند کی تعظیم اس کی عقل کے باعث کی جاتی ہے اور بہترین عقل اس شخص کی ہے جو دیندار ہے۔

قید و بند

زندگی بجائے خود ایک قید ہے۔ اس لئے احادیث میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اَلدُّنْیَا سِجْنٌ لِلْمُومِنِ وَ جَنَّۃٌ لِلْکَافِرِ" یعنی یہ دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے —— مطلب یہ کہ کافر اس دنیا کو ہی سب کچھ سمجھتا ہے لیکن مومن کی نظر آخرت پر لگی ہوتی ہے۔ اس

لئے وہ اس کے سنوارنے میں لگا رہتا ہے اور یہ سوچتا رہتا ہے کہ کب اُسے اس دنیوی قید سے نجات ملے اور وہ اُخروی دنیا کی نعماء سے لذت آشنا ہو۔ بہرحال اس دنیا میں اس معنوی قید کے علاوہ ایک ظاہری قید بھی ہے جس میں عام طور پر تو مجرموں اور گناہگاروں کو بھی رکھا جاتا ہے۔ بعض اوقات بعض شرفاء کو بھی کسی کی ان کے ساتھ عداوت کے باعث بلا قصور کچھ وقت جیل میں گزارنا پڑتا ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ ہُوا۔ اس صورت میں قید مقید کے لئے باعث توہین و تذلیل نہیں ہوتی۔ بلکہ اس سے اس کی قدر و منزلت شرفاء کے دلوں میں اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

وَالْحَبْسُ مَا لَمْ تَغْشَهُ لِدَنِيئَةٍ
شَنْعَآءَ نِعْمَ الْمَنزِلُ الْمُتَوَدَّدُ
بَعْثٌ يُجَدِّدُ لِلْكَرِيمِ كَرَامَةً
وَ يُزَارُ فِيهِ وَ لَا يَزُوْرُ وَ يُحْمَدُ

یعنی اگر تُو قید میں کسی قبیح جرم کے باعث نہ جائے تو قید خانہ ایک پیاری جگہ ہے۔ کیونکہ اس سے ایک شریف انسان کی شرافت کی تجدید ہوتی ہے اور اس صورت میں شرفاء تو اس کی زیارت کے لئے آتے ہیں لیکن وہ خود کسی کو ملنے نہیں جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ اور ایک شرابی

حضرت عمرؓ کی یہ عادت تھی کہ آپ اپنی رعایا کے احوال معلوم کرنے کے لئے رات کو مدینہ کی گلیوں میں گشت لگایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک رات جبکہ آپ گشت لگا رہے تھے۔ آپ کو ایک گھر سے گانے بجانے کی آواز آئی۔ جس پر آپ دیوار پھاند کر اندر چلے گئے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک آدمی اور ایک عورت دونوں شراب پی رہے ہیں اور گا رہے ہیں۔ آپ کو یہ دیکھ کر بہت غصہ آیا اور آپ نے اسے مخاطب کر کے کہا

”اے دشمن خدا! تمہیں شرم نہیں آتی۔ کیا تمہیں یہ وہم ہو گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اس معصیت پر پردہ ڈالے رکھے گا؟“

اس پر اُس نے کہا

”امیرالمومنین جلدی نہ کریں۔ اگر مَیں ایک معصیت کا مرتکب ہُوا ہوں تو آپ نے تین معصیتوں کا ارتکاب کیا ہے۔“

پھر وہ کہنے لگا۔

"قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی" ـــــ لَا تَجَسَّسُو وَ قَدْ تَجَسَّسْتَ" وَ قَالَ "وَاتُوا الْبُیُوتَ مِنْ اَبْوَابِھَا ـــــ وَ قَدْ تَسَوَّرْتَ عَلَّی" ـــــ وَ قَالَ لَا تَدْخُلوْا بُیُوتًا غَیْرَ بُیُوتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَانِسُوا وَ تُسَلِّمُوا عَلٰی اَھْلِھَا" ـــــ "وَ قَدْ دَخَلْتَ بِغَیْرِ سَلَامٍ" ـــــ یعنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (۱) جاسوسی نہ کرو اور آپ نے جاسوسی کی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ (۲) گھروں میں اُن کے دروازوں سے داخل ہُوا کرو اور آپ دیوار پھاند کر اندر آئے ہیں ـــــ پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ (۳) تم دوسروں کے گھروں میں بلا سلام داخل نہ ہُوا کرو اور آپ نے کوئی سلام نہیں کیا ہے۔"

حضرت عمرؓ کے دل میں قرآن کریم کا اس قدر ادب تھا کہ آپ کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور آپ نے اُسے مخاطب ہو کر کہا کہ ـــــ "بے شک مَیں خطاکار ہوں۔ کیا تم میری غلطی معاف کرتے ہو؟" ـــــ اس پر اُس شخص نے کہا ـــــ "ہاں اس شرط پر کہ آپ دوبارہ اس کے مرتکب نہ ہوں"۔

حسنِ وفا

وزیر محمد مہلبی اپنی وزارت سے قبل نہایت غریب تھا ایک دن اُس کا دل گوشت کھانے کو چاہا لیکن اپنی مفلسی کے باعث وہ اپنی خواہش کو پورا کرنے سے قاصر تھا۔ اس لئے اپنی مفلسی پر چار آنسو بہاتے ہوئے اُس نے یہ اشعار پڑھے ؎

اَلَا مَوْتٌ یُبَاعُ فَاَشْتَرِیْہِ
یُخَلِّصُنِی مِنَ الْاَمْرِ الْکَرِیْہِ
اَلَا مَوْتٌ لَذِیْذُ الطَّعْمِ یَاتِی
فَھٰذَا الْعَیْشُ مَا لَا خَیْرَ فِیْہِ
اِذَا اَبْصَرْتُ قَبْراً مِن بَعِیْدٍ
وَدِدْتُ لَوْ اَنَّنِی مِمَّن یَّلِیْہِ

یعنی کیا موت کہیں بکتی نہیں کہ مَیں اُسے خرید لوں اور وہ مجھے اس مجبور و مقہور زندگی سے چھٹکارا دلا دے۔ کیا مجھے پُر لذت موت نہیں آ سکتی۔ کیونکہ اس زندگی میں تو اب کوئی خیر و برکت باقی نہیں رہی۔ جب مجھے دور سے کوئی قبر نظر آتی ہے۔ تو میرا دل یہ چاہتا ہے کہ اے کاش کہ اس کے

ساتھ والی قبر میری ہوتی۔

اس کی یہ حالت دیکھ کر اُس کے ایک دوست کو اُس پر بہت رحم آیا اور اُس نے اُسے ایک درہم دیا۔ تاکہ وہ اپنی خواہش کو پُورا کرلے۔ اس کے بعد خدا کا کرنا یوں ہُوا کہ "تِلْكَ الاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ کے مطابق یہ دوست تو غریب ہو گیا —— اور محمد مہلبی بغداد جاکر خلیفہ کا وزیر بن گیا۔ چنانچہ یہ دوست بغداد پہنچا اور ذیل کے دو شعر لکھ کر رقعہ ایک خادم کے ہاتھ اس وزیر کے گھر بھجوادیا۔

اَلاَ قُلْ لِلْوَزِيْرِ فَدَتْهُ نَفْسِي
فَقَالَ مُذَكِّراً مَا قَدْنَسِيْهِ

اَتَذْكُرُ اِذْ تَقُوْلِ لِضَنْكِ عَيْشٍ
اَلاَمَوْتٌ يُبَاعُ فَاَشْتَرِيْهِ

یعنی وزیر کو یہ کہو کہ میں آپ کے قربان جاؤں۔ مَیں آپ کو وہ بات یاد دلاتا ہوں جسے ممکن ہے کہ آپ بھول گئے ہوں۔ کیا آپ کو وہ وقت یاد ہے کہ جب آپ نے اپنی تنگدستی کے دنوں میں یہ کہا تھا کہ —— کیا موت کہیں بکتی نہیں کہ مَیں اُسے خرید لوں۔"

جب وزیر کو یہ رقعہ ملا تو اُس نے پورے سات سو درہم اپنے اُس دوست کو بھجوادیئے اور رقعہ پر یہ لکھا "مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ" —— اور پھر اپنے مکان پر بلا کر اُسے مزید اکرام و اعزاز سے نوازا۔

مردانگی کا کمال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک حدیث میں کمالِ مردانگی کی یہ تعریف کی ہے "مَنْ عَامَلَ النَّاسَ فَلَمْ يَظْلِمهُم و حَدَّثَهُمْ فَلَمْ يَكْذِبْهُم وَ وَعَدَهُمْ فَلَمْ يُخلِفْهُم فَهُوَ مِمَّنْ كَمُلَتْ مُرُوْوتُهُ وظَهَرَتْ عَدَالَتُهُ وَ وَجَبَتْ اَخُوَّتُهُ

یعنی جس کا سلوک ظالمانہ نہ ہو وہ جھوٹ سے مجتنب ہو اور وہ وعدہ خلافی کا مرتکب نہ ہو تو یہ وہ شخص ہے جو مردانگی میں کامل ہے۔ اس کا عدل و انصاف ظاہر ہے اور ایسے شخص سے دوستی واجب ہے۔

عطیہ حاصل کرنے کی ایک تدبیر

کوئی شاعر کسی حاکم وقت کی زیارت کو گیا لیکن اس حاکم نے شاعر کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ شاعر نے ایک روز اُسے ذیل کے دو اشعار لکھ کر اُس کے گھر بھجوا دیئے ؎

مَاذَا اَقُلْ اِذَا انْصَرَفْتُ وَ قِيْلَ لِی
مَاذَا اَفَدْتَ مِنَ الْكَرِيْمِ الْمِفْضَلِ
فَاخْتَرْ لِنَفْسِكَ مَاَ اَقُوْلُ فَاِنَّنِی
لَاَ بُدَّ مُخْبِرُ هُمْ وَ اِنْ لَم اُسْئَلِ

یعنی آپ غور فرمالیں کہ جب میں واپس جاؤں گا اور لوگ مجھ سے پوچھیں گے کہ اُس بہت بڑے سخی سے تمہیں کیا ملا ہے تو میں کیا جواب دوں گا۔ پس جو آپ مجھ سے کہلوانا چاہتے ہیں وہ مجھے بتلادیں۔ کیونکہ خواہ وہ مجھ سے پوچھیں یا نہ پوچھیں میں نے بہرحال انہیں کچھ نہ کچھ ضرور بتلانا ہے۔

اس پر حاکم بہت شرمندہ ہوا اور اُس نے شاعر کو ایک عمدہ عطیہ دے کر واپس کیا۔

خلیفہ مہدی کا ایک درباری

خلیفہ مہدی کے زمانہ میں دو میاں بیوی اُس کے محل میں بہت مقرب تھے۔ ان دونوں نے مہدی سے کچھ حاصل کرنے کی یہ عجیب و غریب تدبیر سوچی کہ خاوند یعنی ابو دلامہ مہدی کے پاس جائے اور اُسے کہے کہ میری بیوی ام دلامہ فوت ہو گئی ہے۔ اس لئے اُس کی تجہیز و تکفین کے لئے میری مدد کی جائے ــــــ اور ام دلامہ مہدی کی بیگم یعنی ملکہ خیزران کے پاس جائے اور اُسے کہے کہ ابو دلامہ فوت ہو گیا ہے اس لئے اس کی تجہیز و تکفین کیلئے میری اعانت کی جائے۔ دونوں میاں بیوی نے سوچا کہ اس طرح ہم دونوں کو مفت میں بہت سا مال مل جائے گا اور بعد میں جب پتہ چل جائے گا تو بات ہنسی مذاق میں آئی گئی کر دی جائے گی۔ چنانچہ اس تدبیر کے مطابق ابو دلامہ مہدی کی خدمت میں حاضر ہوا اور رونی صورت بنا کر اُس کے سامنے یہ اشعار پڑھے ؎

وَ كُنَّا كَزَوْجٍ مِنْ قَطَا فِی مَفَازَةٍ
لَدَی خَفْضِ عَيْشٍ مُوْرِقٍ نَاضِرٍرَغَد
فَاَفْرَدَنا رَيْبُ الزَّمَانِ بِطَرْفِهٖ
وَ لَمْ نَرَی شَيْئًا قَطُّ اَوْحَشُ مِنْ فَرَد

یعنی ہم تیتروں کے ایک جوڑے کی طرح جنگل میں نہایت آسودہ حال اور
فارغ البال زندگی بسر کر رہے تھے کہ اچانک گردش زمانہ نے ہمیں تنہا کر دیا
اور تنہائی سے زیادہ وحشتناک چیز ہم نے کبھی نہیں دیکھی۔

یہ اشعار سن کر مہدی کو بڑی حیرت ہوئی اور اس نے بڑی ہمدردی سے پوچھا کہ ابو دلامہ خیر تو ہے؟ اس پر ابو دلامہ نے کہا ـــــ "حضور کیا بتلاؤں ام دلامہ قضائے الٰہی سے فوت ہو گئی ہے اور اب مَیں نے اس کی تجہیز و تکفین کرنی ہے" ـــــ جس پر مہدی نے اُس کی دلداری کی اور بہت سا مال دے کر روانہ کیا ـــــ دوسری طرف ام دلامہ ملکہ خیزران کے محل میں پہنچی اور بڑی مسکین صورت بنا کر کہنے لگی ـــــ "اے ملکہ عالم! بڑا غضب ہو گیا ہے" ـــــ ملکہ نے پوچھا ـــــ "کیا ہُوا ہے؟" ـــــ کہنے لگی ـــــ "ابو دلامہ اللہ کو پیارا ہو گیا ہے اور اُس کی تجہیز و تکفین اب مَیں نے کرنی ہے" ـــــ ملکہ کو یہ سن کر بہت افسوس ہوا اور اس نے ام دلامہ سے تعزیت کی اور نقد رقم کے علاوہ اُسے کپڑے کا ایک تھان اور خوشبو دی تا کہ وہ اپنے خاوند کی تجہیز و تکفین کر سکے۔ اب ادھر یہ دونوں میاں بیوی اپنی سکیم کی کامیابی پر شاداں و فرحاں اپنے گھر کو لوٹے اور ادھر مہدی اپنے محل میں آیا اور اپنی ملکہ کو کہا کہ آج ایک بہت افسوسناک حادثہ ہو گیا ہے۔ ملکہ نے پوچھا کہ وہ کیا؟ مہدی نے کہا کہ آج ام دلامہ فوت ہو گئی ہے اور ابو دلامہ بیچارہ اب تنہا رہ گیا ہے۔ اس پر ملکہ خیزران نے کہا کہ عجیب بات ہے۔ ام دلامہ تو ابھی میرے پاس سے ہو کر گئی ہے اور مجھے یہ بتا کر گئی ہے کہ ابو دلامہ فوت ہو گیا ہے اور میں نے اُسے اُس کے خاوند کی تجہیز و تکفین کے لئے دل کھول کر اُس کی مدد کی ہے۔ اس پر مہدی اور خیزران دونوں بہت حیران ہوئے اور اصل حقیقت معلوم کرنے کے لئے ابو دلامہ اور ام دلامہ کے مکان پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ دونوں گھر کے صحن میں دو چارپائیوں پر چت یوں پڑے ہیں کہ گویا دونوں مر چکے ہیں۔ اس پر مہدی نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ ام دلامہ پہلے فوت ہوئی ہے اور اس صدمہ سے ابو دلامہ کا بعد میں ہارٹ فیل ہو گیا ہے اور وہ بھی مر گیا ہے۔ ملکہ خیزران کہنے لگی کہ نہیں بلکہ لگتا یہ ہے کہ ابو دلامہ پہلے فوت ہوا ہے اور اس صدمہ سے بعد میں ام دلامہ کے دل کی حرکت بند ہوئی ہے اور وہ بھی مر گئی ہے۔ اس پر دونوں میں تکرار ہو گئی اور مہدی کہنے لگا کہ مجھے اپنی عزت کی قسم ہے جو مجھے بتائے گا کہ ان دونوں میاں بیوی میں سے پہلے کون مرا ہے۔ مَیں اُسے پانچ ہزار درہم دوں گا۔ مہدی کا یہ کہنا تھا کہ ابو دلامہ فوراً کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ حضور ام دلامہ پہلے فوت ہوئی ہے۔ ساتھ ہی ام دلامہ اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی۔ نہیں حضور ابو دلامہ پہلے فوت ہوا ہے۔ جس پر خلیفہ مہدی اور ملکہ خیزران دونوں اس قدر ہنسے کہ ہنستے ہنستے ان کے پیٹ میں بل پڑ گئے اور انہوں نے دونوں کو مزید ۵۔۵ ہزار درہم دیئے اور

رخصت ہو گئے۔

حلم و بردباری

کہا جاتا ہے کہ اصل تاج وہ نہیں جو بادشاہوں کے سروں پر ہیرے جواہرات اور سونے سے بنا کر رکھا جاتا ہے۔ بلکہ بادشاہوں کا اصلی تاج وہ وقار ہے جو حلم و بردباری کے نگینوں سے مرصع ہوتا ہے۔ اس لئے روایات میں آتا ہے کہ اردشیر بن بابک نے تین رقعے لکھ کر اپنے ایک مصاحب کو دیئے اور اُسے یہ وصیت کی کہ جب مَیں غصہ کی حالت میں ہوں تو مجھے پہلا رقعہ دینا۔ جس میں لکھا تھا۔

اَمْسِكْ فَلَسْتَ بِالٰہٍ وَ اِنَّمَا اَنْتَ جَسَدٌ یُوشِكُ یَاكُلُ بَعْضُهٗ بَعْضًا ــــ یعنی باز آ جا کیونکہ تو خدا نہیں ہے۔ بلکہ ایک جسم ہے اور ممکن ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے کو کھا جائے۔

اور کہا کہ اس رقعہ کے ملنے کے باوجود اگر مَیں باز نہ آؤں تو مجھے دوسرا رقعہ دینا جس میں لکھا تھا ــــ اِرْحَمْ عِبَادَ اللّٰہِ یَرْحَمْكَ اللّٰہُ ــــ یعنی اگر تمہیں اللہ کا رحم درکار ہے تو اُس کے بندوں پر رحم کرو ــــ اور کہا کہ اس دوسرے رقعہ کے ملنے پر بھی اگر مَیں نادم ہو کر باز نہ آؤں تو مجھے تیسرا رقعہ دینا ہے اور اُس میں لکھا تھا "اِحْمِلْ عِبَادَ اللّٰہِ عَلٰی حَقِّہٖ" ــــ یعنی اللہ کے بندوں کو حقوق اللہ کی ادائیگی پر آمادہ کرو۔

معن بن زائدہ اور ایک شاعر

معن بن زائدہ عرب کا ایک مشہور حاکم و سخی وقت تھا۔ ایک دن ایک شاعر اُس کے دروازہ پر آیا اور معن کی اپنے اشعار میں خوب تعریف و توصیف کی۔ اس پر معن نے اُسے مخاطب کر کے کہا کہ اگر تم چاہو تو ہم تمہیں، انعام و اکرام سے نوازیں اور اگر تم چاہو تو ہم بھی اسی طرح تمہاری تعریف و توصیف سے تمہیں نوازدیں۔ اس پر شاعر نے اپنا مقصد یوں بیان کیا ؎

ثَنَاءٌ مِنْ اَمِیْرٍ خَیْرُ كَسْبٍ
لِصَاحِبِ مَغْنَمٍ وَ اَخِی ثَرَاءٍ
وَ لٰكِنَّ الزَّمَانَ اَطَالَ دَائِی
وَ مَا مِثْلَ الدَّرَاهِمِ مِنْ دَوَاءٍ

یعنی امیر کا کسی کی تعریف و توصیف کرنا بہترین عطیہ ہے لیکن اس کے لئے جو

خود مالدار اور امیر ہو لیکن زمانہ نے میری بیماری کو لمبا کر دیا ہے اور اس بیماری کے لئے مال و دولت جیسی اور کوئی دوا نہیں ہے۔
اس پر معن نے اُسے انعام دے کر رخصت کیا۔

عاشق کی حالت زار

عشق انسان کو خانماں برباد کر کے چھوڑتا ہے اور اس کے جسم و جاں کو یوں جھنجھوڑ کر رکھ دیتا ہے کہ عاشق نہ صرف دنیا کی نظر میں بلکہ خود اپنی نظر میں بھی قابلِ رحم ہوتا ہے۔ مولانا رُومؒ اپنی مثنوی میں عشق کی ایک کیفیت یوں بیان کرتے ہیں ؂

عشق اوّل سرکش و خُونی بود
تا گریز و ہر کہ بیرونی بود

اور ایک عرب شاعر عاشق کی حالت زار کو یوں بیان کرتا ہے ؂

وَ مَا فِی الدَّھْرِ اَشْقٰی مِن مُحِبٍّ
وَ لَوْ وَجَدَ الْھَوٰی حُلْوَ الْمَذَاقِ

تَرَاہُ بَاکِیًا فِی کُلِّ حِیْنٍ
مَخَافَۃَ فُرقَۃٍ اَوْلِاشْتِیَاقِ

فَیَبْکِی اِنْ نَاَوْا شَوْقًا اِلَیْھِمْ
وَ یَبْکِی اِنْ دَنَوا خَوْفَ الْفِرَاقِ

فَتَسْخُنُ عَیْنُہٗ عِندَالتَّنَائِی
وَ تَسْخُنُ عَیْنُہٗ عِندَالتَّلَاقِ

یعنی —— زمانہ میں عاشق سے زیادہ بدنصیب کوئی نہیں ہوتا۔ اگرچہ وہ عشق کو اپنے خیال میں بڑا شیریں پاتا ہے تو اُسے ہر وقت روتا پائے گا۔ کبھی تو اپنے محبوب کی ملاقات کے شوق میں اور کبھی اُس کی جدائی کے خوف سے۔ پس اگر محبوب دور ہو تو عاشق بوجہ شوق روتا ہے اور اگر محبوب قریب ہو تو چونکہ اُس کی جدائی کا دھڑکا اُسے لگا رہتا ہے۔ اس لئے وہ پھر بھی روتا ہے۔ پس محبوب خواہ دور ہو یا قریب عاشق دونوں صورتوں میں گرم آنسو بہاتا نظر آتا ہے۔

خلیفہ مامون الرشید اور شاعر محمد بن جہم

محمد بن جہم راوی ہے کہ ایک دن خلیفہ مامون الرشید نے مجھے اپنے محل میں بلایا اور مجھ سے خواہش کی کہ میں اُسے کوئی بے نظیر مدحیہ شعر سناؤں جس پر میں نے اُسے درج ذیل شعر سنایا ۔

يَجُوْدُ بِالنَّفْسِ اِنْ ضَنَّ الْجَوادُبَهَا

وَالْجُوْدُ بِالنَّفْسِ اَقْصَى غَايَةَ اَلْجُودِ

یعنی اگر کوئی اور سخی بخل سے کام لے تو میرے ممدوح کی یہ شان ہے کہ وہ اپنی جان کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتا ہے اور جان کی قربانی سخاوت کی انتہا ہے۔

اس پر مامون الرشید نے خوش ہو کر کہا —— "جاؤ میں نے تمہیں ہمدان کی گورنری دے دی۔ اب تم مجھے کوئی بے مثل ہجویہ شعر سناؤ"۔

محمد بن جہم کہتا ہے۔ اس پر میں نے اُسے درج ذیل شعر سنایا ۔

قَبُحَتْ مَنَاظِرُهٗ فَحِيْنَ خَبَرْتُهٗ

حَسُنَتْ مَنَاظِرُهٗ بِقُبْحِ الْمَخبَرِ

یعنی —— اس کی ظاہری شکل و صورت بہت ہی بری تھی لیکن جب میں نے اُس کا امتحان لیا تو اُس کے باطن کی گندگی کی نسبت سے اُس کی ظاہری بدصورتی اچھی تھی۔

اس پر مامون الرشید نے خوش ہو کر کہا۔ جاؤ میں نے تمہیں دینور کی گورنری بھی دے دی۔ اب تم مجھے مرثیہ کا کوئی بہترین شعر سناؤ۔ محمد بن جہم کہتا ہے کہ اس پر میں نے اُسے درجِ ذیل شعر سنایا ۔

اَرَادُوْا لِيُخْفُو قَبْرَهٗ مِنْ عَدُوِّهٖ

فَطِيْبُ تُرَابِ الْقَبْرِ دَلَّ عَلٰى الْقَبْرِ

یعنی —— میرے ممدوح کے ورثا نے اُس کی قبر کو دشمن سے مخفی رکھنا چاہا لیکن اُس کی قبر کی مٹی کی خوشبو نے اُسے مخفی نہ رہنے دیا۔

محمد بن جہم کہتا ہے کہ اس پر مامون الرشید نے مجھے کہا —— جاؤ میں نے تمہیں نہاوند کی گورنری بھی دے دی۔ اب تم مجھے کوئی نادر عشقیہ شعر سناؤ۔ جس پر میں نے اُسے درجِ ذیل شعر سنایا ۔

حِبٌّ مُجِدٌّ وَ حَبِيْبٌ يَلْعَبُ
وَالْقَلْبُ مَا بَيْنَهُمَا مُعَذَّبُ

یعنی ـــــ عاشق تو اپنے عشق میں پوری طرح سنجیدہ ہے لیکن معشوق اُس سے انکھیلیاں کر رہا ہے اور دل دونوں کے درمیان ایک گونا عذاب میں مبتلا ہے۔

محاسن القرآن الکریم

لِقُرآنٍ كَرِيْمٍ مُعْجِزَاتٌ اِلٰی يَوْمِ الْقِيَامَةِ دَائِمَاتٌ
كَمَالَاتُ الْمَعَارِفِ كُبْرَيَاتٌ حَقِيْقَاتُ الشَّرِيْعَةِ بَيِّنَاتٌ
وَآيٌ ظَاهِرَاتٌ بَادِيَاتٌ عَلٰی حَقٍّ دَلَائِلُ نَيِّرَاتٌ
وَ مِنْ اٰيَاتِهٖ مُتَشَابِهَاتٌ وَ اُخْرٰی فِيْهِ آيٌ مُحْكَمَاتٌ
اَوَامِرُهٗ جَوَامِعُ قَيِّمَاتٌ نَوَاهِيْهِ مَوَانِعُ كَامِلَاتٌ
لَهٗ كَلِمٌ وَّ اَلْفَاظٌ وَّ جُمَلٌ كَدُرٍّ سَاطِعَاتٌ بَازِغَاتٌ
بِقُرْآنٍ جَرَتْ اَبْحَارُ خَيْرٍ وَ زَالَتْ سَيِّئَاتٌ مُنْكَرَاتٌ
لَقَدْ ظَهَرَتْ لَهٗ فِيْ كُلِّ عَصْرٍ ثِمَارٌ حُلْوَيَاتٌ طَيِّبَاتٌ
عَلٰی كُتُبِ الْوَرٰی فِيْ كُلِّ حُسْنٍ لِقُرْآنٍ فَضِيْلَاتٌ مِئَاتٌ

۱۔ قرآن کریم کے ایسے معجزات ہیں جو قیامت تک ہمیشہ قائم رہنے والے ہیں۔ ۲۔ اس میں معارف کے بڑے بڑے کمالات ہیں اور شریعت کی واضح حقیقتیں ہیں۔ ۳۔ وہ ظاہر اور کھلم کھلا نشانات کا مجموعہ ہے ایسے نشانات جو حق کے لئے روشن دلائل ہیں۔ ۴۔ قرآن کریم کی بعض آیتیں متشابہ ہیں اور کچھ دوسری آیتیں ہیں جو محکم ہیں۔ ۵۔ قرآن کریم کے حکم جامع اور پختہ ہیں اور اس کی ممانعتیں مکمل طور پر مانع ہیں۔ ۶۔ قرآن کریم کے کلمات اور لفظ اور عبارتیں موتیوں کی طرح درخشندہ اور چمکدار ہیں۔ ۷۔ قرآن کے ذریعہ نیکی کے سمندر جاری ہوئے اور برائیاں اور بدیاں جاتی رہیں۔ ۸۔ بے شک قرآن کریم کے میٹھے اور پاکیزہ پھل ہر زمانہ میں ظاہر ہوئے ہیں۔ ۹۔ تمام جہان کی کتابوں پر ہر خوبی میں قرآن کو سینکڑوں فضیلتیں حاصل ہیں۔

اُستاذ محمد عثمان الصدیقی (مرحوم)
(پروفیسر تعلیم الاسلام کالج ربوہ)

حسنِ سوال

ادبی روایات میں آتا ہے کہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے عہد حکومت میں ایک دفعہ ملک شام میں شدید قحط پڑ گیا۔ جس پر مختلف محلوں کے بڑے بڑے لوگ ہشام کو ملنے آئے۔ اُن میں ایک شخص ورداس بن حبیب بھی تھا جو دنیاوی اعتبار سے تو کوئی بڑا آدمی نہ تھا لیکن جید عالم تھا۔ مگر ہشام کو اس کا علم نہ تھا۔ پھر اُس کا لباس بھی قابلِ رشک نہ تھا۔ جس پر ہشام نے دربان کو غصیلی نظر سے دیکھ کر کہا۔ کیا اب ہر کوئی میری مجلس میں آ سکتا ہے؟ ورداس بھانپ گیا کہ ہشام کی اس بات سے وہی مراد ہے۔ اِس لئے اُس نے کھڑے ہو کہا۔ حضور میرے آنے سے آپ کی قدر و منزلت میں تو کچھ فرق نہیں آیا۔ البتہ میری عزت و منزلت آپ کے دربار میں حاضری سے ضرور بڑھ گئی ہے۔ اس لئے اب اگر آپ اجازت دیں تو مَیں کچھ عرض خدمت کروں۔

اِس پر ہشام نے کہا ـــــ "اجازت ہے"

اور ورداس یوں گویا ہوا:

"تَتَابَعَتِ عَلَيْنَا سِنُوْنَ ثَلاَثًا ....اَمَّا الْاُوْلٰی فَاذَابَتْ الشَّحْمَ وَ اَمَّا الثانِيَةُ فَاَكَلَتِ اللَّحْمَ وَ اَمَّا الثَّالِثَةُ فَانتَقَتِ الْمُخَّ وَ مَصَّتِ الْعَظْمَ وَ لِلّٰهِ فِيْ اَيْدِيكُمْ اَمْوَالٌ فَاِنْ تَكُنْ لِلّٰهِ فَاعْطِفُوْابِهَا عَلٰی عِبَادِاللّٰهِ وَ اِنْ تَكُن لَهُمْ فَعَلاَمَ تَحْبِسُوْنَهَا عَنْهُم وَ اِنْ تَكُنْ لَكُمْ فَتَصَدَّقُوابِهَا عَلَيْهِمْ فَاِنَّ اللّٰهَ يَجْزِی الْمُتَصَدِّقِيْنَ وَلَا يَضِيْعُ اَجْرَالْمُحْسِنِيْنَ۔"

یعنی ـــــ ہم پر پے در پے تین سال ایسے آئے ہیں کہ پہلے نے ہماری چربی پگھلا دی۔ دوسرے نے ہمارے گوشت کو کھالیا اور تیسرے نے گودے کو چٹ کر لیا اور ہڈیوں کو چوس لیا۔ تمہارے قبضہ میں اموال ہیں۔ جو اگر خدا کے ہیں۔ تو اُن کو خدا کے بندوں پر خرچ کرنے کی مہربانی کرو اور اگر یہ خدا کے بندوں کے ہیں تو پھر تم نے انہیں اُن سے کیوں روک رکھا ہے اور اگر یہ تمہارے ہیں تو انہیں خدا کے بندوں پر صدقہ کر دو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو جزا دیتا ہے اور احسان کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔"

یہ کلام سُن کر ہشام نے کہا:

"لِلّٰهِ اَنْتَ مَاتَرَكْتَ وَاحِدَةً مِنْ ثَلَاثٍ۔"

یعنی ــــ خدا تیرا بھلا کرے تُو نے تینوں صورتوں میں سے ایک بھی میرے لئے باقی نہیں رہنے دی ہے۔

اور پھر حکم دیا کہ باقی سب لوگوں کو ایک لاکھ درہم دیئے جائیں اور ورداس اکیلے کو ایک لاکھ درہم دیا جائے۔ لیکن ورداس کی شرافت ملاحظہ ہو کہ اُس نے کہا ــــ "میں اکیلا اپنے آپ کو اتنی بڑی رقم کا مستحق نہیں سمجھتا۔ اس لئے مَیں صرف دس ہزار درہم لوں گا اور باقی نوے ہزار اپنے قرب و جوار کے لوگوں میں تقسیم کر دوں گا" ــــ جس پر ہشام اس کی عفت نفس اور قناعت سے بہت خوش ہوا۔

حاتم طائی کی سخاوت

ادبی روایات میں آتا ہے کہ حاتم طائی جب فوت ہو گیا تو اُسے ایک پہاڑی کی چوٹی پر دفن کیا گیا۔ اُس کی قبر کے دائیں بائیں دو حوض بنائے گئے جن کے کناروں پر ایسی دوشیزاؤں کے مجسّمے بنائے گئے جن کے بال کھلے تھے۔ پہاڑی کے دامن میں ایک ندی بہتی تھی۔ اور قریب ہی ایک سرائے تعمیر کی گئی تھی۔ جب قافلے یہاں سے گزرتے تو وہ عموماً رات اس جگہ بسر کرتے اور رات کو اُنہیں چیخ و پکار کی آوازیں سنائی دیتیں۔ لیکن صبح کو جب وہ تحقیق کرتے تو سوائے اُن دوشیزاؤں کے مجسّموں کے کوئی چیز نظر نہ آتی۔ ایک رات حمیر کا بادشاہ ذوالکراع یہاں سے گزرا۔ وہ بھی اسی جگہ رات کو ٹھہرا۔ جب رات کو اُسے بھی چیخ و پکار کی آوازیں سنائی دیں تو اُس نے حیرت سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو اُسے بتایا گیا کہ یہ نوحہ کی آوازیں حاتم کی قبر سے آ رہی ہیں۔ جہاں کچھ دوشیزاؤں کے مجسّمے ہیں اس پر ذوالکراع نے حاتم کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

"ــــ يَا حَاتِمُ نَحْنُ اللَّيْلَةَ ضُيُوفُكَ وَنَحْنُ خِمَاصٌ" ــــ

یعنی اے حاتم! ہم آج کی رات تیرے مہمان ہیں اور ہم بھوکے ہیں۔ ہمیں کھانا کھلاؤ۔

روایت میں آتا ہے کہ اس کے تھوڑی دیر بعد ذوالکراع کو نیند آ گئی اور وہ سو گیا لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد دہشت زدہ ہو کر اُٹھ بیٹھا اور کہنے لگا ــــ "نَاقَتِي نَاقَتِي" ــــ یعنی میری اونٹنی کی خبر لو۔ میری اونٹنی کی خبر لو ــــ جس پر لوگ باہر نکلے تو انہوں نے دیکھا کہ اُس کی اُونٹنی خون میں لت پت تڑپ رہی ہے۔ چنانچہ اُسے فوراً ذبح کیا گیا اور بھون کر اُس کا گوشت کھایا گیا۔ جس کے بعد لوگوں نے ذوالکراع سے اس بات کی حقیقت دریافت کی تو اُس نے بتایا کہ مَیں نے خواب

میں دیکھا کہ حاتم طائی آیا ہے اور مجھے کہتا ہے کہ تُو ایسے وقت میں میرے پاس آیا ہے جبکہ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے ـــــ اور یہ کہہ کر اُس نے میری اونٹنی پر تلوار ماری اور مَیں دہشت زدہ ہو کر اُٹھ بیٹھا۔ اور اگر تم جلد آکر اِسے ذبح نہ کر لیتے تو یہ تڑپ تڑپ کر مرجاتی۔

بہرحال صبح کو ذوالکراع اپنے ایک رفیق سفر کی اونٹنی پر سوار ہوا اور اُسے اپنے پیچھے بٹھا کر اپنے سفر پر روانہ ہو گیا لیکن جب دوپہر ہوئی تو اُنہوں نے دیکھا کہ ایک آدمی اُن کے پیچھے دوڑا چلا آ رہا ہے اور اُس کے ساتھ ایک دوسری اونٹنی ہے جب وہ اُن کے قریب آیا تو اُس سے پوچھا گیا کہ "تم کون ہو؟" اس نے کہا کہ

"مَیں حاتم طائی کا بیٹا عدی ہوں۔"

پھر اُس نے پوچھا کہ بادشاہ حمیر ذوالکراع کہاں ہے؟ اسے بتایا گیا کہ وہ یہ ہے۔

اس پر عدی نے اُسے کہا:

"اِرْكَبْ هٰذِهِ النَّاقَةَ عِوَضًا عَنْ رَاحِلَتِكَ فَإِنَّ نَاقَتَكَ قد ذَبَحَهَا اَبِی لَكَ"

یعنی ـــــ اس اونٹنی پر سوار ہو جاؤ اور یہ تمہاری اُس اونٹنی کے عوض ہے جو میرے باپ نے تمہاری مہمان نوازی کے لئے ذبح کی تھی۔

اس پر ذوالکراع نے بڑی حیرت سے پوچھا کہ "تمہیں اس بات کا کیسے علم ہُوا؟"

عدی نے کہا:

"آج رات خواب میں میرا باپ میرے پاس آیا تھا اور اُس نے مجھے کہا تھا ـــــ "يَاعَدِیُّ اِنَّ ذَاالْكِرَاعِ مَلِكُ حِمْيَرَ اِسْتَضَافَنِی فَنَحَرْتُ لَهٗ نَاقَتَهٗ فَاَدْرِكْهُ بِنَاقَةٍ يَرْكَبُهَا فَاِنِّی لَمْ يَكُنْ عِنْدِی شَیْءٌ""

یعنی اے عدی آج رات بادشاہ حمیر ذوالکراع نے مجھ سے مہمان نوازی کی خواہش کی تھی۔ جس پر میں نے اُس کے لئے اُس کی اونٹنی ذبح کر دی تھی۔ کیونکہ میرے پاس اور کچھ نہ تھا۔ پس اب تم اُسے ایک اور اونٹنی پہنچا دو تاکہ وہ اس پر سوار ہو کر اپنی منزل پر پہنچ سکے۔

اس پر ذوالکراع نے یہ اونٹنی لے لی اور حاتم کی بہ حالت زندہ و مردہ سخاوت پر حیرت و استعجاب کا اظہار کرتے ہوئے اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔

حاتم طائی کی بیوی ماریہ

روایت ہے کہ جب حاتم طائی کی شادی ماریہ بنت عفیر سے ہوئی اور اُس نے دیکھا کہ اُس کا خاوند سخاوت میں اپنا بہت سا مال فنا کر دیتا ہے تو اُس نے اُسے ملامت کرنا شروع کر دی لیکن حاتم اُس کی طرف توجہ نہ دیتا تھا۔ بلکہ اُسے اکثر یہ شعر سنایا کرتا۔

اِذَا مَا صَنَعْتِ الزَّادَ فَالتَمِسِی لَهٗ
اَکِیْلاً فَاِنِّی لَسْتُ اٰکِلَهٗ وَحْدِی

یعنی —— اے ماریہ! جب تو میرے لئے کھانا تیار کرے تو کوئی مہمان تلاش کر کے اُسے میرے ساتھ ضرور بٹھایا کرو۔ کیونکہ مَیں اکیلا کھانا نہیں کھاؤں گا۔

ماریہ کے چچیرے بھائی مالک کو جب اس صورت حال کا علم ہوا تو اُس نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے ماریہ پر ڈورے ڈالنے شروع کر دیئے اور اُسے اُکسایا کہ وہ حاتم کو چھوڑ کر اُس سے نکاح کر لے اور وجہ یہ دی کہ

"فَاِنِّی خَیْرٌ لَّكِ مِنْهُ وَ اَکْثَرُ مَالاً وَ اَقَلُّ تَبْذِیْراً"

یعنی —— مَیں تیرے لئے حاتم سے بہتر ہوں۔ مال میں اُس سے زیادہ ہوں اور فضول خرچی میں اُس سے کم۔"

جس پر ماریہ اس کے فریب میں پھنس گئی اور حاتم کو جاہلیت کے دستور کے مطابق طلاق دے دی۔ جو یہ تھا کہ اونچے گھرانوں کی عورتیں جب اپنے مردوں کو طلاق دینا چاہتیں تو خیمہ کا منہ الٹا دیا کرتی تھیں۔ یعنی اگر خیمہ کا دروازہ مشرق کی طرف ہوتا تو وہ خیمے کو اکھڑوا کر اُس کا دروازہ مغرب کی طرف کر دیتیں۔ چنانچہ ایک دن حاتم جب اپنی کسی مہم سے واپس آیا تو اُس نے خیمہ کا منہ پھرا ہوا پایا۔ اس پر اُس نے اپنے بیٹے عدی کو کہا "اَرَاَیْتَ مَا فَعَلَتْ اُمُّكَ" یعنی کیا تُو نے دیکھا کہ تیری ماں نے کیا کیا ہے؟

عدی نے کہا —— "ہاں دیکھا ہے۔"

اس پر حاتم اپنے بیٹے سمیت ایک نزدیکی وادی میں جا کر قیام پذیر ہُوا۔ اب خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اُسی رات ماریہ کے خیمہ کے دروازہ پر ۵۰ مہمان اُسے حاتم کا گھر سمجھ کر وہاں آوارد ہوئے جس پر ماریہ بہت پریشان ہوئی اور اُس نے اپنی ایک خادمہ کو اپنے نئے خاوند مالک کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اُسے کہو —— آج رات کچھ لوگ میرے خیمہ کو حسب سابق حاتم کا خیمہ سمجھ کر آگئے

ہیں۔ اس لئے کچھ دودھ اور گوشت اُن کی مہمان نوازی کے لئے بھیجو اور یہ صرف آج کی رات ہے کل سے سب لوگوں کو پتہ چل جائے گا کہ حاتم اب یہاں نہیں رہتا ہے ــــ اور ساتھ ہی اُس نے خادمہ کو کہا کہ یہ پیغام سن کر مالک جو کچھ کہے یا کرے اُس کی صحیح صحیح رپورٹ وہ اُسے لا کر دے۔ چنانچہ خادمہ مالک کے پاس گئی اور اُسے اُس کی بیوی ماریہ کا پیغام دیا۔ اس پر مالک نے اپنا سر پیٹ لیا اور خادمہ کو کہا کہ وہ جا کر ماریہ کو کہے کہ اسی امر کے باعث تو مَیں نے تمہیں حاتم سے طلاق دلوائی تھی۔ میرے پاس حاتم کے مہمانوں کے لئے کچھ نہیں ہے۔

خادمہ واپس آگئی اور تمام واقعہ کی مفصل رپورٹ ماریہ کو دی۔ ماریہ نے خادمہ کو کہا کہ اب تم حاتم کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ

اِنَّ اَضْيَافَكَ قَدْ نَزَلُوا بِنَا اللَّيْلَةَ وَلَمْ يَعْلَمُوا مَكَانَكَ فَاَرْسِلِ اِلَيْنَا بِنَاقَةٍ نُغَذِّيْهِمْ وَلَبَنٍ نَسْقِيْهِمْ

یعنی ــــ تمہارے کچھ مہمان غلطی سے ہمارے ہاں آ گئے ہیں کیونکہ اُنہیں تمہاری نئی جگہ کا علم نہ تھا۔ اس لئے تم اُن کی مہمانی کے لئے ایک اُونٹنی برائے گوشت اور کچھ دودھ بھیجو تاکہ ہم انہیں کھلا پلا سکیں۔

جب وہ خادمہ یہ پیغام لے کر حاتم کے پاس آئی تو اُس نے سنتے ہی کہا ــــ "حُبًّا وَ كَرَامَةً" ــــ یعنی ماریہ کا حکم سر آنکھوں پر ــــ اور فوراً دو اونٹنیاں لے کر ماریہ کے خیمہ پر حاضر ہو گیا اور خیمہ کے سامنے انہیں ذبح کرایا۔ جس پر ماریہ نے خیمہ کے اندر سے چلا کر کہا

"اسی لئے تو مَیں نے تمہیں طلاق دی تھی کہ تُو ہمارے بچوں کو مفلس و کنگال چھوڑے گا۔"

اس پر حاتم نے کہا:

"وَيْحَكِ يَا مَارِيَةُ اَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَهُمْ وَخَلَقَ الْعَالَمَ بِاَثْرِهٖ مُتَكَفِّلٌ بِاَرْزَاقِهِمْ"

یعنی ــــ "اے ماریہ! تف ہے تجھ پر۔ کیا وہ خدا جس نے اُن کو اور باقی سارے جہان کو پیدا کیا ہے وہ اُن کے رزق کا کفیل نہ ہوگا؟"

ابو طالب اور اسلام

جن ایام میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کی نگرانی میں تھے۔ ایک دن کفار عرب نے مل کر ابو طالب کو مجبور کیا کہ وہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وعظ توحید سے

روک دے اور ابو طالب نے بھی قوم کی رضاجوئی کو مقدم جانتے ہوئے آپ سے باز رہنے کے لئے کہا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے چچا، اگر یہ لوگ آفتاب کو میرے داہنے ہاتھ میں اور مہتاب کو میرے بائیں ہاتھ میں رکھ دیں اور مجھے اِس کام کو ترک کرنے کو کہیں تو بھی یقیناً یقیناً مَیں باز نہ رہوں گا۔ جب تک خدا کا دین ظاہر نہ ہو یا مَیں اِسی کوشش میں ہلاک نہ ہو جاؤں۔"

اس پر ابو طالب نے متاثر ہو کہ یہ اشعار پڑھے ؎

وَاللّٰهِ لَنْ يَّصِلُوْا اِلَيْكَ بِجَمْعِهِمْ حتّٰى اُوَسَّدَ فِي التُّرابِ دَفِيْنًا
فَاصْدَعْ بِاَمْرِكَ مَا عَلَيْكَ غَضَاضَةٌ وَاَبْشِرِ وَ قَرَّ بِذَاكَ مِنْكَ عُيُوْنًا
وَ دَعَوْتَنِي وَ زَعَمْتُ اَنَّكَ نَاصِحِيْ وَ لَقَدْ صَدَقْتَ وَ كُنْتَ ثَمَّ اَمِيْنًا
وَ عَرَضْتَ دِيْنًا لَا مَحَا لَةَ اِنَّهٗ مِنْ خَيْرِ اَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ دِيْنًا
لَوْ لَا الْمَلَامَةُ اَوْ حِذَارِيْ سَبَّةً
لَوَجَدْتَنِيْ سَمْحًا بِذٰكَ مُبِيْنًا

یعنی ــــ اللہ کی قسم یہ لوگ جب تک مَیں نہ مرجاؤں تیرے پاس نہ پھٹکیں گے۔ تُو اپنے امر کو ظاہر کردے۔ تجھے کوئی ذلت نہ ہوگی۔ خوش ہو اور اپنا جی ٹھنڈا رکھ اور تو نے مجھے دعوت دی اور مجھے یقین ہے کہ تو میرا خیرخواہ ہے۔ یقیناً تو سچا ہے اور اس کے علاوہ تو امین بھی ہے۔ بے شک تُو نے ایسا دین پیش کیا جو مخلوقات کے دینوں سے افضل ہے۔ اگر ملامت قوم اور بدنامی کا ڈر مجھے نہ ہوتا تو مجھے اس دین کا ماننے اور ظاہر کرنے والا ضرور پاتا۔

نیز ابو طالب کے یہ فقرات بھی قابل غور ہیں۔ جو اُس نے موت کے وقت خطبہ طویل کے بعد کہے:

"وَ اِنِّي اُوْصِيْكُمْ بِمُحَمَّدٍ خَيْراً فَاِنَّهُ الْاَمِيْنُ فِي قُرَيْشٍ وَالصِّدِيْقُ فِي الْعَرَبِ قَدْ جَاءَنَا بِاَمْرٍ قَبِلَهُ الْجِنَانُ وَ اَنْكَرَهُ اللِّسَانُ مَخَافَةَ الشَّنَانُ۔" (مواہب لدینہ و زرقانی شرح مواہب جلد نمبر ا صفحہ ۳۵۶)

یعنی ــــ تم کو محمدؐ سے اچھا سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ کیونکہ وہ قریش میں امین ہے اور عرب میں صدیق ہے۔ وہ ایسا امر لایا جس کو دل نے

تو مانا پر زبان سے بعد نامی کے ڈر سے اس کا انکار کیا۔"

سر محمد ظفراللہ خاں اور ایک روسی دہریہ

پاکستانی قوم کی یہ انتہائی بد قسمتی ہے کہ اس میں جہالت اور تعصب کو وہ عروج حاصل ہے کہ جس کے باعث یہ قوم اپنے محسنوں کی قدر و قیمت نہ صرف یہ کہ یہ پہچان نہیں سکتی بلکہ اس کے برعکس اس نے اُن لوگوں کو سینے سے لگا رکھا ہے کہ جو تخلیق پاکستان سے قبل اس کو پلیدستان کہتے تھے اور اعلانیہ کہا کرتے تھے کہ کسی ماں نے وہ بچہ نہیں جنا جو پاکستان کی پ بھی بنا سکے اور بقول ظفر علی خاں مدیر "زمیندار" یہ کہا کرتے تھے کہ ہزار جینا اور شوکت (مراد محمد علی جناح قائداعظم اور مولانا شوکت علی) نہرو کی جوتی کی نوک پر قربان ہیں۔

سر محمد ظفراللہ خاں اسلام کا ایک ایسا فدائی اور شیدائی اور عالم عرب کا ایک ایسا محسن تھا کہ انہوں نے اُسے اُس کی زندگی میں بے شمار انعامات سے نہ صرف نوازا بلکہ اپنے نوزائیدہ بچوں کے نام اُس کے نام پر رکھنے میں بجا طور پر فخر محسوس کیا۔

اس مایہ ناز شخصیت کے بارہ میں ڈاکٹر محمد اسحٰق خلیل (زیورک سوئٹزرلینڈ) رقم فرما ہیں:

اللہ کریم اُن کو اپنی لاکھوں رحمتوں اور فضلوں میں لپیٹے۔ سر چودھری محمد ظفراللہ خاں ہم سے رخصت ہو چکے ہیں لیکن کبھی کبھی یوں معلوم ہوتا ہے کہ ابھی وہ ہمارے درمیان بیٹھے وہی ایمان افروز اور روح پرور واقعات سنا رہے تھے۔

بہت لگتا تھا جی محفل میں اُس کی
وہ اپنی ذات میں اِک انجمن تھا

"یو این او" جنرل اسمبلی کے سترھویں اجلاس کی صدارت کے لئے سری لنکا کے حریف امیدوار کی مخالفت کے باوجود ان کا انتخاب معجزانہ سمجھا جاتا تھا۔ اب اُن کی دنیا بھر کی اقوام کے سامنے بحیثیت صدر پہلی تقریر ہونا تھی جس کا آغاز سورہ فاتحہ کے بعد قرآن کریم کی اِن آیات سے ہوا:

"رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِيَ وَ يَسِّرْلِي اَمْرِيْ وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي"

کلام الٰہی سے مغربی لوگ جس قدر متاثر ہوئے تھے اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ شہرۂ آفاق امریکی جریدہ "ٹائم" (TIME) نے اُن کے انتخاب کی تفصیلات دیتے ہوئے انہی آیات کا ترجمہ اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

"اَے اللہ! میرے سینے کو کھول دے اور میرا امر میرے لئے آسان کر دے
اور میری زبان کی عقدہ کشائی فرما۔ اس طرح کہ وہ میری بات سمجھیں۔"
(سورہ طٰہٰ رکوع دوم)

ایک اور واقعہ

"یو این او" ہی کا ایک اور واقعہ مجھے موصوف کی زبان سے سننے کا موقع ملا —— اُن دِنوں روس نے نیا نیا ایک مصنوعی سیارہ فضا میں چھوڑا تھا جو معینہ پروگرام کے مطابق واپس پہنچ گیا، روس کے اس تجربے کی بڑی دھوم دھام بلکہ فخر و تفاخر تھا۔ روس والوں کا ہستی باری تعالیٰ سے انکار تو معلوم ہی ہے لیکن ادھر خداوند کریم پر چودھری صاحب اَیسے راسخ العقیدہ کا ایمان بھی زبان زدِ عام تھا۔ اقوام متحدہ ہی کی عمارت میں روسی نمائندے نے چودھری صاحب کو دیکھتے ہی کہا —— کہ "ہمارا مصنوعی سیارہ فضا میں چکر لگا کے آ گیا ہے وہاں اُسے کوئی خدا نظر نہیں آیا۔ چودھری صاحب نے اُنہیں قرآن کریم کی زبانی ہی جواب دیا کہ یہ خام خیالی نئی بات نہیں۔ خود فرعون کو بھی یہی خیال تھا کہ خدا کہیں اوپر موجود ہو تو ہو یا وہاں بھی نہ ہو۔

آپ نے فوراً اُن کے جواب میں قرآن کی یہ آیت پیش فرمائی۔

"وَ قَالَ فِرْعَوْنُ يٰاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِیْ فَاَوْقِدْ لِیْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْۤ اَطَّلِعُ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى وَ اِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ○ (سورہ قصص آیت نمبر۳۶)

دین متین کی تبلیغ و اشاعت کا جذبہ رکھنے والوں کے لئے یہ واقعہ کس قدر مؤثر اور قابلِ تقلید ہے۔

امیر معاویہؓ کی ایک بدوی دُلہن

ادبی روایات میں آتا ہے کہ دولتِ امویہ کے بانی مبانی امیر معاویہؓ ایک بادیہ نشین عورت کو بڑے شوق سے بیاہ کر دمشق اپنے محل میں لے آئے۔ امیر معاویہؓ کا خیال تھا کہ اُنہوں نے اس بادیہ نشین عورت سے شادی کر کے اور اُسے جنگل سے شہر میں لا بسا کر اس پر بڑا احسان کیا ہے اور اس کی قدر و منزلت کو دوبالا کر دیا ہے۔ لیکن ایک دن جبکہ وہ اُس کے کمرے کے پاس سے گزر رہے تھے تو اُسے درج ذیل اشعار پڑھتے سن کر اُن کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ یہ اشعار

(WORD PICTURE) یعنی لفظی تصویر اور (IMAGERY) شاعرانہ تخیل کا ایک نادر نمونہ ہیں۔ اس لئے اب تک عربی ادب میں محفوظ ہیں۔ یہ اشعار اس لحاظ سے بھی بہت بلند پایہ ہیں کہ ان میں دیہاتی اور شہری زندگی کے تقابل کی ایک حسین و دلکش تصویر پیش کی گئی ہے ۔

لَبَیْتٌ تَخْفُقُ الْاَرْوَاحُ فِیْہِ
اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ قَصْرٍ مُنِیْفِ
وَ لُبْسُ عَبَاءَۃٍ وَ تَقِرُّ عَیْنِی
اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ لَبْسِ الشُّفُوفِ
وَاَکْلُ کُسَیْرَۃٍ مِنْ کِسْرِ بَیْتِی
اَحَبُّ اِلَیَّ مَن اَکْلِ الرَّغِیْفِ
وَاَصْوَاتُ الرِّیَاحِ بِکُلِّ فَجٍّ
اَحبُّ اِلَّی مَنَ نَقْرِ الدُّفُوفِ
وَ کَلْبٌ یَنْبَحُ الطُّرَّاقَ دُوْنِی
اَحَبُّ اِلَّی مِن قِطٍّ اَلُوفِ
و بِکرٍ یَتْبَعُ الْاَظْعَانَ صَعْبٌ
اَحَبُّ اِلَّی مِن بَغْلٍ زَفُوفِ
وَ خَرْقٌ مِن بَنِی عَمٍّ نَحِیْفٍ
اَحَبُّ اِلَّی مَن عِلْجٍ عَلِیْفِ

ترجمہ: "وہ خیمہ جو ہواؤں کے باعث پھڑپھڑا رہا ہے مجھے ایک عالیشان محل سے زیادہ پسند ہے۔"

- "بالوں سے بنی ہوئی اوڑھنی جسے پہن کر میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں مجھے باریک و شفاف کپڑوں سے زیادہ مرغوب ہے۔"
- "اپنے گھر کا روکھا سوکھا ٹکڑا مجھے (شہری) نان سے کہیں زیادہ عزیز ہے۔"
- "ہواؤں کے باعث خیمے کے اطراف و جوانب کی پھڑپھڑاہٹ مجھے ڈھولک کی آواز سے کہیں زیادہ پیاری ہے۔"
- "ہمارا گھریلو کتا جو رات کے وقت آنے والوں کو بھونکتا ہے مجھے شہری پالتو بلی سے کہیں زیادہ اچھا لگتا ہے۔"
- "ایک نوجوان اونٹ جو اونٹنیوں کے پیچھے دوڑ رہا ہے۔ مجھے ایک سبک رفتار خچر سے کہیں زیادہ دلکش لگتا ہے اور

○ "اپنا ایک لاغر و دبلا پتلا کم عقل چچیرا رشتہ دار مجھے اس موٹے تازے کافر سے بدرجہا زیادہ اچھا لگتا ہے۔"

حاضر جوابی کی نادر مثالیں

فصاحت و بلاغت کلام ایک ایسا جوہر ہے جس کی تاثیر نہایت دلکش و دلنشیں ہوتی ہے۔ سُننے والے پر اُس کا اثر جادو کی طرح ہوتا ہے اور مد مقابل کا منہ اُس سے بالکل بند ہو جاتا ہے۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جوامع الکلم میں فرمایا ہے کہ اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃً وَ اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا ـــــ یعنی بعض اشعار اعلیٰ درجہ کی حکمت پر مبنی ہوتے ہیں اور بعض اچھی قسم کے طرز بیان جادو کا کام دیتے ہیں:

۱۔ ادبی روایات میں آتا ہے کہ ایک دفعہ دو بدوی میاں بیوی کسی حاکم وقت کے پاس اپنا تنازعہ لے کر گئے اور بیوی نے ذرا گستاخی سے کام لیا تو خاوند نے کہا اَزَوْجَۃٌ تَعْتَدِی عَلٰی زَوْجِھَا" ـــــ یعنی کیا تو بیوی ہو کر اپنے خاوند کی شان میں اس طرح گستاخی کرتی ہے؟" اس پر عورت نے ذرا اور دلیر ہو کر کہا ـــــ نَعَمْ وَلِمَ لَا" ـــــ ہاں کیوں نہیں ـــــ اس پر خاوند اس سے یوں مخاطب ہوا ـــــ اُسْکُتِی فَوَاللّٰہِ مَا شَعْرُكِ بِوَارِدٍ وَ لَا فُوْكِ بِبَارِدٍ وَ لَا ثَدْیُكِ بِنَاھِدٍ وَ لا بَطْنُكِ بِوَالِدٍ وَ لَا الْخَیْرُ فِیْكِ بِزَائِدٍ وَ لَا الشَّرُّ فِیْكِ بِوَاحِدٍ وَمَا اَنَا لَكِ بِحَامِدٍ وَ لَا بَعْدَ مَوتِكِ بِوَاجِدٍ ـــــ یعنی بخدا تو خاموش رہ کیونکہ نہ تو ترے گیسو دراز ہیں اور نہ ترے منہ میں کوئی ٹھنڈک و طراوت ہے۔ نہ تیرے سینے میں دلکشی ہے اور نہ تیری کوکھ ہی جنم کے قابل ہے۔ تجھ میں کوئی غیر معمولی خوبی نہیں ہے اور تجھ میں ایک نہیں بلکہ متعدد برائیاں ہیں۔ میں تیری تعریف ہرگز نہیں کر سکتا اور اگر تو مر جائے تو مجھے تیری موت کا کوئی غم نہیں ہو گا۔ حاکم وقت خاوند کی اس فصاحت و بلاغت پر عش عش کر اٹھا اور بیوی کی یہ حالت تھی کہ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔

۲۔ ایک بدوی عورت ایک جھگڑ والے دن میں بنو نمیر کی ایک مجلس کے پاس سے گزری تو ایک نمیری نے اسے مخاطب کر کے کہا ـــــ یَا اَعْرَابِیَّۃُ اِنَّكِ لَرَسْحَاءُ ـــــ یعنی اے بدوی عورت تجھ میں ایک نسوانی عیب پایا جاتا ہے۔ اس پر اُس عورت نے اُسے فی البدیہہ کہا۔ اے بنو نمیر! بخدا نہ تو تم نے خدا کی بات مانی اور نہ ہی شاعر کی۔ خدا تعالیٰ کہتا ہے ـــــ قُلْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ ـــــ یعنی مومنوں سے کہو کہ وہ اپنی آنکھیں نیچی رکھیں۔ اور شاعر نے تمہارے متعلق کہا ہے کہ ؎

فَغَضِّ الطَّرْفَ اِنَّکَ مِنْ نُمَیْرٍ
فَلَا کَعْبًا بَلَغْتَ وَ لَا کِلَابًا

یعنی اے نمیری! تُو اپنی آنکھ نیچی کر۔ کیونکہ خاندانی لحاظ سے تیرا سلسلہ نسب نہ تو بنو کعب تک پہنچتا ہے اور نہ ہی بنو کلاب تک (جو عرب کے معزز قبائل شمار ہوتے ہیں)

۳۔ ایک دن حضرت عمرو بن عاص گورنر مصر امیر معاویہؓ کے پاس آئے تو انہیں دیکھتے ہی امیر معاویہؓ نے یہ شعر پڑھا ؎

یَمُوْتُ الصَّالِحُونَ وَ اَنْتَ حَیٌّ
تَخَطَّاکَ الْمَنَایا لَا تَمُوْتُ

یعنی نیک لوگ مر رہے ہیں اور تو ابھی تک زندہ ہے۔ موتیں تجھے پھلانگ جاتی ہیں اس لئے تُو مرتا نہیں ہے۔ اس پر حضرت عمرو بن عاص نے امیر معاویہ کو فی البدیہہ جواب دیا ؎

فَلَسْتُ بِمَیِّتٍ مَادُمْتَ حَیًّا
وَ لَسْتُ بِمَیتٍ حَتّٰی تَمُوْتَ

یعنی جب تک تُو زندہ ہے میں نہیں مروں گا اور تیرے مرنے کے بعد میں مروں گا۔

تاریخ بتلاتی ہے کہ عملاً ایسا ہی ہوا۔ کیونکہ جب امیر معاویہؓ فوت ہوئے تو حضرت عمرو بن عاص نے انہیں لحد میں اتارا تھا۔

ایک شعری مقابلہ

ایک دن جریر فرزوق اور اخطل تینوں ہمعصر شعراء خلیفہ عبدالملک کے دربار میں جمع تھے کہ عبدالملک نے انہیں کہا کہ آج تم تینوں میں سے جو اپنی مدح میں ایک ایسا شعر کہے گا جو دوسرے کا منہ بند کر دے تو مَیں اسے ایک خصوصی انعام دوں گا۔ اس پر سب سے پہلے فرزوق بولا۔

اَنَا الْقَطِرَانُ وَالشُّعَرَاءُ جَرْبٰی
وَ فِی الْقَطِرَانِ لِلْجَرْبٰی شِفَاءٌ

یعنی مَیں گندھک ہوں اور باقی شعراء خارش زدہ ہیں اور گندھک میں خارش زدوں کے لئے شفا ہے۔

دوسرے نمبر پر اخطل کھڑا ہوا اور اس نے فی البدیہہ یہ شعر سنایا۔

فَانْ تَكُ زِقَّ زَامِلَةٍ فَاِنِّی
اَنَا الطَّاعُوْنُ لَیْسَ لَهُ دَوَاءٌ

یعنی اگر تُو خارش سے لنگڑا کر چلنے والے اُونٹوں کے لئے ایک گندھک کا مشکیزہ ہے تو مَیں وہ طاعون ہوں جس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

اور آخر میں جریر نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا۔

اَنَا الْمَوْتُ الَّذِی اٰتِی عَلَیْکُم
فَلَیْسَ لِهَارِبٍ مِنْهُ نَجَاءٌ

یعنی میں وہ موت ہوں جو تم سب کو ہڑپ کر جانے والی ہے اور اس سے بھاگ کر کوئی بچ نہیں سکتا ہے۔

اس پر عبدالملک نے جریر کے حق میں فیصلہ دیا اور انعام اُس کے سپرد کر دیا۔

خلیفہ مہدی اور شاعر ابوالعتاہیہ

ایک ادبی روایت میں آتا ہے کہ ایک دن خلیفہ مہدی اپنا دربارِ عام لگا کر بیٹھا تو لوگوں نے آنا شروع کر دیا۔ اشجع سلمی کہتا ہے کہ ہم سب شعراء بھی دربار میں پہنچے تو اتفاق سے بشار بن برد شاعر میرے پہلو میں آ بیٹھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم نے دربار میں کچھ حرکت ہوتی دیکھی تو بشار نے مجھ سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ مَیں نے کہا۔ ابوالعتاہیہ شاعر، اور میرا خیال ہے کہ یہ اپنے اشعار خلیفہ کو سنائے گا۔ چنانچہ جلد ہی ابوالعتاہیہ نے خلیفہ مہدی کی شان میں درج ذیل اشعار پڑھے۔

اَتَتْهُ الْخِلَافَةُ مُنْقَادَةً
اِلَیْهِ تُجَرِّرُ اَذْیَالَهَا
فَلَمْ تَكُ تَصْلَحُ اِلَّا لَهُ
وَ لَمْ یَكُ یَصْلَحُ اِلَّا لَهَا
وَ لَوْ رَامَهَا اَحَدٌ غَیْرَهُ
لَزُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا

یعنی خلافت مطیع و فرمانبردار بن کر اپنے دامن کو سمیٹے ہوئے مہدی کی خدمت میں حاضر ہوئی ہے۔ پس خلافت اس کے سوا کسی کے لائق نہ تھی اور نہ ہی وہ خلافت کے علاوہ کسی اور چیز کا اہل تھا اور اگر اُس کا غیر خلافت کا

قصد کرتا تو زمین تہہ و بالا ہو جاتی۔

اسجع سلمی کہتا ہے کہ اُس دن اگرچہ اور بہت سے شعراء نے بھی اپنا کلام سنایا لیکن سوائے ابو العتاہیہ کے اور کسی کو کوئی انعام نہ ملا۔

خلیفہ مہدی کی کرم نوازی

خلیفہ مہدی کے زمانہ میں شعبہ نامی ایک شخص صرف شاعری کرتا تھا۔ اور اس کے علاوہ اس کا اور کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔ اُس کے بھائی اس کی کفالت کیا کرتے تھے۔ اس کے بھائیوں میں سے ایک نے مہدی سے کچھ غلہ خریدا تاکہ وہ اُسے بیچ کر نفع کمائے اور اصل زر مہدی کو واپس دے دے۔ لیکن بد قسمتی سے اُسے اس سودے میں گھاٹا پڑ گیا اور اصل زر سے بھی کچھ رقم خرچ ہو گئی۔ اس پر مہدی نے اُسے قید کر دیا۔ جب یہ خبر شعبہ کو پہنچی تو وہ خلیفہ مہدی کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے سامنے درج ذیل اشعار پڑھے ۔

أَأَذْكُرُ حَاجَتِي أَمْ قَدْ كَفَانِي
حَيَاءُكَ إِنَّ شِيمَتَكَ الْحَيَاءُ
كَرِيمٌ لَا يُغَيِّرُهُ صَبَاحٌ عَنِ
الْخُلُقِ الْجَمِيلِ وَ لَا الْمَسَاءُ
إِذَا أَثْنَى عَلَيْكَ الْمَرْءُ يَوْمًا
كَفَاهُ مِنْ تَعَرُّضِهِ الثَّنَاءُ

یعنی کیا میں اپنی حاجت بیان کروں یا مجھے آپ کی حیاء ہی کافی ہے۔ کیونکہ آپ عادتاً حیادار ہیں۔ آپ ایک ایسے سخی انسان ہیں کہ جس کو نہ صبح اور نہ ہی شام حسن سلوک سے روک سکتی ہے۔ جب کوئی آدمی آپ کی تعریف کرے تو اس تعریف کے بعد اُسے اپنی حاجت بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اس پر مہدی نے کہا

”لَا يَا أَبَا بُسْطَامْ لَا تَذْكُرْهَا قَدْ عَرَفْنَاهَا وَ قَضَيْنَاهَا لَكَ
اِدْفَعُوْا اِلَيْهِ اَخَاهُ وَ لَا تَاخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا“

یعنی اے ابو بسطام (اس شاعر کی کنیت) مت ذکر کرو۔ ہمیں پتہ چل گیا ہے اور ہم نے اسے تیرے لئے پورا بھی کر دیا ہے۔

پھر مہدی نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ اسے اُس کا بھائی واپس دے دو اور اس سے کسی قسم کا مطالبہ نہ کرو۔

یزید بن حاتم اور ربیعہ

ادبی روایات میں آتا ہے کہ ربیعہ نامی ایک شخص مصر کے ایک رئیس یزید بن سلمٰی کے پاس گیا لیکن اس نے اس شخص کی کوئی مدد وغیرہ نہ کی۔ وہاں سے واپسی پر یہ شخص یزید بن حاتم کے پاس گیا۔ اُس نے اس شخص کی بات تو سنی لیکن کسی ضروری کام میں مشغولیت کے باعث فوراً اُس کی امداد نہ کر سکا جس پر یہ شخص ناراض ہو گیا اور وہاں سے روانگی سے پہلے یہ شعر پڑھا۔

اَرَانِی وَ لَا کُفْرَانَ لِلّٰهِ رَاجِعًا

بِخُفَّی حُنَیْنٍ مَنْ نَوَالِ ابْنِ حَاتِمٍ

یعنی مَیں اللہ تعالیٰ کی ناشکری تو نہیں کرتا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مجھے ابن حاتم کی سخاوت سے حنین کے دو موزے یعنی صرف ناکامی ملی ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد یزید بن حاتم اپنے کام سے فارغ ہو کر واپس آگیا اور ربیعہ کا پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ مندرجہ بالا شعر پڑھ کر یہاں سے چلا گیا۔ اس پر یزید نے فوراً اُس کے پیچھے ایک آدمی دوڑایا۔ جو اُسے واپس لایا۔ جب ربیعہ واپس آیا۔ تو یزید نے اُس نے پوچھا کہ۔ تم نے کیا شعر پڑھا تھا۔ جس پر ربیعہ نے اپنا شعر دوہرایا۔

یزید نے کہا:

شَغَلْنَا عَنْكَ وَ عَجَّلْتَ عَلَیْنَا

یعنی —— ہم کسی کام میں لگ گئے اور تم نے بھی جلد بازی سے کام لیا —— اب اپنے دونوں موزے اتارو —— اور یزید نے ان دونوں کو زر و جواہرات سے بھر دیا اور کہا کہ لو حنین کے دونوں موزوں کی بجائے اب یہ موزے لے جاؤ۔

عوام کالانعام

عثمان وراق راوی ہے کہ میں نے ایک دفعہ شاعر عتابی کو سر بازار کھاتے دیکھا تو اُسے بہت ملامت کی اور کہا کہ تجھے شرم نہیں آتی کہ تو بازار میں سب کے سامنے کھا رہا ہے۔

اس پر عتابی نے کہا:

"لَا تحزَنْ اَیُّھا الصِّدِّیْقُ فھٰؤلاءِ جَمِیْعًا مِنْ صِنْفِ البَقَرْ"
یعنی اے دوست تو بالکل فکر نہ کر یہ سب گائیں بھینسیں ہیں۔
دراق کہتا ہے کہ میں نے عتابی سے کہا۔
"—— یہ تو آدمیت کی سخت توہین ہے کہ تُو انہیں گائے بھینسیں کہتا ہے۔"
اس پر عتابی نے کہا
"—— آؤ میں تمہیں اس کی تصدیق کرادوں۔"
چنانچہ عتابی ایک اُونچی جگہ پر کھڑا ہو گیا اور وعظ کرنا شروع کر دیا اور لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے اور عتابی نے وعظ کے دوران یہ کہا:
"—— لَقَدْ جَاءَ فِی الْاٰثَارِ اَنَّ مَنْ بَلَغَ لِسَانُهٗ اَرْنَبَ اَنْفِهٖ لَمْ یَدْخُلِ النَّارِ"
یعنی —— احادیث میں آتا ہے کہ جس کی زبان اس کی ناک کی نوک کو چھوئے وہ آگ میں داخل نہ ہو گا۔
عتابی کا یہ کہنا تھا کہ ہر ایک نے بلا سوچے سمجھے اپنی زبان نکال کر اُس سے بصد مشکل اپنی ناک کی نوک کو چھونے کی کوشش شروع کر دی۔ جب عتابی نے اپنا وعظ ختم کیا اور سب لوگ چلے گئے تو عتابی نے دراق کو کہا:
"—— بتلاؤ! کیا اب تمہیں میری بات کا یقین آیا ہے یا نہیں؟"

قدیم و جدید کا تنازعہ

ایک بدوی نے اپنی پہلی بیوی کے باوجود دوسری شادی کر لی۔ جس پر نئی بیوی کی لونڈی ایک دن باہر آئی اور پرانی بیوی کے دروازے کے سامنے یہ شعر پڑھا ؎

وَ مَا یَسْتَوِی رِجلَانِ رِجْلٌ صَحِیْحَةٌ
وَ رِجْلٌ رَمَی فِیْهَا الزَّمَانُ فَشَلَّتِ

یعنی —— وہ دو ٹانگیں کیسے برابر ہو سکتی ہیں جن میں سے ایک بالکل درست ہے اور دوسری گردشِ زمانہ کے باعث شل ہو کر رہ گئی ہے۔
اور چند روز کے بعد وہ لونڈی دوبارہ آئی اور پرانی بیوی کے دروازے کے سامنے پھر یہ شعر پڑھا ؎

وَمَا یَسْتَوِی الثَّوْبَانِ ثَوْبٌ بِهِ الْبَلٰی
وَ ثَوْبٌ بِاَیْدِی الْبَائِعِیْنَ جَدِیْدٌ

یعنی وہ دو کپڑے ہرگز برابر نہیں ہو سکتے جن میں سے ایک تو بوسیدہ ہے اور دوسرا بیچنے والوں کے ہاتھ میں نیا ہے

اور ابھی وہ جانے نہ پائی تھی کہ پہلی بیوی کی لونڈی باہر آئی اور اُس نے یہ دو شعر پڑھ کر اس کا حساب چکا دیا۔

نَقِّلْ فُوَادَكَ حَيْثُ شِئْتَ مِنَ الْهَوَى
مَا الحُبُّ اِلاَّ لِلْحَبِيْبِ الْاَوَّلِ

كَمْ مَنْزِلٍ فِى الْاَرْضِ يَالَفُهٗ الْفَتَى
وَ حَنِيْنُهٗ اَبَداً لِاَوَّلِ مَنْزِلِ

یعنی ــــــ اپنے دل کو عشق کے باعث جہاں چاہے گھما پھرا لے لیکن دل کی فریفتگی صرف پہلے محبوب ہی کے لئے مخصوص ہے۔ دنیا میں کس قدر جگہیں ہیں جن سے انسان محبت کر سکتا ہے لیکن اصلی محبت اور شوق اپنے پہلے گھر کے لئے ہمیشہ قائم رہتے ہیں۔

سیاہ و سفید کا مناظرہ

ادبی روایات میں آتا ہے کہ حجاج نے ایک دفعہ دو غلام خریدے جن میں سے ایک سفید تھا اور دوسرا سیاہ۔ ایک دن حجاج کسی اچھے موڈ میں تھا۔ اس لئے اس نے ان دونوں کو طلب کیا اور کہا

"ــــــ تم میں سے ہر ایک اپنی تعریف اور اپنے ساتھی کی مذمت شعروں میں کرے۔"

سیاہ فام غلام آگے آیا اور اُس نے یہ شعر پڑھے۔

اَلَمْ تَرَاَنَّ الْمِسْكَ لَا شَيْءَ مِثْلَهٗ
وَ اِنَّ بَيَاضَ اللِّفْتِ حِمْلٌ بِدِرْهَم
وَ اَنَّ سَوادَالْعَيْنِ لَا شَكَّ نُورُهَا
وَ اَنَّ بَيَاضَ الْعَيْنِ لَا شَيْئَى فَاعْلَم

یعنی ــــــ کیا تجھے علم نہیں کہ کستوری جیسی کوئی چیز نہیں۔ اگرچہ وہ کالی ہے اور سفید شلجم ایک درہم کا ایک ڈھیر مل جاتے ہیں۔ نیز آنکھ کی سیاہی ہی تو اُس کا نور بصیرت ہے اور آنکھ کی سفیدی لاشی محض ہے۔

جس پر سفید فام غلام آگے بڑھا اور اُس نے درج ذیل دو شعر پڑھ کر اپنے ساتھی کا حساب چکا

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْبَدْرَ لَا شَیْیءَ مِثْلَہٗ
وَ اَنَّ سَوادَالْفَحْمِ حِمْلٌ بِدِرْھَمِ
وَ اَنَّ رِجَالَ اللّٰہِ بِیْضٌ وُجُوْھُھُمْ
وَ لَا شَکَ اَنَّ السُّودَ اَھْلُ جَھَنم

یعنی کیا تجھے علم نہیں کہ چاند جیسی خوبصورت اور کوئی چیز نہیں اور وہ سفید ہے اور کوئلے جو کالے ہوتے ہیں۔ ایک درہم کا ایک ڈھیر مل جاتے ہیں اور یہ کہ بندگانِ الٰہی کے چہرے سفید ہوتے ہیں اور بلاشک کالے چہروں والے جہنمی ہوتے ہیں۔

بہترین مدح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

ازبانی سلسلہ عالیہ احمدیہ

قصیدۃ

فِیْ مَدْحِ خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسلَّم ھٰذِہِ الْقَصِیْدَۃُ اَنِیْقَۃٌ رَشِیْقَۃٌ مَمْلُوءَۃٌ مِن اللَّطَائِفِ الْاَدَبِیَّۃِ وَ الْفَرَائِدِ الْعَرَبِیَّۃِ فِی مَدْحِ سَیِّدِی وَ سَیِّدِ الثَّقَلَیْنِ خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ مُحَمَّدُالَّذِی وَصَفَہُ اللّٰہُ فِی الْکِتَابِ الْمُبِینِ اللّٰھُمَّ صلِّ وسلّم عَلَیہِ اِلٰی یَومِ الدِّیْنِ

ترجمہ: یہ قصیدہ نہایت عمدہ اور لطیف ہے اور یہ ادبی لطائف اور عربی زبان کے بے مثل قیمتی موتیوں سے بھرپور ہے۔ یہ میرے پیارے آقا، دوجہاں کے بادشاہ، خاتم النبین، سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں ہے جن کی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تعریف بیان فرمائی ہے۔ اے اللہ! قیامت تک ان پر درود بھیج اور سلامتی نازل فرما۔ امین

۱۔ یَاعَیْنَ فَیْضِ اللّٰہِ وَالعِرْفَانِ   یَسْعٰی اِلَیْکَ الْخَلْقُ کَالظَّمْاٰنِ
۲۔ یَا بَحْرَ فَضْلِ الْمُنْعِمِ الْمَنَّانِ   تَھْوِیْ اِلَیْکَ الزُّمَرُ بِالْکِیْزَانِ
۳۔ یَا شَمْسَ مُلْکِ الْحُسْنِ وَالْاِحْسَانِ   نَوَّرْتَ وَجْہَ الْبَرِّ وَالْعُمْرَانِ
۴۔ یَا مَنْ غَدَا فِیْ نُوْرِہٖ وَ ضِیَائِہٖ   کَالنَّیِّرَیْنِ وَ نَوَّرَ الْمَلَوَانِ

۵۔ اِنِّیْ اَرٰی فِیْ وَجْھِكَ الْمُتَھَلِّلِ	شَاْنًا یَّفُوْقُ شَمَائِلَ الْاِنْسَانِ
۶۔ وَجْهُ الْمُهَيْمِنِ ظَاهِرٌ فِیْ وَجْهِهٖ	وَ شُئُوْنُه لَمَعَتْ بِهٰذَا الشَّانِ
۷۔ فَاقَ الْوَرٰی بِكَمَالِهٖ وَ جَمَالِهٖ	وَ جَلَالِهٖ وَ جَنَانِهِ الرَّیَّانِ
۸۔ لَا شَكَّ اَنَّ مُحَمَّدًا خَیْرُ الْوَرٰی	رِیْقُ الْكِرَامِ وَ نُخْبَةُ الْاَعْیَانِ
۹۔ وَاللّٰهِ اِنَّ مُحَمَّدًا كَرِدَافَةٍ	وَ بِهِ الْوُصُوْلُ بِسُدَّةِ السُّلْطَانِ
۱۰۔ هُوَ فَخْرُ كُلِّ مُطَهَّرٍ وَّ مُقَدَّسٍ	وَ بِهٖ یُبَاهِیْ الْعَسْكَرُ الرُّوْحَانِیْ
۱۱۔ یا حِبِّ اِنَّكَ قَدْ دَخَلْتَ مَحَبَّةً	فِیْ مُهْجَتِیْ وَ مَدَارِكِیْ وَ جَنَانِیْ
۱۲۔ مِنْ ذِكْرِ وَجْهِكَ یَا حَدِیْقَةَ بَهْجَتِیْ	لَمْ اَخْلُ فِیْ لَحْظٍ وَّ لَا فِیْ اٰنِ
۱۳۔ جِسْمِیْ یَطِیْرُ اِلَیْكَ مِنْ شَوْقٍ عَلَا	یَا لَیْتَ كَانَتْ قُوَّةُ الطَّیَرَانِ
۱۴۔ لِلّٰهِ دَرُّكَ یَا اِمَامَ الْعَالَمِ	اَنْتَ السَّبُوْقُ وَ سَیِّدُ الشُّجْعَانِ
۱۵۔ اُنْظُرْ اِلَیَّ بِرَحْمَةٍ وَّ تَحَنُّنٍ	یَا سَیِّدِیْ اَنَا اَحْقَرُ الْغِلْمَانِ
۱۶۔ یَارَبِّ صَلِّ عَلٰی نَبِیِّكَ دَائِمًا	فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا وَ بَعْثٍ ثَانِ

ترجمہ:

۱۔ اے اللہ کے فیض و عرفان کے چشمے! خلقت تیری طرف پیاسے کی طرح دوڑ رہی ہے۔

۲۔ اے انعام و احسان کرنے والے خدا کے فضل کے سمندر! لوگوں کے گروہ کوزے لئے ہوئے تیری طرف لپکے آ رہے ہیں۔

۳۔ اے حسن و احسان کے ملک کے آفتاب! تو نے بیابانوں اور آبادیوں کے چہرے کو منور کر دیا ہے۔

۴۔ اے وہ ہستی جو اپنے نور اور روشنی میں مہر و ماہ کی طرح ہو گئی ہے اور رات اور دن منور ہو گئے ہیں۔

۵۔ بے شک میں تیرے درخشاں چہرے میں دیکھ رہا ہوں ایک ایسی شان جو انسانی خصائل پر فوقیت رکھتی ہے۔

۶۔ آپ کے چہرہ میں خدا کا چہرہ نمایاں ہے اور خدا کی صفات (آپ کی) اس شان سے جلوہ گر ہو گئیں۔

۷۔ آپ ساری خلقت سے اپنے کمال اور اپنے جمال اور اپنے جلال اور اپنے شاداب دل کے ساتھ فوقیت لے گئے ہیں۔

۸۔ بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم خیرالوریٰ، معززین میں سے برگزیدہ اور سرداروں میں سے

منتخب وجود ہیں۔

۹۔ بخدا! بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم (خدا کے) نائب کے طور پر ہیں اور آپ ہی کے ذریعہ دربارِ شاہی میں رسائی ہو سکتی ہے۔

۱۰۔ آپ ہر ایک مطہر اور مقدس کا فخر ہیں اور روحانی لشکر آپ پر ہی ناز کرتا ہے۔

۱۱۔ اے میرے آقا! تو از راہِ محبت میری جان، میرے حواس اور میرے دل میں داخل ہو گیا ہے۔

۱۲۔ اے میری خوشی کے باغ! تیرے چہرے کی یاد سے میں ایک لحظہ اور آن کے لئے بھی خالی نہیں رہا۔

۱۳۔ میرا جسم تو شوق غالب سے تیری طرف اڑنا چاہتا ہے۔ اے کاش! مجھ میں اڑنے کی طاقت ہوتی۔

۱۴۔ آفرین تجھ پر اے دنیا کے امام! تو سب پر سبقت لے گیا ہے اور بہادروں کا سردار ہے۔

۱۵۔ تُو مجھ پر رحمت اور شفقت کی نظر کر۔ اے میرے آقا! میں ایک حقیر ترین غلام ہوں۔

۱۶۔ اے میرے رب! اپنے نبی پر ہمیشہ درود بھیجتا رہ۔ اس دنیا میں بھی اور دوسری دنیا میں بھی۔

از "آئینہ کمالاتِ اِسلام" (تصنیف منیف بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ)

تقسیم عمر

حضرت علی اسلام کے چوتھے خلیفہ راشد اور علامہ دہر تھے۔ آپ ایک بلند پایہ شاعر اور خطیب تھے۔ "نہج البلاغہ" آپ کے فصیح و بلیغ اور نادر خطبوں کا ایک نادر مجموعہ ہے۔ باوجود اس کے کہ آپ کوئی خاص فربہ اندام نہ تھے لیکن پھر بھی بوجہ اپنے "بَسْطَةٌ فِی الْعِلْمِ" ہونے کے آپ کو "الشیخ البطین" کہا جاتا تھا۔ آپ صاحب دیوان شاعر تھے اور آپ کے اشعار نہایت حکیمانہ ہیں۔ ذیل کے پانچ اشعار میں آپ نے عمر کی ایک نہایت عمدہ تقسیم کی ہے۔ اس میں عبرت کا ایک عمدہ سامان ہے ؎

اِذَا عَاشَ الْفَتَی سِتِّیْنَ عَامًا
فَنِصْفُ الْعُمْرِ تَمْحَقُهُ اللَّیَالِی

وِ نِصفُ النِّصْفِ یَذْهَبُ لَیس یَدرِی
لِغَفْلَتِهٖ یَمِیْنًا عَن شِمَالِی

وَثُلْثُ النِّصْفِ اٰمَالٌ وَ حِرْصٌ
وَ شُغْلٌ بِالْمَكَاسِبِ وَالْعَیَال

وَ بَاقِی الْعُمْرِ اَسْقَامٌ وَ شَیْبٌ

وَ هَمٌّ بِارْتِحَالٍ وَ انْتِقَال

فَحُبُّ الْمَرْءِ طُوْلَ الْعُمْرِ جَهْلٌ

وَ قِسْمَتُهٗ عَلٰی هٰذا المِثَالِ

یعنی بالفرض اگر آدمی کی عمر ۶۰ سال ہو تو عمر کے نصف حصہ کو راتیں ختم کر دیتی ہیں اور ۴/۱حصہ اس کی غفلت کے باعث اِدھر اُدھر بے خبری میں اور ۶/۱حصہ عمر کا امیدوں اور آرزوؤں اور کاروبار اور اہل و عیال کے فکر میں گزر جاتا ہے۔ باقی صرف ۱۲/۱بچتا ہے اور وہ بھی بیماریوں، بڑھاپے اور کوچ کر جانے کے ہم و غم میں ختم ہو جاتا ہے۔ پس لمبی عمر کی تمنا ایک جہالت و حماقت ہے۔ کیونکہ عمر خواہ چھوٹی ہو یا بڑی اُس کی تقسیم اسی طریق پر ہے۔

ہارون الرشید اور اصمعی

اصمعی خلیفہ ہارون الرشید کے درباری شعراء میں سے تھا اور اس کے اشعار خلیفہ کو بوجہ ان کے وعظ و نصیحت کے بہت مرغوب خاطر تھے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ خلیفہ نے اپنے مطبخ میں بہت عمدہ کھانا پکوایا اور اس پر اصمعی کو بھی مدعو کیا اور کھانا شروع کرنے سے قبل اُسے کہا کہ اس عمدہ اور لذیذ کھانے کے وقت ہماری حالت کو شعروں میں مرتب کرو۔

اصمعی نے یہ شعر پڑھا۔

عِشْ مَا بَدَا لَكَ سَالِمًا

فِی ظِلِّ شَاهِقَةِ القُصُورِ

یعنی جب تک تو چاہے ان بلند و بالا محلات کے سایہ میں زندہ رہ لے۔

اس پر ہارون الرشید نے کہا تُو نے بہت عمدہ شعر کہا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ پھر کیا ہو گا؟

اصمعی نے درج ذیل شعر پڑھا۔

یُسْعٰی اِلَیْكَ بِمَا اشْتَهَیْتَ

لَدَی الرَّوَاحِ اَوِالْبُکُورِ

یعنی تیرے پاس صبح و شام تیرے پسندیدہ کھانے لائے جائیں گے۔

ہارون الرشید نے کہا۔ بہت اچھا لیکن پھر کیا ہو گا؟ اس پر اصمعی نے درج ذیل دو شعر اور پڑھے۔

فَاِذَا النُّفُوْسُ تَقَعْقَعَتْ
فِی ظِلِّ حَشْرَجَةِ الصُّدُوْرِ
فَهُنَاكَ تَعْلَمُ مُوْقِنًا
مَا كُنْتَ اِلَّا فِی غُرُوْرٍ

یعنی جب بوقت نزع تیری جان کوچ کرنے لگے گی تو اُس وقت تجھے اس بات پر پوری طرح یقین آ جائے گا کہ تُو تو صرف ایک فریب میں مبتلا تھا۔

تقسیم ایام

کسی ادیب نے عربی زبان میں دِنوں کی تقسیم اس طرح کی ہے۔ اَلایَّامُ خَمْسَةٌ یَوْمٌ مَفْقُوْدٌ وَ یَوْمٌ مَشْهُوْدٌ وَ یَوْمٌ مَوْرُوْدٌ وَ یَوْمٌ مَوْعُوْدٌ وَ یَوْمٌ مَمْدُوْدٌ ـــــ یعنی دنوں کی پانچ قسمیں ہیں۔ ایک یوم مفقود ہے۔ یعنی گزشتہ کل جس پر کف دست افسوس ملنے سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ دوسرا یوم مشہود ہے یعنی آج، اور اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ تیسرا یوم مورود ہے۔ یعنی آنے والا کل جس کے متعلق کوئی یقین نہیں ہے کہ آیا تمہیں میسر بھی آئے گا یا نہیں؟ چوتھا یوم موعود ہے۔ یعنی تمہاری عمر کا آخری دن جسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔ اس لئے اُسے ہمیشہ اپنے سامنے رکھو اور پانچواں یوم ممدود ہے۔ یعنی تمہاری اُخروی زندگی۔ یعنی تو اُس کا فکر کر۔ کیونکہ اگر تم اُس کے لئے کوشش کرو گے تو دائمی نعماء کے وارث ہو گے اور اگر کوتاہی کرو گے تو دائمی عذاب تم پر مسلط ہو جائے گا۔

جاحظ اور اُس کا غلام

جاحظ نابغہ دہر تھا۔ یہ دوسری صدی ہجری کے وسط میں بصرہ میں پیدا ہوا۔ اور علم و فضل میں انتہائی کمال کو پہنچا۔ اُس نے ۱۵۹ کتب تصنیف کیں اور اس کی شہرت کے باعث بعض لوگوں نے خود کتابیں لکھ کر اُس کی طرف منسوب کیں جو آٹھ کے قریب ہیں۔ وہ تالیف و تصنیف میں ایسا منہمک رہتا تھا کہ آخری عمر میں جبکہ وہ فالج زدہ تھا اور اپنے کام میں مصروف تھا تو اُس کی تصنیفات کی ضخیم جلدیں اُس کے اُوپر آ گریں اور یہ اُن کے نیچے دب کر مر گیا۔ اس لحاظ سے یہ گویا شہید علم تھا۔ اس کے کمالِ علم کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ابن عمیر کہتا ہے ـــــ تین قسم کے علموں میں لوگ تین آدمیوں کی خوشہ چینی کے لئے مجبور ہیں۔ علم فقہ میں امام ابو حنیفہ کی۔ علم کلام میں ابو الہذیل کی اور فصاحت و بلاغت میں جاحظ کی۔ لیکن خدا کی شان ہے کہ اس قدر ذہین و

قطین انسان کو خدا نے ظاہری شکل و صورت سے نہ صرف یہ کہ کوئی حصہ نہ دیا بلکہ بہت ہی بدصورت پیدا کیا اور اس کی بدصورتی کے بے شمار لطیفے عربی ادب میں درج ہیں۔ جاحظ معتزلی خیال و عقیدہ رکھتا تھا۔ اسی لئے معتزلیوں کے ایک دشمن نے جاحظ کی یوں ہجو کی ہے ۔

لَوْ یُمسَخُ الْخِنْزِیْرُ مَسْخاً ثَانِیًا
مَا کَانَ اِلاَّ دُوْنَ قُبْحِ الْجَاحِظ
رَجُلٌ یَنُوبُ عَنِ الْجَحِیْمِ بِنَفْسِہٖ
وَ ھُوَ الْقُذٰی فِی کُلِّ طَرْفٍ لاَحِظ

یعنی اگر خنزیر کی شکل مسخ ہو جانے سے وہ پہلے سے بھی بدتر پیدا ہو جائے تو بھی وہ جاحظ سے کچھ کم ہی بدصورت ہو گا۔ یہ شخص تو چلتا پھرتا جہنم ہے اور ہر آنکھ کا تنکا ہے۔

اور جاحظ کا اپنا نوکر اُس کی بدصورتی کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ ایک دن کوئی شخص جاحظ سے ملنے آیا اور اُس نے نوکر سے پوچھا کہ جاحظ کہاں ہے۔ تو اُس نے کہا۔ ھُوَ ذَا فِی الْبَیْتِ یَکْذِبُ عَلَی اللّٰہِ یعنی وہ گھر میں ہے۔ اور اللہ پر جھوٹ باندھ رہا ہے ـــــ اُس نے کہا۔ وہ کیسے؟ ـــــ تو نوکر نے کہا ـــــ ھُوَ یَنْظُرُ فِی الْمِراٰۃِ وَ یَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی خَلَقَنِی فَاَحْسَنَ خَلْقَی ـــــ یعنی وہ شیشہ کے آگے کھڑا ہو کر یہ کہہ رہا ہے کہ سب تعریف اُس خدا کی ہے جس نے مجھے پیدا کیا اور مجھے نہایت عمدہ صورت عطا کی ہے۔

کلام و سکوت

انسان حیوانِ ناطق ہے اور کلام اس کے اور حیوان کے درمیان ما بہ الامتیاز ہے۔ اس جوہر کا عقلمندانہ استعمال اُسے انتہائی رفعت و عروج پر لے جاتا ہے اور اُس کا احمقانہ استعمال اسے قعر مذلت میں گرا دیتا ہے۔ اس لئے ایک شاعر کہتا ہے ۔

یُصَابُ الْفَتَی مِنْ عَثْرَۃٍ بِلِسَانِہٖ
وَ لَیْسَ یُصَابُ الْمَرْءُ مِنْ عَثْرَۃِ الرِّجْل
فَعَثْرَتُہٗ بِالْقَوْلِ تُذْھِبُ رَاسَہٗ
وَ فَعَثْرَتُہٗ بِالرِّجْلِ تَبْرَا عَلَی مَھْلٍ

یعنی ـــــ انسان زبان کی لغزش سے مصیبت میں پڑ سکتا ہے اور ٹانگ کی لغزش سے اُسے کسی خاص مصیبت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ کیونکہ ٹانگ کی

لغزش سے اُسے زیادہ سے زیادہ زخم آئے گا جو کچھ عرصہ بعد مندمل ہو جائے گا۔

اسی لئے عربی کی ایک ضرب المثل ہے کہ اِذَا کَانَ الْکَلَامُ مِنْ فِضَّۃٍ فَالسُّکُوْتُ مِنْ ذَھَبٍ یعنی اگر کلام چاندی سے بنا ہوا ہے تو خاموشی سونے سے بنی ہوئی ہے۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ ان ہر دو کا بر موقع و بر محل استعمال ہی انسان کی قدر و منزلت میں اضافہ کر کے اُسے معاشرہ میں محبوب بنا سکتا ہے۔ پس جس طرح بے محابا اور مسلسل کلام سے انسان کا وقار مجروح ہوتا ہے اور ہیبت ضائع ہو جاتی ہے اسی طرح مسلسل خاموشی بھی اُس کے لئے باعث عار و عیب ہے۔ اسی لئے ایک عرب شاعر کہتا ہے ۔

خُلِقَ اللِّسَانُ لِنُطْقِہٖ وَ بَیَانِہٖ
لَا لِلسُّکُوْتِ فَذَاکَ حَظُّ الْاَخْرَسِ
فَاِذَا جَلَسْتَ فَکُنْ مُجِیْبًا سَائِلًا
اِنَّ الْکَلَامَ یَزِیْنُ رَبَّ الْمَجْلِس

یعنی زبان کلام و بیان کے لئے پیدا کی گئی ہے نہ کہ خاموشی کے لئے۔ کیونکہ خاموشی تو گونگے کا مقدر ہے۔ پس اے انسان جب تو کسی مجلس میں ہو تو سوال و جواب کرنے والا بن۔ کیونکہ مجلس میں بیٹھنے والے کی زینت اُس کے کلام سے ہوتی ہے۔

عجز انسانی

انسان اپنے کبر و غرور میں اپنے آپ کو کتنا بڑا سمجھتا ہے لیکن حقیقت میں وہ کس قدر حقیر و ضعیف اور عاجز ہے۔ اس کا پتہ درج ذیل واقعہ سے لگتا ہے۔ عربی ادب کی روایات میں آتا ہے کہ ایک دن خلیفہ منصور اپنی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک مکھی نے اُسے تنگ کرنا شروع کر دیا۔ وہ اُسے اپنے مُنہ سے اُڑاتا اور وہ پھر آ جاتی۔ یہاں تک کہ وہ اس مکھی سے سخت تنگ آ گیا اور اپنے خادم کو حکم دیا کہ جاؤ دیکھو محل کے باہر کوئی عالم ہے تو اُسے بُلا لاؤ ـــــ حُسنِ اتفاق ـــــ اُس وقت وہاں مقاتل بن سلیمان ایک عالم موجود تھا اور خادم نے اُسے لا کر خلیفہ کے سامنے پیش کر دیا۔ منصور نے اُس سے پوچھا

"ـــــ بتاؤ! اللہ تعالیٰ نے مکھی کو کس حکمت کے ماتحت پیدا کیا ہے؟"

مقاتل نے اُسے فی البدیہہ جواب دیا

"لِیُذِلَّ بِہِ الْجَبَابِرَۃَ"
یعنی خدا تعالیٰ نے مکھی کو اس لئے پیدا کیا کہ اس کے ذریعہ سے جابروں کو ذلیل کرے۔
اور منصور چونکہ اس حالت کا مزہ ابھی ابھی چکھ چکا تھا اس لئے اُس نے بھی فی الفور کہا ——
"صَدَقْتَ" —— یعنی تُو نے بالکل ٹھیک بات کہی ہے۔

رمضان — عبادتِ الٰہی کے عروج کا مہینہ

اَتَی شَھْرُ الصِّیَامِ بِبَرْکَۃِ اللّٰہِ — فَاَھْلاً بِالصِّیَامِ کَرَحْمَۃِ اللّٰہِ
اِذَا مَا کُنْتَ تَبْغِی اَنْ تَکُونَ — وَ جِیْھًا کَامِلاً فِی حَضْرَۃِ اللّٰہِ
فَلَا تَنْسَ الصِّیَامَ فَاِنَّ ھٰذَا — یَقِیْکَ عَنِ الذُّنُوبِ کَجُنَّۃِ اللّٰہِ
عَلَیْکَ بِالصِّیَامِ فَاِنَّ صَوْمًا — یُصَبِّغُکَ الْجَمِیْعَ بِصِبْغَۃِ اللّٰہ
فَھٰذَا الشَّھْرُ لَیْسَ لَہٗ نَظِیْرٌ — لِاِدْنَاءِ الاٰلٰہِ وَ قُرْبَۃِ اللّٰہ
وَ اَلْزِمْ قِرَاۃَ اَلْقُرْاٰنِ فِیْہِ — فَفِیْہِ لَکَ الشِّفَاءُ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہ
فَصُمْ وَاعْبُدْ بِاِخْلَاصِ وَ شَوْقِ — فَرَمَضَانُ زَمَانُ عِبَادَۃِ اللّٰہ
وَ قَصْدُ الصَّوْمِ تَطْھِیْرُ النُّفُوْسِ — وَ اِمْلَاءُ القُلُوبِ بِخَشْیَۃِ اللّٰہ
فَھَاذَا قَدْ اَتَاکَ اَوَانُ قُرْبِ — فَاَھْلِکْ نَفسَکَ فِی اِطَاعَۃِ اللّٰہ
وُ اَیْقِظْ طِیْلَ ھٰذَا الشَّھْرِ اَھْلَکْ — وَ حَرِّضْ کُلَّھُمْ لِعِبَادَۃِ اللّٰہ
وَ بَذْلُ الْمَالِ فِی رَمَضَانَ خَیْرٌ — وَ یُدْخِلُ لَازِمًا فِی حِمَایَۃِ اللّٰہ
تَنَحَّ عَنِ الذُّنُوب فَاِنَّ ھٰذَا — یُوَرِّثُکَ یَقِیْنًا جَنَّۃَ اللّٰہ
فَلَا تَنْسَ مِنَ الشَّھْرِ نَصِیْبَکَ — فَخُذْمَا طَاب لَکْ بِمَشِیْئَۃِ اللّٰہ
فَلَا رَمَضَانَ اِلَّا بَعْدَ عَامِ — وَ کَیْفَ تَعِیْشُ اِلَّا بِقُدْرَۃ اللّٰہ

(ترجمہ) ماہ رمضان اللہ تعالیٰ کی برکتیں لے کر آگیا ہے۔ پس ہم روزوں کو
اللہ تعالیٰ کی رحمت سمجھ کر اُن کا استقبال کرتے ہیں۔ اگر تمہاری خواہش ہو
کہ تم اللہ تعالیٰ کے حضور کامل معزز بن جاؤ۔ پس روزوں کو مت بھولو
کیونکہ یہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی ڈھال کی طرح گناہوں سے بچائیں گے۔
تمہیں روزے ضرور رکھنے چاہئیں کیونکہ روزے رکھنا تمہیں مکمل طور پر
اللہ کے رنگ میں رنگین کردے گا۔ پس اس مہینہ کا کوئی نظیر و مثیل اللہ
تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے میں نہیں ہے۔ اس مہینہ میں قرآن پڑھنا بھی

لازم قرار دو۔ کیونکہ تیرے لئے قرآن میں شفاء اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ پس تو روزہ رکھ اور اخلاص اور شوق سے عبادت کر کیونکہ رمضان عبادت الٰہی کا مہینہ ہے۔ روزے کا مقصد نفوس کو پاک کرنا اور دلوں کو اللہ تعالیٰ کے خوف سے بھر دینا ہے۔ پس دیکھو قرب الٰہی کا وقت تمہارے پاس آ گیا ہے پس اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں فنا کرو اور سارا مہینہ اپنے گھر والوں کو بیدار کرو اور ان سب کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ترغیب دو۔ رمضان میں مال خرچ کرنا بہت بہتر ہے اور یہ لازماً حفاظت الٰہی میں لاتا ہے۔ گناہوں سے بچو کیونکہ ایسا کرنا یقیناً تمہیں اللہ تعالیٰ کی جنت کا وارث بنا دے گا۔ پس اس مہینہ سے اپنا حصہ لینا مت بھولو اور اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ماتحت جو تمہیں پسند ہو حاصل کرو کیونکہ رمضان سال سے پہلے پھر نہیں آئے گا اور تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بغیر کیسے زندہ رہ سکتا ہے۔

(محمد اسحٰق صوفی مؤلف کتاب ہذا)

ابو نواس کے شعر کی تشریح

ابو نواس خلیفہ ہارون الرشید کا درباری مصاحب و ندیم تھا۔ روایات میں آتا ہے کہ ایک دن اُس کا گزر ایک مدرسہ کے پاس سے ہوا تو اُس نے ایک بچہ کو اپنے اُستاد سے یہ کہتے سنا کہ جناب! کیا آپ کو علم ہے کہ ابو نواس کے اس شعر میں کیا حکمت ہے ۔

اَلَافَاسْقِنِی خَمْراً وَ قُلْ لِی هِیَ الْخُمْرُ
وَ لَا تُسْقِنِی سِراً اِذَا اَمْکَنَ الْجَهْرُ

یعنی مجھے شراب پلاؤ اور کہو کہ یہ شراب ہے اور اگر اعلانیہ پلانا ممکن ہو تو پھر پردہ میں نہ پلاؤ۔

اُستاد نے کہا کہ مجھے تو علم نہیں ہے ـــــ اس پر ابو نواس کھڑا ہو گیا اور اس پر بچہ کی تشریح کو سننے لگا جو اُس نے یوں بیان کی۔

"ـــــ جناب! ابو نواس نے یہ کہہ کر اپنے حواس خمسہ کی لذت کی تکمیل چاہی ہے۔ کیونکہ شراب کو پینے سے پہلے آنکھ اُسے دیکھ کر محظوظ ہوئی اور پکڑنے سے چھونے کی حس مکمل ہوئی اور پینے کے ساتھ چکھنے اور سونگھنے کی حسیں لذت آشنا ہوئیں۔ اب صرف سننے کی حس باقی رہ گئی تھی۔ اس

لئے اُس نے یہ کہہ کر —— "کہو یہ شراب ہے" —— سننے کی حس کو بھی شامل کر کے حواس خمسہ کو لذت آشنا کرنا چاہا ہے۔"

یہ تشریح سن کر ابو نواس نے بچہ کو شاباش دی اور کہا کہ "—— بخدا تُو نے مجھے میرے شعر کا وہ مفہوم بتلایا ہے جو خود مجھے بھی معلوم نہ تھا۔"

اور پھر اُس نے ایک اور شاعر کا شعر پڑھا جو یوں تھا۔

فَشَمَمْتُهَا وَ رَأَيْتُهَا وَ لَمَسْتُهَا
وَ شَرِبْتُهَا وَ سَمِعْتَ حُسْنَ صِفَاتِهَا

یعنی مَیں نے شراب کو سونگھا۔ اُسے دیکھا، چھوا اور اُسے پیا اور اُس کی اچھی صفات کو کان سے سنا۔

ایک شاعرہ کا ترکی بہ ترکی جواب

محمد بن یحییٰ کی لونڈی محسنہ برکیہ شاعرہ تھی۔ ایک دن ابو نواس نے شعر کے بارہ میں اُس کا امتحان لینے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ وہ اُس کے پاس آیا اور اُس کے سامنے یہ شعر پڑھا۔

لَيُحْسِنَنَّكَ صَنِيْعُ
لَهٗ الْقُلُوْبُ تُرِيْعُ

یعنی تیرے ساتھ تیرا کوئی پروردہ ایک احسان کرے گا جس سے دل مطمئن ہوں گے۔

اس پر محسنہ برکیہ نے اُسے فی البدیہہ جواب دیا

اَبُو نَوَاسْ اَلْخَلِيْعُ لَهٗ الْكَلَامُ الْبَدِيْعُ
وَ اَوْحَدُ النَّاسِ شِعْراً لَهٗ اَقَرَّ الْجَمِيْعُ

یعنی ابو نواس ایک خبیث اور بدمعاش انسان ہے لیکن اس کا کلام بہت عمدہ ہے۔ شعر کہنے کے لحاظ سے وہ لوگوں میں یکتا ہے اور اس کا سب کو اعتراف ہے۔

اِس پر ابو نواس بہت شرمندہ ہوا اور وہاں سے اپنا سامنہ لے کر واپس آگیا۔

قاتلِ رسولؐ عاشقِ رسولؐ

تاریخ اسلام سے ادنیٰ سی واقفیت رکھنے والا انسان بھی یہ جانتا ہے کہ حضرت عمرؓ جس دن

اسلام لائے وہ وہی دن تھا کہ جس دن آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادہ سے گھر سے نکلے تھے لیکن قرآنِ پاک کی تلاوت کی تاثیر نے آپ کو عاشقانِ محمدؐ میں شامل کر دیا اور پھر عشق بھی وہ کہ جو معشوق کی وفات کے باوجود بھی کم نہ ہوا۔ بلکہ بڑھتا ہی چلا گیا اور جس کا اظہار کسی نہ کسی پیرایہ میں وقتاً فوقتاً ضرور ہوتا رہتا۔ ایسے ہی مواقع میں سے ایک موقعہ پر اپنے زمانہ خلافت میں جبکہ آپ ایک سفر پر تھے۔ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد نے بہت تڑپایا۔ تو آپ نے نہایت ترنم کے ساتھ یہ شعر پڑھا۔

وَ مَا حَمَلَتْ مِنْ نَاقَةٍ فَوْقَ ظَهْرِهَا
اَبَرَّ وَ اَوْفٰی ذِمَةً مِن مُحَمَّدٍ

یعنی کسی اونٹنی نے کبھی محمدؐ سے زیادہ راست باز اور وعدہ پورا کرنے والے کو اپنی پیٹھ کے کجاوے پر نہیں بٹھایا ہے۔

حضرت عمرؓ خود شاعر نہ تھے اور نہ ہی حضرت علیؓ کی طرح آپ کا کوئی دیوان ثابت ہے لیکن فہم شعر کا لطیف ذوق آپ کو حاصل تھا۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ نابغہ ذبیانی اشعرالعرب ہے اور امراؤالقیس کندی کے متعلق آپ کی رائے یہ تھی کہ وہ سب سے آگے ہے اور شعر کے چشمہ سے صحیح معنوں میں پانی اُسی نے نکالا ہے۔

اخلاقِ فاضلہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کے مقاصد عالیہ میں سے ایک مقصد یہ بیان کیا ہے کہ "بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ" یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے اخلاق فاضلہ کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا ہے۔ اسلامی روایات میں آتا ہے کہ جب ایک جنگ میں سفانہ بنت حاتم طائی اپنی قوم کے ساتھ قید ہو کر حضورؐ کے سامنے آئی تو وہ حضورؐ سے یوں گویا ہوئی۔

"هَلَكَ الْوَالِدُ وَ غَابَ الْوَافِدُ فَاِنْ رَاَيْتَ اَنْ تُخَلِّي عَنِّي فَاَنْتَ اَهْلٌ لِذَالِكَ وَ لَا تُشْمِتُ بِيْ اَحْيَاءَ الْعَرَبِ فَاِنَّ اَبِي سَيِّدُ قَوْمِهٖ كَانَ يَفُكُّ الْعَانِي وَ يَحْمِي الذِّمَامَ وَ يُفَرِّجُ مَنِ الْمَكْرُوْبِ وَ يُطْعِمُ الطَّعَامَ وَ يُفْشِي السَّلَامَ وَ لَمْ يَطْلِبْ عَلَيْهِ طَالِبٌ قَطُّ حَاجَةً فَرَدَّهُ اَنَا ابْنَةُ حَاتِمِ طَيٍّ"

میرا والد فوت ہو چکا ہے اور کوئی قاصد اب میرے پاس ہے نہیں۔ پس اگر آپ مجھے آزاد کر دیں تو یہ آپ کی شان کے شایان ہے۔ قبائل عرب کو

آپ مجھ پر نہ ہنسائیں کیونکہ میرا باپ اپنی قوم کا سردار تھا۔ وہ غلاموں کو آزاد کیا کرتا تھا۔ مہمان نوازی اُس کا دستور تھا اور امن و سلامتی اُس کا نصب العین تھا۔ کبھی کوئی حاجت مند اُس کے دروازہ پر نہیں آیا جس کی اُس نے حاجت برار ی نہ کی ہو۔ مَیں حاتم طائی کی بیٹی ہوں۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا

"—— یَاجَارِیَۃُ ھٰذِہٖ صِفَۃُ الْمُومِنِ لَوْکَانَ اَبُوكِ اِسْلاَمِیاً لَتَرَحَّمْنَا عَلَیْہِ خَلُّوا عَنْھَا فَاِنَّ اَبَاھَا۔ کَانَ یُحِبُّ مَکَارِمَ الْاَخلاَقِ——"

یعنی اے بچی! یہ سب صفات (جو تُو نے گنی ہیں) ایک مومن کی ہیں۔ اگر تیرا باپ مسلمان ہوتا۔ تو ہم اُس کے لئے ضرور دعائے مغفرت کرتے۔"

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو حکم دیا۔

"—— اس کو آزاد کردو۔ اس کا باپ اخلاقِ فاضلہ کو پسند کرتا تھا۔"

درس عبرت

خلیفہ منصور نے عمرو بن عبیدؒ سے کہا۔

"—— کچھ بیان فرمایئے جس میں میرے لئے سامانِ عبرت ہو۔"

"—— آنکھوں دیکھی چیزیں ہوں یا سنی ہوئی۔" عمرو بن عبیدؒ نے دریافت فرمایا۔

"—— آنکھوں دیکھی" —— خلیفہ منصور نے جواب دیا۔ عمرو بن عبیدؒ نے کہا۔

"—— حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا جس وقت انتقال ہوا اُس وقت آپ کے گیارہ بیٹے تھے۔ وفات کے بعد آپ کے ترکے کا حساب لگایا گیا تو وہ صرف سترہ دینار تھے جس میں سے پانچ دینار میں آپ کی تجہیز و تکفین کا سامان ہوا اور دو دینار میں قبر مبارک کے لئے جگہ خریدی گئی اور بقیہ دس دینار آپ کے گیارہ صاحبزادوں میں تقسیم ہوئے۔

اور ہشام بن عبدالملک کی وفات کے وقت ان کے بھی گیارہ بیٹے تھے۔ وفات کے بعد ترکہ تقسیم ہوا۔ تو ہر ایک کے حصے میں ایک ایک لاکھ دینار آئے۔

اب کیفیت یہ ہے کہ مَیں نے عمر بن عبدالعزیزؒ کے ایک صاحبزادے کو دیکھا کہ اُس نے ایک ہی دن میں سو گھوڑے خدا کی راہ میں صدقہ کیا اور ہشام کے ایک صاحبزادے کو دیکھا کہ وہ سرراہ کھڑا صدقہ کے مال کی بھیک مانگ رہا تھا۔"

(مرسلہ: مسرت نور باجوہ)

دربارِ نبویؐ سے سرٹیفکیٹ

ایک بار صحابہؓ میں کسی لونڈی کے مسلمان ہونے کا معاملہ زیر بحث تھا۔ معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پہنچا۔ حضورؐ نے اُس سے پوچھا۔ خدا کہاں ہے؟ لونڈی نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ اس پر حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "مُوْمِنَةٌ وَ رَبُّ الْكَعْبَةِ" رب کعبہ کی قسم یہ مومنہ ہے۔

الیواقیت والجواہر حضرت عبدالوہاب شعرانیؒ المتوفی ۱۵۶۱ء مبحث ۸ جلد اصفحہ ۶۴)

اس ملک کے سنجیدہ، شریف النفس اور محب اسلام مسلمان دربار نبوی کے اس سرٹیفکیٹ پر غور کریں اور پھر اس وطن عزیز کے تکفیر باز ملاؤں کی حرکتوں پر غور کریں۔ اگر صرف خدا تعالیٰ پر ایمان لانے والی لونڈی کو آنحضرت صلعم خدا کی قسم کھا کر اس کے مومنہ ہونے کا سرٹیفکیٹ دیتے ہیں تو وہ لوگ جو اس سے زیادہ دعویٰ ایمان رکھتے ہیں ان کو ملاں کافر کیسے کہہ سکتے ہیں؟ سچے مسلمان خود فیصلہ کریں کہ انہوں نے ملاں کی بات ماننی ہے یا رسولِؐ خدا کی؟

آشناؤں کی لڑائی

ایک مجذوب (بزرگ) کسی شہر میں سے گزر رہے تھے۔ بازار میں ایک فاحشہ اپنے آشنا کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ بارش ہو جانے کے باعث سڑک پر سخت کیچڑ تھی۔ اتفاقاً (اس مجذوب کا جوتا ٹوٹا ہونے کے باعث) کیچڑ کا ایک چھینٹا اڑا اور اُس فاحشہ عورت کے منہ پر جا پڑا۔ فاحشہ کے آشنا کا (یہ دیکھ کر) خون کھول اٹھا۔ اُس نے بڑھ کر مجذوب کے گال پر ایک زناٹے کا تھپڑ لگا دیا۔ مجذوب تھپڑ کھا کر صبر و شکر کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ ابھی وہ تھوری ہی دور گیا تھا کہ کسی نے اسے آکر بتایا۔ "سائیں بابا کیا آپ نے سنا، اس فاحشہ کا آشنا (جس نے آپ کو تھپڑ مارا تھا) مرگیا ہے۔" آپ نے دریافت کیا کیسے؟ بتایا گیا کہ وہ اپنی دوست کا منہ صاف کرنے کی غرض سے آئینہ لینے کے لئے

کوٹھے کی چھت پر چڑھا تھا کہ اُس کا پاؤں پھسل گیا اور دھڑام سے نیچے گرتے ہی مر گیا۔ مجذوب نے یہ سنا تو کہا

اصل میں یہ دو آشناؤں کی لڑائی تھی فاحشہ کے آشنا کو غصہ آیا۔ اس نے مجھے مارا۔ میرے یار کو غصہ آیا تو اُس نے فاحشہ کے یار کو مار دیا۔

متوکل بیوی

حضرت حاتم ایک دفعہ ایک لمبے سفر پر جانے لگے تو اپنی بیوی سے کہا۔ "مَیں چار ایک ماہ کے لئے ملک سے باہر جا رہا ہوں۔ تمہاری ضروریات کے لئے کس قدر خرچ چھوڑ جاؤں؟"

بیوی نے کہا۔ "جب تک مَیں زندہ ہوں۔"

حضرت حاتم نے کہا۔ "تمہاری زندگی تو میرے ہاتھ میں نہیں۔"

جب وہ سفر پر روانہ ہو گئے تو ایک بڑھیا نے اُن کی بیوی سے دریافت کیا۔ "حاتم تمہارے لئے کس قدر روزی چھوڑ گیا ہے؟"

متوکل بی بی نے جواب دیا۔

"—— حاتم روزی کھانے والے تھے۔ روزی دینے والے نہیں۔ روزی دینے والا کہیں نہیں گیا۔"

سنگدل

حضرت عمر فاروقؓ نے ایک دفعہ ایک شخص کو ایک علاقے کا حاکم مقرر کیا اور اُس سے عہد نامہ لکھوانے لگے۔ ابھی عہد نامہ لکھا جا رہا تھا کہ اس کا چھوٹا بچہ آیا اور حضرت عمرؓ کی گود میں بیٹھ گیا۔ آپ اُس سے پیار کرنے لگے۔ بچے کے باپ نے بر سبیل تذکرہ بتایا کہ اُس کے دس بچے ہیں۔ مگر اُس نے آج تک کسی کو پیار نہیں کیا۔ حضرت عمرؓ نے یہ سنتے ہی فرمایا:

"—— عہد نامہ پھاڑ دو اور کہا اپنے گھر کی راہ لو۔ جس شخص کے دل میں اپنے بچوں کے لئے پیار نہیں وہ رعایا کے ساتھ مہر و محبت سے کیونکر پیش آئے گا۔ مَیں ایسے شخص کو والی نہیں بنا سکتا۔"

حسب ونسب

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے اور یہ شرف خود اپنی ذات میں بہت بڑا ہے۔

چنانچہ اسی لئے ایک اردو شاعر کہتا ہے ؎

آدمیت سے ہے بالا آدمی کا مرتبہ
پست ہمت یہ نہ ہو خواہ پست قامت ہو تو ہو

لیکن بعض کم ہمت انسان اس شرف کو اپنے لئے کافی نہیں سمجھتے۔ اس لئے وہ بعض بناوٹی چیزوں سے اپنا ایک جعلی اور مصنوعی وقار و عظمت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ اگر کچھ لوگ حسب و نسب کو اپنے لئے باعث شرف و فخر سمجھتے ہیں تو بعض دوسرے مال و دولت کو اپنے لئے باعث عزو جاہ بنا لیتے ہیں۔ لیکن اہل نظر لوگوں کی نگاہ میں نہ حسب و نسب باعث فخر ہے اور نہ ہی مال و دولت بلکہ اصل چیز وہ اخلاقی اور روحانی اقدار ہیں جن کو انسان اپنے اندر سمو کر انہیں ترقی دیتا ہے۔ اگر حقیقت یہ نہ ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے "بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ" (یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے اخلاقِ فاضلہ کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا ہے) اور نہ ہی قرآن کریم کبھی ببانگ بلند یہ دعویٰ کرتا ——— کہ "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰکُمْ" (یعنی تم میں سے اللہ کی نگاہ میں معزز ترین وہ ہے جو سب سے بڑھ کر متقی ہے) چنانچہ ایک عرب شاعر کرتا ہے ؎

لَعَمْرُكَ مَا الْاِنْسَانُ اِلَّا بِدِيْنِهٖ
فَلَا تَتْرُكِ التقوىٰ اِتِّكَالاً عَلَى الْحَسَبْ
فَقَدْزَيَّنَ الْاِيْمَانُ سَلْمَانَ فَارِسٍ
وَ قَد وَضَعَ الشِّرْكُ الشَّرِيْفَ اَبَا لَهَبْ

یعنی ——— بخدا انسان کی اصل قدر و منزلت اُس کی دینداری سے ہے پس تم حسب و نسب پر توکل کرتے ہوئے تقویٰ کو خیرباد مت کہو کیونکہ ایمان ہی وہ چیز ہے جس نے سلمان فارسی کو (مقبول بارگاہِ الٰہی بنا کر) معزز بنا دیا اور شرک نے ابولہب جیسے عالی النسب انسان کو حقیر اور وضیع القدر بنا دیا۔

ایک اور عرب شاعر اسی مفہوم کو اس طرح ادا کرتا ہے ؎

قَدْ يُدْرِكُ الشَّرَفَ الْفَتٰى وَ رِدَاءُهٗ
خَلَقٌ وَ جَيْبُ قَمِيْصِهٖ مَرْقُوْعٌ

یعنی ایک ایسا نوجوان بھی شرف حاصل کر سکتا ہے جس کی چادر بوسیدہ ہو اور اس کی قمیص کے دامن کو پیوند لگے ہوئے ہوں۔

اسی طرح ایک اور شاعر نے کہا ہے ؎

كُنْ اِبْنَ مَنْ شِئْتَ وَ اكْتَسِبْ اَدَبًا
يُغْنِيْكَ مَحْمُوْدُهُ عَنِ اَلنَّسَبِ
اِنَّ الْفَتَى مَنْ يَقُوْلُ هَا اَنَاذَا
لَيْسَ الْفَتَى مَنْ يَقُوْلُ كَانَ اَبِى

یعنی تُو اپنے آپ کو جس کا چاہے فرزند کہلا لیکن اپنے آپ کو ادب و اخلاق سے مزین کر۔ کیونکہ اخلاق فاضلہ تمہیں حسب و نسب سے بے نیاز کر دیں گے۔ حقیقی نوجوان تو وہ ہے جو یہ کہے کہ میں یہ سامنے کھڑا ہوں۔ نہ کہ وہ جو یہ کہے میرا باپ فلاں فلاں تھا۔

عصر حاضر کا ممتاز مصری شاعر شوقی (جسے امیر الشعراء کا لقب بھی دیا گیا ہے) کہتا ہے ۔

وَ دَعُوا التَّفَاخُرَ بِالتُّرَاثِ وَ اِنْ عَلاَ
فَالْمَجْدُ كَسْبٌ وَالزَّمَانُ عِصَامُ

یعنی ـــــ حسب و نسب پر فخر بالکل چھوڑ دو۔ خواہ یہ کتنا ہی بلند و بالا کیوں نہ ہو۔ کیونکہ عظمت و بزرگی تو اکتسابی چیز ہے اور زمانہ تو اس کے لئے محض ایک دربان کی طرح ہے۔ عصام بادشاہ حیرہ نعمان بن منذر کا رئیس الحجاب تھا۔ شاعر اُس کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ اپنے آپ کو خود بڑا بناؤ اور آباء و اجداد کی بڑائی پر فخر نہ کرو۔ اسی لئے عربی زبان کی ایک ضرب المثل ہے "کُنْ عِصَامِیاً لَا عِظَامِیا" یعنی اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرنے کی بجائے عصام کی طرح اپنے آپ کو خود بڑا بناؤ۔

ہارون الرشید اور اس کی محبوبہ ہیلانہ

ہارون الرشید یحیٰی بن خالد برمکی کی لونڈی ہیلانہ سے اس قدر محبت کرتا تھا کہ اُس نے یحیٰی سے اُسے بطور ہبہ طلب کر لیا۔ چنانچہ یحیٰی نے یہ لونڈی ہارون الرشید کو دے دی اور یہ اُس کے پاس اُس کے محل میں آ کر رہنے لگی۔ لیکن صرف تین سال کے بعد یہ وفات پا گئی جس پر ہارون الرشید کو ازحد غم ہوا۔ اور اُس نے عباس بن احنف شاعر کو اُس کا مرثیہ کہنے کو کہا۔ عباس نے یہ چار شعر کہے ۔

يَا مَنْ تَبَا شَرَتِ الْقُلوبِ بِمَوْتِهَا
قَصَدَالزَّمَانُ مَضَرَّتِى فَرَمَاكِ
اَبْغِى الْاَنِيْسَ فَلاَ اَرَى لِى مُوْنِسًا
اِلاَّ التَّرَدُّدُ حَيْثُ كُنْتُ اَرَاكِ

مَلِكٌ بَكَاكَ فَطَالَ بَعْدَكَ حُزْنُهُ
لَوِ يَسْتَطِيْعُ بِمُلْكِهِ لَفَدَاكَ
يَحْمِيْ الْفُوادَ عَنْ النِّسَاءِ حَفِيْظَةً
كَيْ لاَ يَحِلَّ حَمَى الْفُوادِ سَواكِ

(ترجمہ) اے وہ کہ جس کی موت کے ساتھ میرا دل بھی مر گیا ہے۔ زمانے نے مجھے نقصان پہنچانے کے لئے تجھے وفات دی ہے۔ مَیں کوئی مونس و غمخوار نہ پا کر بار بار وہاں جاتا ہوں جہاں تجھے دیکھا کرتا تھا۔ ایک بادشاہ تیرے فراق پر روتا ہے اور اُس کا ہم و غم طول پکڑ گیا ہے۔ اگر یہ ممکن ہوتا تو وہ اپنا ملک بطور فدیہ دے کر بھی تجھے موت سے چھڑا لیتا۔ وہ اپنے اس غم کے باعث دوسری عورتوں سے اپنے دل کو اس لئے بچا رہا ہے۔ تاکہ اُس کے دل کی چراگاہ میں کوئی دوسری عورت قدم نہ رکھ سکے۔

اس مرثیہ پر ہارون الرشید نے عباس بن احنف کو ۴۰ ہزار درہم انعام دیا۔ یعنی ہر شعر کے عوض دس ہزار درہم اور کہا کہ اگر کچھ شعر اور کہتے تو مَیں ان پر بھی تمہیں فی شعر دس ہزار درہم دیتا۔

معن بن زائدہ اور ایک بدو

عباسی خلیفہ منصور کے وقت میں معن بن زائدہ اُس کی طرف سے عراق کا گورنر تھا۔ معن جہاں جود و سخا میں یکتائے دہر تھا وہاں وہ حلم و بردباری میں بھی عدیم المثال تھا۔ ادبی روایات میں آتا ہے کہ ایک دن ایک بدو اُس کے حلم و بردباری کا امتحان لینے اُس کے دربار میں آ گیا اور معن سے یوں مخاطب ہوا ؎

اَتَذْكُرُ اِذْ لِحَافُكَ جِلْدُ شَاةٍ
وَ اِذْ نَعْلاَكَ مِنْ جِلْدِ الْبَعِيْرِ

یعنی کیا تجھے وہ وقت یاد ہے کہ جب تیرا لحاف بکری کا چمڑا تھا اور تیرا جوتا اونٹ کی کھال سے تھا۔

معن نے کہا "ہاں مجھے خوب یاد ہے اور مَیں اُسے بھولا نہیں ہوں۔"

اس پر بدو نے کہا ؎

فَسُبْحَانَ الَّذِيْ اَعْطَاكَ مُلْكًا
وَ عَلَّمَكَ الْجُلُوْسَ عَلَى السَّرِيْر

یعنی ـــــ پاک ہے وہ جس نے تجھے ایک ملک عطا کیا اور تجھے تخت پر بیٹھنا سکھایا۔
اس پر معن نے کہا:
"بے شک وہی پاک بلکہ بے حد پاک ہے۔"
اس پر بدو نے کہا ؎

فَلَسْتُ مُسَلِّمًا اِنْ عِشْتُ دَهْراً
عَلَى مَعْنٍ بِتَسْلِيْمِ الْاَمِيْرِ

یعنی ـــــ مَیں خواہ کتنا عرصہ زندہ رہوں۔ معن کو شاہانہ سلام کرنے کو تیار نہیں ہوں۔"
اس پر معن نے کہا:
"ـــــ اَے عرب بھائی! سلام کہنا سنت رسولؐ ہے۔ تُو مجھے شاہی سلام نہیں کرنا چاہتا تو جس طرح تم خوش ہو اُسی طرح کرلو۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔"
اس پر بدو نے کہا ؎

سَاَرْحَلُ عَنْ بِلاَدٍ اَنْتَ فِيْهَا
وَ لَوْجَارَ الزَّمَانُ عَلَى الْفَقِيْرِ

یعنی ـــــ مَیں اِس مُلک سے چلا جاؤں گا جہاں تُو رہتا ہے۔ خواہ زمانہ اس فقیر پر کتنا ہی ظلم کیوں نہ کرے۔
اس پر معن نے کہا ـــــ "اے عرب بھائی! اگر تُو ہمارے پاس رہے گا تو اہلاً و سہلاً اور اگر تو جانا چاہے تو اللہ تعالیٰ کی سلامتی تیرے ساتھ ہو۔"
اس پر بدو نے کہا ؎

فَجُدْلِي يَا اِبْنَ نَاقِصَةٍ بِشَيءٍ
فَاِنِّي قَدْ عَزَمْتُ عَلَى الْمَسِيْرِ

یعنی اے کم ذات کے بچے، مجھے اپنی سخاوت سے کچھ دو میں نے سفر کا ارادہ کرلیا ہے۔
اس پر معن نے حکم دیا کہ اسے ایک ہزار دینار بطور زاد راہ دیا جائے۔
بدو نے یہ رقم لے لی اور پھر کہا ؎

قَلِيْلٌ مَا اَتَيْتَ بِهٖ وَ اِنِّي
لَاطْمَعُ مِنْكَ بِالْمَالِ الْكَثِيْرِ

یعنی جو تو نے مجھے دیا ہے وہ بہت تھوڑا ہے۔ حالانکہ مجھے تم سے بہت سے
مال کی توقع تھی۔

اس پر معن نے حکم دیا کہ اسے ایک ہزار دینار اور دیا جائے۔ بدو نے یہ رقم لے لی اور پھر دو زانو ہو کر معن کے سامنے شاہانہ آداب بجالایا اور کہا۔

سَاَلْتُ اللّٰهَ اَنْ یُبْقِیْكَ ذُخْراً
فَمَالَكَ فِی الْبَرِیَّةِ مِنْ نَظِیْرٍ

یعنی میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی مخلوق کے لئے بطور ذخیرہ باقی رکھے
کیونکہ فی الحقیقت ساری مخلوق میں تیرا کوئی نظیر یا مدمقابل نہیں ہے۔

اس پر معن نے کہا۔ ہم نے تجھے اپنی ہجو پر دو ہزار دینار انعام دیئے تھے۔ اب اس آخری شعر میں تم نے جو ہماری تعریف کی ہے اس پر ہم تمہیں چار ہزار دینار انعام دیتے ہیں اور بدو نے یہ سارا مال سمیٹا اور معن کا شکریہ ادا کرتے ہوئے وہاں سے رخصت ہو گیا۔

کیا وہ انسان نہ تھا؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اخلاقی اقدار کو قائم کرنے اور انہیں پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ حضور خود فرماتے ہیں: "بُعِثْتُ لاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ" یعنی میں اخلاق فاضلہ کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں" —— ان اخلاق کا دائرہ انسانوں بلکہ حیوانوں تک ممتد ہے۔ پھر اخلاق کے اظہار میں کسی قسم کے تعصب کو بھی دخل نہیں، اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے کسی بازار یا گلی میں تشریف فرما تھے کہ وہاں سے ایک جنازہ گزرا اور حضورؐ اُس کے احترام میں کھڑے ہو گئے۔ جب جنازہ گزر گیا تو کسی صحابی نے عرض کی یا رسول اللہ یہ تو ایک یہودی کا جنازہ تھا۔ فرمایا تو پھر کیا وہ انسان نہ تھا۔ اَفَمَا كَانَ اِنسَانًا

پڑوسی کا حق

اسلامی روایات میں آتا ہے کہ کوفہ میں امام ابو حنیفہ کا پڑوسی ایک جفت ساز تھا۔ جو سارا دن محنت کر کے روزی کماتا اور شام کو گھر لوٹتے وقت گوشت یا مچھلی وغیرہ خرید لاتا جسے بھون کر شراب کے ساتھ بڑے مزے سے کھانا اڑاتا اور جب خوب مخمور ہو جاتا تو بڑی خوش الحانی سے یہ شعر پڑھا

کرتا۔

اَضَاعُوْنِی وَاَیَّ فَتًی اَضَاعُوْ

لِیَوْمِ کَرِیْهَةٍ وَ صَدَادِ ثَغْرٍ

یعنی انہوں نے مجھے ضائع کر دیا اور انہوں نے کس قسم کے نوجوان کو ضائع کر دیا جو فنون حرب سے خوب واقف ہے اور سرحدوں کی حفاظت کرنا جانتا ہے۔

وہ شراب پیتا جاتا اور اس شعر کو دوہراتا جاتا یہاں تک کہ اُسے نیند آجاتی اور سو رہتا۔

حضرت امام ابو حنیفہ ہر روز اس کا یہ شعر سنتے کیونکہ آپ تورات کا اکثر حصہ عبادت الٰہی میں گزارتے تھے۔ لیکن آپ نے اُسے کبھی نہ روکا نہ ٹوکا۔ کچھ عرصہ بعد ایک دن جب اُس کی آواز نہ آئی تو آپ نے اڑوس پڑوس سے اُس کے بارے میں دریافت کیا تو آپ کو بتایا گیا کہ اُسے پولیس پکڑ کر لے گئی ہے۔ اس پر اگلی صبح آپ نے اپنی خچر نکالی اور اُس پر سوار ہو کر حاکم شہر کے پاس چلے گئے دربان نے اندر جا کر امیر کو حضرت امام کی تشریف آوری کی اطلاع دی تو اُس نے کہا

انہیں اندر لے آؤ۔ مگر دیکھو انہیں خچر سے اترنے نہ دینا۔ یہاں تک کہ اُن کی خچر قالین پر قدم رکھ دے۔

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ امیر نے نہایت عقیدت و احترام سے آپ کو مرحبا کہا اور تشریف آوری کا باعث دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا:

میرے ایک پڑوسی کو جو جفت ساز ہے آپ کی پولیس پکڑ کر لے آئی ہے۔
آپ سے اس کی رہائی کی درخواست کرنے آیا ہوں۔

یہ سن کر امیر نے کہا کہ آپ کے احترام میں نہ صرف اُس جفت ساز کو بلکہ اس کے بعد اِس رات سے اب تک تمام پکڑے جانے والوں کو بھی چھوڑا جاتا ہے۔ اُس کی رہائی ہوتے ہی حضرت امام اپنے خچر پر سوار ہوئے اور جفت ساز آپ کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ آپ نے اپنے گھر پہنچ کر اس سے صرف اتنا کہا "هَلْ اَضَعْنَاكَ" کیا ہم نے تجھے ضائع کیا ہے؟ اس پر وہ بہت شرمندہ ہوا اور اعتراف کیا کہ واقعی آپ نے مجھے ضائع نہیں کیا۔ بلکہ پڑوسی ہونے کا حق ادا کر دیا ہے اور اس کے ساتھ ہی اس نے توبہ کر کے شراب پینا چھوڑ دی۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کا یہ طریق اصلاح کس قدر پیارا اور دلکش ہے۔ اے کاش کہ پاکستانی علماء فتنہ تکفیر میں مشغول ہونے کی بجائے اخلاق محمدیؐ کو خود بھی اپنائیں اور اصلاح امت کا مندرجہ بالا طریق حنفی اختیار کریں۔

عورت کا مقام

اس عالم ہست و بود میں عورت کے مقام کے احترام سے انکار ممکن نہیں۔ اسلام نے عورت کو بحیثیت ماں، بہن اور بیٹی کے جو مقام عطا کیا ہے کسی اور دین میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ عورت کے بغیر نہ گھر کی زینت مکمل ہوتی ہے نہ معاشرے ہی میں انسان کو حرمت و توقیر مل سکتی ہے، کسی نے کیا خوب کہا ہے اس بارے میں کہ ع

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ

عربی ادب میں عورت کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے مثلاً ایک شاعر کہتا ہے کہ ۔

اِنَّ النِّسَاءَ رَیَا حِیْنٌ خُلِقْنَ لَنَا
وَ کُلُّنَا یَشْتَهِی شَمُّ الرِّیَا حِیْنِ

یعنی عورتیں خوشبوئیں ہیں جو ہمارے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ اور ہم سب خوش بوئیں سونگھنے کو پسند کرتے ہیں۔

لیکن ایک اور دل جلے نے جس کا پالا کسی بد اطوار عورت سے پڑ گیا تھا اس شعر کو بدل کر اپنے دل کی بھڑاس یوں نکالی ۔

اِنَّ النِّسَاءَ شَیَاطِیْنٌ خُلِقْنَ لَنَا
وَ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ الشَّیَاطِیْنِ

یعنی عورتیں نعوذ باللہ شیطان ہیں۔ جو ہمارے لئے پیدا کی گئی ہیں اور ہم شیطانوں کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

ظالم ترین حاکم بے نظیر مقرر

حجاج بن یوسف ثقفی کا شمار عرب کے ظالم ترین حکمران کے طور پر ہوتا ہے۔ اس قدر جابر اور سخت گیر کہ اُسے "طَاغِیَۃُ العرب" کا خطاب دیا گیا لیکن اس کے ساتھ وہ بےحد فصیح و بلیغ شخص بھی تھا۔ امام لغت اصمعی کہتے ہیں۔

اَرْبَعَۃٌ لَمْ یَلْحَنُوا فِی جِدٍّ وَ لَا هَزْلٍ اَلشَّعْبِی وَ عَبْدُ الْمَلِکِ ابنِ مَرْوَانَ وَالْحَجَّاجُ بنُ یُوْسُفَ وَابْنُ الْقِرِیَۃَ وَ کَانَ الْحَجَّاجُ اَفْصَحُهُمْ

یعنی چار شخص ایسے ہیں جنہوں نے اپنے کلام میں خواہ وہ سنجیدہ ہو یا مذاق کا کبھی غلطی نہیں کی اور وہ ہیں شعبی۔ عبدالملک بن مروان۔ حجاج بن

یوسف اور ابن القریہ۔

(اور پھر کہا) کہ ان سب سے زیادہ فصیح و بلیغ حجاج تھا۔ حجاج نے اموی سلطنت کو مستحکم کرنے کے لئے بڑا کام کیا۔ حجاج ۴۱ھ میں پیدا ہوا۔ امیر معاویہؓ کے عہد میں جوانی کو پہنچا اور پھر عبدالملک بن مروان اور اس کے بیٹے ولید کی خلافت میں اس قدر ہمت اور محنت سے کام کیا کہ اموی سلطنت شام سے چین تک جا پہنچی۔ حجاج ظالم ہونے کے ساتھ ساتھ بے شمار تعمیری خوبیوں اور صلاحیتوں کا بھی مالک تھا۔ کتاب "جواہرالادب" میں لکھا ہے کہ

قرآن کریم پر نقطے اور اعراب لگوانے اور مصحف عثمانی کی کاپیاں اسلامی سلطنت کے تمام شہروں میں بھجوانے کا شرف حجاج ہی کو حاصل ہے۔

اہل کوفہ اموی سلطنت کے دوران بڑے باغیانہ خیالات رکھتے تھے۔ چنانچہ خلیفہ وقت کو وہاں کے لئے گورنر بدلنے پڑے لیکن جب حجاج کو عراق کا گورنر مقرر کیا گیا تو اُس نے انہیں ایسی نکیل ڈالی کہ تیر کی طرح سیدھے ہو گئے اور ان کے باغیانہ خیالات اور رجحانات دب کر رہ گئے اس کے عراق میں بطور گورنر داخلہ کا واقعہ بھی عجیب ہے۔ وہ مسجد میں اس حال میں آیا کہ اُس نے پگڑی پہن رکھی تھی جس سے اس کے منہ کا بیشتر حصہ چھپا ہوا تھا۔ تلوار کاندھے سے لٹکا رکھی تھی اور کمان ہاتھ میں تھی، وہ سیدھا منبر کی طرف بڑھا اور اس پر بیٹھنے کے بعد کافی دیر تک خاموشی اختیار کئے رکھی۔ یہاں تک کہ کسی نے شرارت سے اُس کی طرف ایک کنکر پھینکی لیکن یہ پھر بھی خاموش بیٹھا رہا۔ جب اس کی خاموشی طویل ہو گئی تو کسی نے کہا (ترجمہ)

خدا بنی امیہ کا برا کرے کہ انہوں نے اس جیسے آدمی کو گورنر بنا کر بھیجا ہے۔

جب حجاج نے دیکھا کہ سب لوگ انتہائی بے صبری سے اس کی طرف دیکھ رہے ہیں تو وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور یہ شعر پڑھا۔

اَنَا ابْنُ جَلَاءٍ وَ طَلَّاعُ الثَّنَایَا

مَتٰی اَضَعُ الْعَمَامَۃَ تَعرِفُوْنِی

یعنی میں ایک کھرا آدمی ہوں اور گھاٹیوں کو پھلانگنے والا ہوں۔ جب میں پگڑی اتار کر رکھ لوں گا تو تم پہچان لوگے کہ مَیں کون ہوں۔

پھر اُس نے یہ الفاظ کہے:

یَا اَھْلَ الْکُوْفَۃِ اِنِّی لَاَرَیٰ رُؤُوسًا قَدْ اَیْنَعَتْ وَ حَانَ قِطَافُھَا وَ اِنِّی لَصَاحِبُھَا وَ کَاَنِّی اَنْظُرُ اِلَی الدِّمَاءِ تَرَقْرَقُ بَیْنَ الْعَمَائِمِ وَاللُّحٰی۔

یعنی ــــ اے اہل کوفہ میں دیکھ رہا ہوں کہ سروں کی فصل پکی ہوئی ہے اور اس فصل کے کاٹنے کا وقت آن پہنچا ہے اور میں ہی اس فصل کو کاٹنے والا ہوں اور مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں وہ خون دیکھ رہا ہوں جو پگڑیوں اور ڈاڑھیوں کے درمیان بہہ رہے ہیں۔

اس کے بعد اُس نے جو خطبہ دیا وہ جہاں عربی ادب میں ایک شہہ پارے کی حیثیت سے محفوظ ہے وہاں حجت و برہان میں بھی بے مثل ہے اُس کا ایک اقتباس یہ ہے:

اِنّی وَاللّٰهِ یَا اَهْلَ العِرَاقِ مَا یُقَعْقَعُ لِی بِالشَّنَّانِ وَ لَا یُغْمَزُ جَانِبِی کَتِغْمَازِ التِّیْنِ وَ لَقَدْ خَوَرْتُ عَنْ ذَکَاءٍ وَ فَتَّشْتُ عَنْ تَجْرِبَةٍ۔ اِنَّ اَمِیرَ المُومِنِیْنَ نَثَرَ کِنَانَتَهُ بَیْنَ یَدَیهِ فَعَجَم عِیْدَانَهَا فَوَجَدَنِی اَمَرَّهَا عُوْداً وَ اَصْلَبَهَا مِکْسراً فَرَمَا کُمْ بِی لِاَنَّکُمْ طَالَمَا اُرضِعْتُمْ فِی الفِتْنَةِ وَ اُضجِعْتُمْ فِی مَرَاقِدِ الضَّلَالِ لَاَحْزِ مَنَّکُمْ حَزْمَ السَّلْمَةِ وَ لَاَضرِ بَنَّکُمْ ضَرْبَ غَرَائِبِ الْاِبِلِ ...... وَ اِنَّ اَمِیْرَالْمُومِنِیْنَ اَمَرَنِی بِاِعْطَائِکُمْ اَعْطِیَّاتِکُمْ وَ اَنْ اُوَجِّهَکُمْ لِمُحَارَبَةِ عَدُوِّ کُمْ ...... وَ اِنِّی لَاقْسِمُ بِاللّٰهِ لَا اَجِدُ رَجُلاً تَخَلَّفَ بَعْدَ اَخْذِ عَطَائِهِ ثَلَاثَةِ اَیَّامٍ اِلَّا ضَرَبْتُ عُنَقَهُ

"ــــ بخدا اے اہل عراق میں دشمنی سے ہرگز نہیں گھبراتا اور نہ میری طرف اس طرح اشارہ کیا جا سکتا ہے کہ میں "مٹی کا مادھو" ہوں۔ میں نے عاقلانہ بحث کی ہے اور تلاش کے بعد تجربہ حاصل کر لیا ہے۔ امیرالمومنین نے اپنے ترکش کے تمام تیر نکال کر ان کے دستوں کو توڑنے کی کوشش کی تو معلوم کر لیا کہ میں لکڑی کے لحاظ سے سب سے سخت اور ٹوٹنے کے لحاظ سے سب سے مشکل تھا۔ اس لئے انہوں نے مجھے تم پر دے مارا ہے۔ کیونکہ تمہیں فتنہ انگیزی کا دودھ پلایا گیا ہے اور ضلالت و گمراہی کی خوابگاہوں میں سلایا گیا ہے۔ پس سن لو کہ میں تمہیں درخت کی ٹہنیوں کی طرح باندھوں گا اور جس طرح اونٹوں کو تیز دوڑانے کے لئے اُن کی کوہانوں پر ڈنڈے مارے جاتے ہیں۔ میں بھی تمہیں اسی طرح ماروں گا۔ امیرالمومنین نے میرے توسط سے تمہیں عطایا بھجوائے ہیں اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں دشمن

کے مقابلہ کے لئے محاذ جنگ پر بھجواؤں اور مَیں خدا کی قسم کھا کر اعلان کرتا ہوں کہ تم میں سے کوئی ایک فرد بھی ایسا نہیں ہو گا جس نے اپنا عطیہ لے لیا ہو اور تین دن تک یہاں سے روانہ نہ ہوا ہو۔ جو کوئی ایسا کرے گا مَیں اُس کی گردن مار دوں گا۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے حجاج نے اس کے بعد عراق پر اس انداز سے حکمرانی کی کہ کسی کو دم مارنے کی جرات نہ ہوئی۔

فی البدیہہ اشعار

شعر و شاعری ایک دلکش لطیف فن ہے اور جنہیں یہ حاصل ہے وہ خود بھی اس سے مستفیض ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی محظوظ کرتے ہیں۔ اس میں آمد بھی ہے اور آورد بھی۔ آمد عموماً بلا تکلف اور بے ساختگی لئے ہوئے ہوتی ہے جبکہ آورد دماغ سوزی کی طالب ہے۔ عربی ادب کی روایات کے مطابق ایک دن وزیر نظام الملک نماز کے لئے گھر سے آیا تو مصلیٰ پر بیٹھ کر حاضرین سے کہا کہ مجھے ایک شعر کی آمد ہوئی ہے لیکن اس سے پہلے ایک اور شعر ہو تو یہ خوبصورت رباعی میں ڈھل سکتا ہے۔ وہ شعر یہ ہے ؎

فَکَانَّنِی وَ کَانَّہٗ وَ کَانَّھُمْ
اَمَلٌ وَ نَیْلٌ حَالَ دُوْنَھُمَا الْقَضَا

حاضرین میں ایک شخص ابو القاسم مسعود بھی تھا جس نے فی البدیہہ اور بے ساختہ یہ شعر پڑھ کر رباعی مکمل کر دی۔

بَابِی حَبِیْبٍ زَارَنِی مُتَنَکِّراً
فَبَدَا الْوُشَاۃُ لَہٗ فَوَلّٰی مُعْرِضَا

یعنی مجھے اپنے حبیب باپ کی قسم ہے کہ میرے محبوب نے بھیس بدل کر میری زیارت کی تو چغلخوروں سے اس کا سامنا ہو گیا جس پر وہ منہ پھیر کر چلا گیا اور وزیر کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ ـــــ "پس میں" وہ اور چغلخور ایسے ہیں جیسا کہ امید اور اس کے حصول کے درمیان قضا حائل ہو جائے۔

مزید فی البدیہہ اشعار

اسی طرح عربی روایات میں ہے کہ ایک دن خلیفہ مہدی اپنی محبوب لونڈی خیزران کی طرف

گیا تو دیکھا کہ وہ نہا رہی تھی۔ اس لئے جب اس نے خلیفہ کو اپنی طرف آتے دیکھا تو فوراً اپنے سر کے بالوں سے اپنے جسم کو اس طرح ڈھانپ لیا کہ جسم کا کوئی حصہ نظر نہ آسکتا تھا۔ خلیفہ مہدی کو اس کی یہ ادا بہت پسند آئی۔ وہ واپس اپنے دربار میں آیا اور حکم دیا کہ اگر دروازے پر کچھ شعراء موجود ہوں تو انہیں حاضر کیا جائے۔ اس وقت وہاں صرف دو شاعر ابو نواس اور بشار بن بردہی موجود تھے۔ انہیں بلا لیا گیا اور کہا کہ وہ ایسے اشعار کہیں جو اس خیال کو ظاہر کریں جو اس کے دل میں ہے۔ اس پر پہلے بشار بن برد نے طبع آزمائی کی مگر اس کے اشعار خلیفہ کو پسند نہ آئے۔ جس پر ابو نواس نے یہ فی البدیہہ اشعار پڑھے ۔

نَضَتْ عَنْها الْقَمِيْصَ لِصَبِّ مَاءٍ فَوَرَّدَ خَدَّهَا فرطُ الْحياءِ
رَاَتْ شَخْصَ الرَّقِيْبِ عَلَى التَّدَانِى فَاَسْبَلَتِ الظَّلَامَ عَلَى الضِّيَاءِ
فَغَابَ الصُبحُ مِنْهَا تَحْتَ لَيْلٍ وَ ظَلَّ المَاءُ يَجْرِى فوقَ مَاءٍ
فَسُبْحٰنَ الْاِلٰهِ وَ قَدْ بَرَاهَا كَاَحْسَنِ مَايَكُون مِنَ النِّسَآءِ

یعنی اس نے اپنے جسم پر پانی ڈالنے کے لئے قمیض اتاری تو فرط حیا سے اس کے رخسار سرخ ہو گئے۔ پھر اس نے کسی دیکھنے والے کو قریب پایا تو روشنی (مراد اس کا سفید جسم) کو تاریکی (مراد سیاہ بال) سے ڈھانپ لیا۔ پس صبح رات کے نیچے مستور ہو گئی اور پانی پر پانی بہتا چلا گیا پس پاک ہے اللہ تعالیٰ جس نے اسے اس طرح تراشا ہے کہ وہ خوبصورت ترین عورت بن گئی ہے۔

خلیفہ مہدی نے یہ فی البدیہہ اشعار سنے تو کہا تلوار اور چمڑا لاؤ (جو قتل کرنے کے لئے لایا جاتا ہے) اس پر ابو نواس نے کہا امیرالمومنین یہ کس لئے ہے۔ خلیفہ مہدی نے کہا یہ اس لئے کہ تمہارے اشعار سن کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کہ تو ہمیں دیکھ رہا تھا اس پر ابو نواس نے عرض کی کہ امیرالمومنین! خدا کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہے۔ میں نے تو بس دل میں گزری ہوئی بات کو بے ساختہ بیان کر دیا ہے۔ اس پر خلیفہ مہدی نے اسے چار ہزار درہم انعام دے کر رخصت کیا۔

چالاک لومڑی

عربی کتب میں ہے کہ ایک دفعہ شیر بیمار ہو گیا تو سوائے لومڑی کے تمام جنگلی جانور اس کی عیادت کو آئے۔ بھیڑیئے نے شیر کے پاس لومڑی کے حاضر نہ ہونے کی چغلی کھائی۔ جس پر شیر نے کہا جب وہ آئے تو مجھے یاد کرانا۔ لومڑی کو بھی اس چغلی کا علم ہو گیا چنانچہ وہ ایک دن شیر کے پاس

حاضر ہوئی تو اس نے پوچھا کہ تم اب تک میری عیادت کو کیوں نہ آئیں؟ جواباً کہا "حضور میں آپ کے لئے دوا تلاش کرتی رہی" شیر نے پوچھا تو کیا کوئی دوا تمہیں ملی؟ (اس وقت بھیڑیا بھی شیر کے پاس موجود تھا) وہ دوا کہاں ہے؟ لومڑی نے بھیڑیئے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا حضور وہ ایک منکا ہے جو اس بھیڑیئے کی ٹانگ کے اندر ہے وہ نکالا جائے۔ اس پر شیر نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً بھیڑیئے کے گھٹنے پر زوردار پنجہ مارا جس سے اس کا خون بہہ پڑا۔ اتنے میں لومڑی وہاں سے کھسک چکی تھی۔ مگر منکا نہ نکلا وہاں ہوتا تو نکلتا۔ بھیڑیا لنگڑاتا ہوا شیر کی کچھار سے نکلا تو راستے میں وہی لومڑی اس سے ملی اور کہا

يَا صَاحِبَ الْخُفِّ الْاَحْمَرِ اِذَا قَعَدْتَ عِنْدَالْمُلُوْكِ فَانْظُرْ اِلٰى مَايَخْرُجُ مِن رَاسِكَ

یعنی اے سرخ موزے والے جب تو بادشاہوں کے پاس بیٹھے تو بات سوچ سمجھ کر کیا کر۔

فصاحت کے چار ستون

ایک مصری ادیب لکھتا ہے کہ "اَسَاطِيْنَ الادْبِ اَرْبَعَةٌ شَاعِرٌ سَارَبَيْتُهٗ وَ مُصَوِّرٌ نَطَقَ زَيْنُهٗ وَ مَوْسِيقِيٌّ بَكَى وَتْرُه وَ مَثَّالٌ ضَحِكَ حَجَرُهٗ" یعنی فصاحت بیان کے چار ستون ہیں اول وہ شاعر جس کا شعر زبان زدعام ہو جائے دوم وہ نقاش جس کا نقش بولے۔ سوم وہ موسیقار جس کا تار رقت آمیز ہو اور چہارم وہ سنگتراش جس کا مجسمہ ہنسے۔

شعر و حکمت کا رشتہ

ایک اور عرب ادیب لکھتا ہے "لَا يَزَالُ الشِّعْرُ عَاطِلاً حَتّٰى تُزَيِّنَهُ الْحِكْمَةُ وَلَا تَزَالُ الْحِكْمَةُ شَارِدَةً حَتّٰى تُوْوِيْهَا بَيْتٌ مِنَ الشِّعْرِ" یعنی شعر سرگردان رہتا ہے جب تک وہ حکمت و دانائی سے مزین نہ ہو اور حکمت خود اس وقت تک سرگردان و آوارہ رہتی ہے جب تک کوئی شعر اسے اپنے اندر سمو نہ لے۔

ایک سادہ لوح عالم

علامہ جاحظ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز میں شہر میں پہنچا تو میری ملاقات ایک خوش شکل معلم سے ہوئی۔ دوران ملاقات میں نے اس سے قرآن کریم کے بارے میں بات کی تو اسے باخبر پایا۔

اس کے بعد میں نے اس سے فقہ، نحو اور اشعار عرب کے بارے میں گفتگو کی تو وہ مجھے ایک اچھا عالم لگا چنانچہ میں اس کے پاس وقتاً فوقتاً جاتا رہا لیکن ایک دن جو میں اس کی ملاقات کے لئے آیا تو مدرسے کو بند پایا۔ ارد گرد سے دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ اس کے ہاں کوئی وفات ہو گئی ہے جس پر میں اس کے گھر گیا۔ دروازہ پر دستک دی ایک لونڈی باہر آئی جس سے میں نے کہا کہ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ لونڈی میرا نام وغیرہ پوچھ کر اندر گئی اور جلد واپس آکر کہا کہ آپ اندر تشریف لے چلیں۔ میں اندر گیا اور اس عالم کو مخاطب کر کے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم دے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات آپ کے لئے نمونہ ہے اور قرآن کریم فرماتا ہے "كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ" یعنی ہر شخص کو ایک نہ ایک دن ضرور مرنا ہے۔ اس کے بعد میں نے اس سے دریافت کیا کہ مرنے والا آپ کا کیا لگتا تھا؟ اس نے کہا کہ "میری محبوبہ فوت ہو گئی ہے" جاحظ کہتے ہیں میں نے دل میں کہا کہ یہ پہلی برائی ہے۔ بہر حال میں نے اس سے کہا کہ "عورتیں بہت ہیں آپ کو اس کی جگہ کوئی اور مل سکتی ہے" اس پر اس نے کہا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ میں نے اسے دیکھا تھا؟

جاحظ کہتے ہیں کہ میں نے دل میں کہا "هٰذِهٖ شَنِيْعَةٌ ثَانِيَةٌ" کہ یہ دوسری قباحت ہے اس لئے میں نے اس سے کہا کہ جسے تم نے دیکھا تک نہیں اس پر عاشق کیسے ہو گئے؟ اس پر وہ کہنے لگا کہ میں ایک دن بیٹھا ہوا تھا کہ گلی میں سے ایک آدمی یہ شعر پڑھتا ہوا گزرا ؎

اَيَا اُمَّ عَمْرٍ و جَزَاكِ اللّٰهُ مَكْرُمَةً
رُدِّی عَلَیَّ فُوَادِیْ اَيْنَمَا كَانَ

کہ اے ام عمرو! خدا تیرا بھلا کرے تو مرا دل مجھے واپس کر دے جہاں کہیں بھی وہ ہے۔

وہ شخص کہنے لگا کہ میں نے دل میں سوچا کہ اگر یہ ام عمرو کوئی خوبصورت عورت نہ ہوتی تو کبھی اس کے بارے میں یہ شعر نہ کہا جاتا اس لئے میں اس پر عاشق ہو گیا لیکن دو دن بعد وہی شخص یہ شعر پڑھتا ہوا اس گلی میں سے گزرا ؎

لَقَدْ ذَهَبَ الْحِمَارُ بِاُمِّ عَمْرٍو
فَمَا رَجَعَتْ وَ لَا رَجَعَ الْحِمَارُ

یعنی گدھا ام عمرو کو لے گیا ہے۔ مگر نہ وہ خود لوٹی ہے نہ گدھا ہی واپس آیا ہے۔

معلم کہنے لگا کہ میں نے دل میں خیال کیا ام عمرو ضرور مر گئی ہو گی جس کا مجھے بہت افسوس ہوا اور میں تعزیت کے لئے اپنے گھر بیٹھ گیا ہوں۔

علامہ جاحظ کہتے ہیں کہ اس کی یہ بات سن کر مجھے از حیرت ہوئی اور مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ شخص تو از حد سادہ لوح ہے۔ اس لئے میں وہاں سے نکل کر کسی اور شہر کو چل دیا۔

موت وحیات

دنیا میں موت و حیات کا سلسلہ ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گا۔ سوائے ذات باری تعالیٰ کے ہر چیز فنا کا شکار ہے۔ قرآن شریف بھی فرماتا ہے کہ "كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ" حقیقت یہ ہے کہ اگر بنظر غور دیکھا جائے تو موت ہر طرف سے جھانکتی نظر آتی ہے۔ امراض و اسقام ہیں کہ ہر وقت کوئی نہ کوئی انسان ان میں مبتلا ہو کر دارالفناء میں چلا جاتا ہے۔ پھر حوادث و زلازل ہیں۔ آفات ارضی و سماوی ہیں۔+ ان میں سے ہر ایک انسان کو اپنا شکار بنانے کے لئے ہر وقت تیار ہے اور کتنے ہی انسان آئے دن ان کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔

موت بے شک تکلیف دہ ہے لیکن کسی نبی ولی قطب یا ابدال کو اس سے مفر نہیں ہے۔ کسی شاعر نے کیا ہی خوب فرمایا ہے ؎

بدنیا گر کسے پائندہ بودے
ابوالقاسم محمدؐ زندہ بودے

لیکن موت کے کچھ فوائد بھی ہیں مثلاً موت سے انسان دنیا کے رنج و محن اور جھنجھٹوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اسی لئے تو غالب نے کہا ہے ؎

قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں؟

اسی موت کے متعلق ایک روز خلیفہ منصور کی اپنے وزیر فضل بن ربیع سے بحث چل نکلی تو خلیفہ نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا

وَيْحَكَ يَارَبِيْعُ مَا أَطْيَبَ الدُّنْيَا لَوْلَا الْمَوْت

یعنی اے ربیع تم پر افسوس! یہ دنیا کس قدر اچھی ہوتی اگر موت نہ ہوتی۔

اس پر وزیر نے ترکی بہ ترکی خلیفہ کو جواب دیتے ہوئے کہا

وَاللّٰهِ يَا أَمِيْرَ الْمُومِنِيْنَ مَا طَابَتِ الدُّنْيَا إِلَّا بِالْمَوْت

یعنی اے امیرالمومنین یہ دنیا صرف موت ہی کی وجہ سے اچھی ہے۔

اس پر خلیفہ نے کہا اے فضل! وہ کیسے؟ وزیر نے جواباً عرض کیا۔

لَوْلَا الْمَوْتُ لَمَا وَصَلَ إِلَيْكَ الْمُلْكَ

یعنی اگر موت نہ ہوتی تو آپ کو یہ بادشاہت کبھی نصیب نہ ہوتی۔

صاف گوئی کی جسارت

جب خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے حج کا ارادہ کیا تو اس نے اپنے درباریوں سے کہا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ کاش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی صحابی یا کم از کم کوئی تابعی ہی میرا رفیق سفر ہو۔ اس پر درباریوں نے طاؤس یمانی کو ایک دن اس غرض کے لئے ہشام کے دربار میں بھیجا۔ جب یہ شخص خلیفہ کے دربار میں حاضر ہوا تو اس نے قالین کے کنارے پر اپنی جوتی اتار دی اور خلیفہ کے پہلو میں بیٹھ کر بے دھڑک کہا۔

كَيْفَ اَنْتَ الْيَوْمَ يَاهِشَامُ؟

یعنی اے ہشام آج تمہارا کیا حال ہے؟

اس بے ادبی پر ہشام کو غصہ آ گیا اور اس نے اس سے کہا کہ تجھے یہ جرات کیسے ہوئی ہے کہ تو نے اپنے جوتے تو قالین کے کنارے پر اتارے لیکن مجھے امیرالمومنین کہہ کر سلام نہیں کیا اور نہ ہی مجھے میری کنیت سے مخاطب کیا ہے بلکہ میرے سامنے بیٹھ کر میرا نام لے کر کہا ہے کہ "اے ہشام تمہارا کیا حال ہے" اس پر طاؤس یمانی نے کہا اَمَّا خَلْعُ نَعْلِي فَاَخْلَعُهَا خَمْسَ مَرَّاتٍ فِي مَوْقَفِ الصَّلٰوةِ یعنی جوتی تو میں پانچ مرتبہ جائے نماز کے کنارے پر اتارتا ہوں۔ وَ اَمَّا لَمْ اُسَلِّمْ بِاِمْرَةِ اَمِيرِالْمُومِنِيْنَ فَلَيْسَ كُلُّ النَّاسِ رَاضِيْنَ بِاِمْرَتِكَ فَكَرِهْتُ اَنْ اَكْذِبَ یعنی میں نے آپ کو امیرالمومنین کہہ کر اس لئے سلام نہیں کیا کہ سب لوگ آپ کے امیرالمومنین ہونے پر راضی نہیں ہیں۔ اس لئے میں نے جھوٹ بولنا پسند نہ کیا وَ اَمَّا اِنِّي لَمْ اُكَنِّيْكَ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى كَنَّى اَعْدَاءَهٗ فَقَالَ تَبَّتْ يَدَا اَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ اور میں آپ کو آپ کی کنیت سے اس لئے مخاطب نہیں کیا کیونکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیاروں کو تو ان کے نام سے مخاطب کیا ہے جیسے فرمایا اے داؤد! اے یحییٰ! اور اے عیسیٰ! لیکن اپنے دشمنوں کو ان کی کنیت سے مخاطب کیا ہے جیسے فرمایا "ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہو گئے اور وہ خود بھی تباہ ہو گیا" حالانکہ ابولہب کا اصل نام عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب ہے باقی رہی یہ بات کہ میں آ کر آپ کے پہلو میں بیٹھ گیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اِنِّي سَمِعْتُ عَلِيَّ ابْنَ اَبِي طَالِبٍ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ يَقُولُ اِذَا اَرَدْتَ اَنْ تَنْظُرَ اِلَى رَجُلٍ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَانْظُرْ اِلَى رَجُلٍ جَالِسٍ وَ حَوْلَهٗ قَوْمٌ قِيَامٌ یعنی میں نے امیرالمومنین علی ابن ابی طالب کو کہتے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ کسی دوزخی کو دیکھنا چاہو تو اس شخص کو دیکھو جو مجلس میں خود تو بیٹھا ہے لیکن باقی سب لوگ اس کے گرد کھڑے ہیں۔

حجاج اور ہند بنت مہلب

گورنر حجاج جب ہند بنت مہلب کو رخصتانہ کے بعد اپنے گھر لایا تو شب باشی سے قبل اسے پتہ چل گیا کہ اس خاتون کو مجبوراً اس سے شادی کرنی پڑی ہے اور یہ کہ وہ حجاج کے متعلق بری سوچ رکھتی ہے۔ اس پر حجاج نے جو بہت زیرک حکمران تھا اسے اس کا شرعی نفقہ بھجواتے ہوئے اپنے قاصد سے کہا کہ تو اس عورت سے کہنا کہ اِنَّ الْاَمِیْرَ یُقْرِئُكِ السَّلامَ وَ یَقُوْلُ لَكِ كُنْتِ فَبِنْتِ کہ امیر تجھے سلام کہتا ہے اور کہتا ہے کہ تو میری بیوی تھی لیکن اب میں تجھ کو "طلاق بائن" دیتا ہوں یہ سن کر ہند نے اس قاصد سے کہا قُلْ لِلْاَمِیْرِ وَاللّٰہُ كُنَّا فَمَا فَرِحْنَا بِنَا فَمَا نَدِمْنَا وَ هٰذَا الْمَالُ الَّذِی جِئْتَ بِهٖ اِلَیْنَا ثَمَنًا لِهٰذِهِ الْبُشْرَی "یعنی امیر سے کہو خدا کی قسم میں آپ کی بیوی تھی تو اس پر مجھے ہرگز کوئی خوشی نہ تھی اور اب جب مجھے طلاق بائن ہو گئی ہے تو اس پر مجھے کوئی ندامت نہیں ہے اور اے قاصد یہ مال جو تو لے کر آیا ہے میں تجھے اس خوشخبری کی خاطر دیتی ہوں جو تو لے کر آیا ہے۔"

دلیل سے مقابلہ

عربی ادب کی روایت میں آتا ہے کہ ابو الاسود دولی اور اس کی بیوی کے درمیان ان کے سات سالہ بچے کی ولدیت پر جھگڑا ہو گیا۔ دونوں اس بچے پر اپنا حق جتلاتے تھے۔ یہاں تک کہ دونوں والئ بصرہ کے دربار میں پہنچ گئے والئ بصرہ نے پہلے عورت سے اپنے دعوے کے حق میں دلیل پیش کرنے کو کہا۔ اس پر عورت نے کہا۔

اَصْلَحَكَ اللّٰہُ اَیُّها الْاَمِیْرِ هٰذا اِبْنِی كَانَ بَطْنِی وِ عَاءُهٗ وَ حِجْرِی فَنَاءُهٗ وَ ثَدْیِیْ سَقَاءُهٗ اَكْلُؤهٗ اِذَا نَامَ وَ اَحْفَظُهٗ اِذَا قَامَ فَلَمْ اَزَلْ كَذٰلِكَ سَبْعَةَ اَعْوامِ فَحِیْنَ رَقِبْتُ نَفْعَهٗ وَ رَجَوْتُ رِفْعَهٗ حَاوَلَ غَصْبَهٗ مِنِی قَهْراً

یعنی اے امیر اللہ آپ کا بھلا کرے یہ میرا بیٹا ہے اولاً میرا پیٹ اس کا گھر تھا۔ پھر میری گود اس کا صحن تھا اور میرا پستان اس کا مشرب تھا میں اس کی نگہبانی کرتی جب یہ سو جاتا اور جب یہ بیدار ہوتا تھا تو میں اس کی حفاظت کرتی تھی اور یہ حالت مسلسل سات سال تک جاری رہی تا آنکہ مجھے اس سے نفع کی توقع ہوئی اور اس کے ذریعہ معاشرہ میں مجھے عزت کا مقام ملنے کی امید

بندھی تو یہ شخص اب یہ بچہ مجھ سے جبراً چھیننا چاہتا ہے۔

اس والی نے ابوالاسود کو اپنے حق میں دلیل پیش کرنے کو کہا تو اس نے کہا

اَصْلَحَكَ اللّٰهُ اَيُّهَا الْاَمِيْرَ اَنَا حَمَلْتُهٗ قَبْلَ اَنْ تَحْمِلَهٗ وَ وَضَعْتُهٗ قَبْلَ اَنْ تَضَعُهٗ

یعنی اے امیر اللہ آپ کا بھلا کرے میں نے اس بچے کو (بصورت نطفہ) اس عورت سے پہلے اپنے جسم میں اٹھایا تھا اور پھر اس کو اس کے رحم میں اس کے وضع حمل سے پہلے رکھا تھا۔

اس پر اس عورت نے کہا ــــ لَقَدْ صَدَقَ اَيُّهَا الْاَمِيْر وَلٰكِنْ حَمَلَهٗ خَفِيْفًا وَ حَمَلْتُهٗ ثَقِيْلًا وَضَعَهٗ شَهْوَةً وَ وَضَعْتُهٗ كُرْهًا ــــ یعنی "اے امیر اس نے بالکل سچ کہا ہے لیکن جب اس نے اُسے اٹھایا ہوا تھا تو اس کا یہ بوجھ قطعاً کوئی بوجھ نہ تھا لیکن جب میں نے اسے اٹھایا تو یہ ایک حقیقی بوجھ تھا پھر اس نے اپنے نطفہ کو میرے رحم میں اپنی شہوت پوری کرنے کی غرض سے رکھا تھا لیکن میں نے جب وضع حمل کیا تو یہ ایک انتہائی تکلیف دہ امر تھا۔

اس پر والی نے ابوالاسود دوئلی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"میں نے دونوں جانب کے دلائل سنے ہیں اور ان دلائل کا باہمی مقابلہ کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ تمہیں اس خاتون سے یہ بچہ چھیننے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔"

مسجع و مقفّٰی کلام

کلام کرنا خاصہ انسان ہے اور کلام ہی انسان اور حیوان کے مابین مابہ الامتیاز ہے۔ اسی لئے اہل منطق نے انسان کو "حیوان ناطق" کا خطاب دیا ہے۔ عام لوگوں کا کلام سادہ اور غیر پیچیدہ ہوتا ہے لیکن ادباء و بلغاء کا کلام فخامت الفاظ سے مرصع و مزین ہوتا ہے اور بسا اوقات مسجع و مقفّٰی بھی جس سے کلام دلکش۔ دلنشین اور مؤثر ہو جاتا ہے۔ اس لئے عبارت اگر سادہ ہو تو اس کی تاثیر اور طرح کی ہوتی ہے لیکن اگر مسجع و مقفّٰی ہو تو اس کی تاثیر اور رنگ کی ہوتی ہے۔

قرآن کریم نے دونوں قسم کے اسالیب کو اپنایا ہے۔ ایسی آیات بھی بکثرت ہیں جن کی عبارت سادہ ہے لیکن ایسی آیات بھی بے شمار ہیں جن کی عبارت خوب مسجع و مقفّٰی ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے یہ دعا نقل ہوئی ہے۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْO وَ يَسِّرْلِيْ اَمْرِيْO وَاحْلُلْ

عُقْدَةً مِّن لِّسَانِی O یَفْقَهُوْا قَوْلِی O وَاجْعَلْ لِّی وَزِیْراً مِّنْ اَهْلِی O هٰرُوْنَ اَخِی O اشْدُدْ بِهٖ اَزْرِیْ O وَ اَشْرِكْهُ فِی اَمْرِی O کَیْ نُسَبِّحَكَ کَثِیْراً وَ نَذْکُرَكَ کَثِیْراً O اِنَّكَ کُنْتَ بِنَا بَصِیْراً O

یہ آیات قرآنی مسجع و مقفّی عبارت کا ایک بہت ہی عمدہ نمونہ ہیں۔

ایک روایت

عربی ادب کی روایات میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ دو ۲ عرب میاں بیوی میں باہم چپقلش ہو گئی۔ عورت صریحاً زیادتی کی مرتکب ہو رہی تھی۔ اس پر خاوند نے کہا تم بیوی ہو کر اپنے خاوند کے ساتھ زیادتی کر رہی ہو؟ اس پر عورت نے کہا ہاں میں کیوں نہ زیادتی کروں۔ اس پر خاوند نے نہایت ہی مسجع اور مقفی کلام میں اسے کہا۔

اُسْکُتِی فَوَاللّٰهِ فَمَا شَعْرُكِ بِوَارِدْ وَ لَا فُوْكِ بِبَارِدْ وَ لَا ثَدْیُكِ بِنَاهِدْ وَ لَا بَطْنُكِ بِوَالِدْ وَ لَا الْخَیْرُ فِیْكِ بِزَائِدْ وَ لَا الشَّرُّ فِیْكِ بِوَاحِدْ وَ مَا اَنَا لَكِ بِحَامِدْ وَ لَا بَعْدَ مَوتِكَ بِوَاجِدْ

یعنی ـــــ خاموش ہو جا، نہ تو تم زلف دراز کی مالک ہو، نہ تمہارے دہن میں کوئی خنکی ہے، نہ تمہارے سینے کے اُبھار میں کوئی دلکشی ہے نہ تم میں قوت تولید ہے، نہ تم میں کوئی زائد نیکی ہے اور نہ تم میں کوئی ایک برائی ہے۔ مجھے تمہاری تعریف کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی تمہاری رحلت کا کوئی غم ہو گا۔

خلیفہ متوکل اور شاعر ابو العیناء

ابو العیناء (شاعر) ایک دن خلیفہ متوکل کے دربار میں آیا اور باہم ہم کلام ہوا۔ خلیفہ کو اس کا اسلوب کلام بہت پسند آیا اور اسے کہا اے ابو العیناء مجھے یہ بتلایا گیا ہے کہ تم ایک شر پسند آدمی ہو۔ اس پر ابو العیناء نے کہا۔

اِذَا کَانَ اَلشَّرُّ الَّذِی یَعْنِیْهِ اَمِیْرُ الْمُومِنِیْنَ هُوَ ذِکْرُ الْمُحْسِنِ بِاِحْسَانِهٖ وَ ذِکْرُ الْمُسِیْئِی بِاِسَاءَتِهٖ فَقَدْ ذَکَرَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَ ذَمَّ فَقَالَ فِی التَّزْکِیَةِ نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّاب O وَ قَالَ فِی الذَّمِّ هَمَّازٍ

مَشَّاءٍ بِنَمِيْمٍ○ مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ○ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَالِكَ زَنِيْمٍ○

یعنی اگر امیرالمومنین کی مراد شر سے یہ ہے کہ کسی محسن کے احسان کا ذکر کیا جائے اور کسی بد کردار کی بدی کا ذکر کیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں ان دونوں کو استعمال کیا ہے۔ چنانچہ حضرت داوَدؑ کے متعلق فرمایا کہ وہ بہت ہی اچھا بندہ تھا کہ وہ بار بار اپنے رب کی طرف جھکتا تھا اور ایک سرکش کافر کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ عیب جو ہے۔ چغلخور ہے۔ نیکی سے روکنے والا ہے۔ زیادتی کرنے والا اور گنہگار ہے، پھر وہ بد خلق ہے اور نطفہ ناتحقیق ہے۔

اس کے بعد ابوالعیناء نے خلیفہ کو یہ رباعی سنائی ۔

اِذَا اَنَا لَمْ اَمْدَحْ عَلَى الْخَيْرِ اَهْلَهٗ
وَلَمْ اَذْمُمِ الرَّجُلَ اللَّئِيْمَ الْمُذَمَّمَا
فَفِيْمَا عَرَفْتُ الْخَيْرَ وَالشَّرَّ بِاسْمِهٖ
وَ شَقَّ لِيَ اللّٰهُ الْمَسَامِعَا وَالْفَمَا

یعنی ــــ اگر میں کسی نیکوکار کی نیکی پر اس کی مدح نہ کروں اور ایک کمینے اور قابل مذمت شخص کی مذمت نہ کروں تو پھر میں نے نیکی کو نیکی اور شر کو شر کے نام سے کیا خاک پہچانا ہے بالخصوص جب کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کان اور منہ عطا کر رکھے ہیں۔

علماء حق

بہت سے افراد کو دعویٰ علم ہوتا ہے لیکن وہ علم کی صحیح قدر و قیمت سے بالکل غافل ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ اہل ثروت کے گھروں کا طواف کرتے نظر آتے ہیں لیکن علمائے حق اس قسم کے خلق سے مکمل طور پر مجتنب ہوتے ہیں اور امراء کے دروازوں پر ہرگز حاضر نہیں ہوتے۔ خلیفہ منصور عباسی کے زمانے حضرت جعفر صادقؒ ایسے ہی علماء حق میں سے ایک تھے۔ خلیفہ منصور عباسی نے ایک دن انہیں ایک خط لکھا جس میں ان سے کہا کہ

"اے عبداللہ (یہ ان کا اصلی نام تھا) باقی لوگوں کی طرح آپ بھی میری مجلس میں کیوں حاضر نہیں ہوتے۔"

حضرت امام جعفرؒ نے انہیں کہلا بھیجا کہ ـــــ ہمارے پاس اتنا مال و دولت نہیں کہ جسے بچانے کی خاطر ہم آپ کے پاس آئیں نہ آپ کے پاس کوئی ایسی خیر ہے کہ جس کے باعث اپنی عاقبت کی خاطر ہمیں آپ کی زیارت کی کوئی ضرورت ہو اور نہ ہی آپ ایسی قابل رشک حالت میں ہیں کہ ہم آپ کو مبارکباد دینے آئیں اور نہ آپ پر کوئی آفت آن پڑی ہے کہ ہم آپ سے تعزیت کے لئے آئیں" ـــــ اس پر منصور نے انہیں جواباً کہا۔

"کیا آپ ہمیں نصیحت کرنے کے لئے بھی نہیں آسکتے؟"

اس پر امام جعفر صادق نے انہیں کہلا بھیجا۔

مَنْ يَطْلُبُ الدُّنْيَا لاَ يَنْصَحُكَ۔ وَ مَنْ يَطْلُبُ الْاٰخِرَةَ لاَ يَصْحَبُكَ

یعنی جسے دنیا کی طلب ہے وہ کبھی تمہیں نصیحت نہیں کرے گا اور جسے آخرت کی طلب ہے وہ کبھی تیری صحبت کا طالب نہ ہو گا۔

حضرت امیر معاویہ اور ایک انصاری

حضرت امیر معاویہؓ عرب حکمرانوں میں ایک بیدار مغز سیاستدان تھے اور اپنے حلم اور بردباری میں بہت مشہور تھے۔ اس لئے بسا اوقات آپ کے دربار میں بڑی دلچسپ اور جرات آمیز باتیں ہوا کرتی تھیں اور آپ اپنے مخالفین کے ترکی بہ ترکی جوابات کو پورے تحمل، صبر اور سکون سے سن کر خاموش ہو جایا کرتے لیکن جھگڑا نہ اٹھنے دیا کرتے تھے۔ ایسے ہی ایک موقعہ پر حضرت امیر معاویہؓ نے ایک روز بڑے فخریہ انداز میں انصار کی ایک مجلس میں فرمایا۔

اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ حَيَّ قُرَيْشًا بِثَلاَثٍ۔ فَقَالَ لِنَبِيِّهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلاَمُ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الاَقْرَبِيْنَ وَ نَحْنُ قُرَيْشٌ اَلْاَقْرَبُوْنَ وَ قَالَ تَعَالٰى (لاِيْلاَفِ قُرَيْشٍ اِيْلاَفِهِمْ) وَ نَحْنُ قُرَيْشَ وَ قَالَ تَعَالٰى (وِ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَكَ وَلِقَوْمِكَ) وَ نَحْنُ قَوْمُهٗ

یعنی اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں قریش کو تین مرتبہ اعزازی رنگ میں مخاطب فرمایا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ تو اپنے قریبی رشتہ داروں کو متنبہ کر اور ہم قریش آپ کے قریب ترین رشتہ دار ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ قریش کو الفت دلانے کے لئے ہاں انہیں الفت دلانے کے لئے اور ہم ہی وہ قریش ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ نے

فرمایا۔ یقیناً یہ قرآن تیرے لئے اور تیری قوم کے لئے سراسر باعث شرف ہے اور ہم ہی حضور کی قوم ہیں۔

یہ سننے کے بعد ایک انصاری کھڑا ہو گیا اور کہا کہ جناب معاویہؓ صاحب ذرا ٹھہریں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(وَ كَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَ هُوَالْحَقُّ) وَ اَنْتُمْ قَوْمُهٗ وَ قَالَ تَعَالٰی (وَ لَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ) وَ اَنْتُمْ قَوْمُهٗ وَ قَالَ تَعَالٰی (وَ قَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا) وَ اَنْتُمْ قَوْمُهٗ ثَلَاثَةً بِثَلَاثٍ وَ اِنْ زِدْتَنَا زِدْنَاكَ

یعنی تیری قوم نے اس پیغام الٰہی کی تکذیب کی حالانکہ یہ برحق تھا اور تم ہی حضور کی قوم ہو جس نے یہ کام کیا پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور جب ابن مریم کی مثال بیان کی جاتی ہے تو دیکھ تیری قوم تالیاں بجانے لگتی ہے اور تم ہی حضور کی یہ قوم ہو اور پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ رسول کریم صلعم نے احتجاجاً اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے میرے رب میری اس قوم نے قرآن کو متروک کر دیا ہے اور تم ہی حضور کی یہ قوم ہو یہ آپ کی بیان کردہ تین باتوں کے تین جواب ہیں اور اگر آپ کچھ مزید فرمائیں گے تو ہم اس کا بھی جواب دیں گے۔

حضرت امیر معاویہ اور بنو ہاشم

اسی طرح ایک اور مجلس میں حضرت امیر معاویہؓ نے ایک روز بنو ہاشم کو بھی اسی طرح یوں مخاطب کیا:

يَابَنِی هَاشَمْ اِنَّ خَيْرِی لَكُمْ لَمَمْنُوحٌ وَ اِنَّ بَابِی لَكُمْ لَمَفْتُوْحٌ فَلَا يُقْطَعُ خَيْرِی عَنْكُمْ وَ لَا يُصَدُّ بَابِی دُوْنَكُمْ وَ لَمَّا نَظَرْتُ فِیْ اَمْرِیْ وَ اَمْرِكُمْ رَاَيْتُ اَمْرًا مُخْتَلِفًا فَاَنْتُمْ تَرَوْنَ اَنَّكُمْ اَحَقُّ بِمَا فِی يَدَیَّ مِنِّی وَ اِذَا وَصَلْتُكُمْ قُلْتُمْ اَعْطَانَا دُوْنَ حَقِّنَا وَ قَصَرَ بِنَا عَنْ قَدْرِنَا فَصِرْتُ كَالْمَسْلُوْبِ وَالْمَسْلُوْبُ لَا حَمْدَ لَهٗ وَ لَا شُكْرَ عَلٰی يَدِ هٰذَا مَعَ اِنْصَافِ قَائِلِكُمْ وَ اِسْعَافِ سَائِلِكُمْ

یعنی اے بنی ہاشم میری عطا تم پر جاری و ساری ہے اور میرا دروازہ تمہارے لئے ہمیشہ کھلا ہے پس نہ تو میری عطا تم پر بند ہے اور نہ ہی میرا دروازہ تمہارے آگے بند ہے لیکن جب میں اپنے اور تمہارے معاملہ پر غور کرتا ہوں تو بات مجھے بالکل مختلف نظر آتی ہے تم سمجھتے ہو کہ تم اس مال کے جو میرے قبضہ میں ہے مجھ سے زیادہ حقدار ہو اور جب میں تمہیں صلہ رحمی کے طور پر دیتا ہوں تو تم خیال کرتے ہو کہ اس نے ہمیں ہمارے حق سے کم دیا ہے اور ہماری ناقدری کی ہے پس میں تو اس شخص کی طرح ٹھہرا جس سے زبردستی کچھ چھین لیا گیا ہو اور ایسے شخص کی نہ تعریف کی جاتی ہے اور نہ اس کا احسان سمجھتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے اور یہ اس کے باوجود ہے کہ میں تم میں سے قاتل کے ساتھ بھی انصاف کرتا ہوں اور تم میں سے حاجت مند کی حاجت روائی بھی کرتا ہوں۔

جب امیر معاویہؓ اپنی بات پوری کر چکے تو حضرت ابن عباسؓ فوراً کھڑے ہوئے اور اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

وَاللّٰہِ یَامُعَاوِیَۃُ مَامَنَحْتَنَا شَیْئًا حَتّٰی سَاَلْنَاہُ وَ لَا فَتَحْتَ لَنَابَابًا حَتّٰی قَرَعْنَاہُ وَ لَئِنْ قَطَعْتَ خَیْرَكَ عَنَّا فَجَزَاءُ اللّٰہِ اَوْسَعُ مِنْكَ وَ لَئِنْ اَغْلَقْتَ دُوْنَنَا بَابًا فَلَنُوَلِّیَنَّ بَانْفُسِنَا عَنْكَ وَ اَمَّا ھٰذَا الْمَالُ فَلَیْسَ لَكَ مِنْہُ اِلَّا مَالِرَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَلَوْلَا حَقُّنَا فِیْہِ لَمْ یَسَعْ اِلَیْكَ زَائِرٌ بِخُفٍّ وَ لَا حَافِرٌ اَكَفَاكَ ھٰذَا اَمْ اَزِیْدُكَ۔

یعنی اے معاویہ! بخدا تو نے ہمیں کوئی چیز از خود عطا نہیں کی جب تک ہم نے خود اس کا مطالبہ نہ کیا اور تو نے ہمارے لئے کبھی کوئی دروازہ از خود نہیں کھولا جب تک ہم نے خود اسے پہلے کھٹکھٹایا نہیں اس لئے اگر تو اب ہم سے اپنی عطا روک دے تو اللہ کی جزا بہت وسیع ہے اور اگر اب تو کوئی دروازہ ہمارے سامنے بند کرے دے تو ہم بھی تجھے چھوڑ کر یہاں سے چلے جائیں گے۔ رہا یہ مال جو تیرے قبضہ میں ہے تو تیرا بھی اس پر صرف اتنا ہی حق ہے جتنا کسی اور مسلمان کا۔ اس لئے اگر اس میں ہمارا حق نہ ہوتا تو ہم میں سے کوئی اونٹ سوار یا گھڑ سوار کبھی تیرے پاس نہ آتا۔ پس اے معاویہ کیا اتنا ہی کافی ہے تیرے لئے یا کچھ اور سناؤں؟

تاثیر شعر

شعر ایسا کلام ہے جس کی تاثیر سے انکار ناممکن ہے اس لئے قرآن کریم نے شعر کہنے سے منع نہیں فرمایا خود آنحضرت صلعم کے دربار میں کئی صحابہ جلیل القدر شعراء تھے جیسے حضرت حسانؓ بن ثابت، حضرت علیؓ، حضرت لبیدؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت خنساءؓ وغیرہ۔ اسی طرح مشہور عباسی خلیفہ ہارون الرشید بھی شعراء کا بہت قدر شناس تھے اور ابو نواس اور ابوالعتاھیہ اس کے پسندیدہ شعراء اور ندیموں میں سے تھے لیکن جیسا کہ نازک مزاج شاہان کا وطیرہ ہے کہ پل میں تولہ پل میں ماشہ ایک دن کار قضاء ہارون الرشید ابوالعتاہیہ شاعر سے ناراض ہو گیا اور اسے قید خانہ میں ڈال دیا اور اس بات کو بالکل بھول گیا کہ اسے کسی روز وہاں سے نکالنا بھی ہے چنانچہ ابوالعتاہیہ رہائی کا انتظار کرتے کرتے از حد لاغر و نحیف ہو گیا اور بالآخر مجبور ہو کر اپنے قید خانہ کی دیوار پر یہ اشعار کسی کو کہہ کر لکھوا دیئے:

اَمَا وَاللّٰهِ اِنَّ الظُّلْمَ شُئومٌ
وَمَا زَال الْمُسِيئُ هُوَ الظَّلُومُ
اِلَى الدَّيَّانِ يَوْمَ الدِّيْنِ نَمْضِى
وَ عِنَداللّٰهِ تَجْتَمِعُ الْخُصُومُ
سَنَعْلَمُ فِى الْمَعَادِ اِذَا اِلْتَقَيْنَا
غَداً عِنْدَ الْمَلِيكِ مَنِ الظُّلُومُ

یعنی بخدا ظلم یقیناً ایک نحوست ہے اور بد سلوکی کرنے والا ہی ہمیشہ سب سے بڑا ظالم ہوتا ہے۔ بروز جزاء ہم جزاء و سزا کے مالک کے حضور حاضر ہوں گے اور اللہ کے سامنے سب مدعیاں و مدعاعلیہان جمع ہوں گے۔ پس قیامت کے روز جب ہم ایک دوسرے سے شہنشاہ کے دربار میں ملیں گے تو تجھے پتہ چل جائے گا کہ کون سب سے بڑا ظالم ہے۔

خلیفہ ہارون الرشید نے ایک دن واں سے گزرتے ہوئے یہ اشعار پڑھے تو وہ بہت رویا اور اسی وقت ابوالعتاہیہ کو بلا کر اس سے معافی مانگی اور اسے ایک ہزار دینار انعام دیا۔

مامون الرشید اور ایک مدعی نبوت

خلیفہ مامون الرشید کے زمانہ میں ایک آدمی نے دعویٰ نبوت کیا اس پر مامون نے اسے اپنے

دربار میں بلایا اور اس سے پوچھا کہ تمہارے نبی ہونے کی علامت یا ثبوت کیا ہے۔ اس پر اس شخص نے کہا کہ ثبوت یہ ہے کہ مجھے علم ہے کہ تمہارے دل میں کیا ہے؟ اس پر مامون نے کہا کہ بتاؤ کہ میرے دل میں کیا ہے؟ اس شخص نے جواباً کہا کہ آپ اپنے دل میں مجھے جھوٹا سمجھتے ہیں اس پر مامون نے اسے قید کر دیا اور پھر چند روز کے بعد اسے پھر دربار طلب کیا اور پوچھا کہ کیا تمہیں کوئی تازہ الہام یا وحی ہوئی ہے؟ اس نے کہا مجھے تازہ وحی کوئی نہیں ہوئی۔ خلیفہ نے پوچھا وہ کیوں؟ اس نے کہا لِاَنَّ الْمَلَائِکَۃَ لَا تَدْخُلُ السِّجْنَ یعنی تازہ وحی اس لئے نہیں ہوئی کیونکہ فرشتے قید خانہ میں داخل نہیں ہوتے اس پر خلیفہ ہنس پڑا اور اسے چھوڑ دیا۔

ناراضگی کے باوجود عفو و درگذر

عربی ادب کی روایات میں مذکور ہے کہ ایک دن ایک بدو خانہ کعبہ کے پردہ کو تھامے یہ دعا مانگ رہا تھا:

> اَللّٰھُمَّ عَبْدُکَ بِبَابِکَ ذَھَبَتْ اَیَّامُہٗ وَ بَقِیَتْ اٰثَامُہٗ وَانْقَطَعَتْ شَھْوَاتُہٗ وَبَقِیَتْ تَبْعَاتُہٗ فَارْضَ عَنْہُ فَاِنْ لَّمْ تَرْضٰی عَنْہُ فَاعْفُ عَنْہُ
>
> یعنی اے اللہ تیرا بندہ تیرے دروازہ پر کھڑا ہے اس کی زندگی کے دن گذر چکے ہیں لیکن اس کے گناہ اور نتائج گناہ باقی ہیں اس کی شہوات ختم ہو چکی ہیں لیکن ان کے نتائج قائم ہیں پس تو اس سے راضی ہو جا اور اگر راضی نہیں ہو سکتا تو اسے معاف کر دے۔

وہاں ایک اور بدو بھی کھڑا تھا اس نے اس بدو کی یہ دعا سن کر اسے کہا کَیْفَ یَعْفُو اللّٰہُ عَنْ عَبْدٍ وَ ھُوَ غَیْرُ رَاضٍ عَنْہُ یعنی اللہ اس بندے کو کیسے معاف کرے گا جس سے وہ ناراض ہے اس پر پہلے بدو نے جواباً اسے کہا اِنَّ الرِّضَا وَالْعَفْوَ لَا یَتَعَارَضَانِ فَقَدْ یَعْفُو اللّٰہ عَنْ عَبْدٍ وَ ھُوَ غَیْرُ رَاضٍ عَنْہُ یعنی رضا اور عفو ایک دوسرے کے ضد نہیں ہیں بسا اوقات اللہ ایسے بندے کو بھی معاف کر دیتا ہے جس سے وہ راضی نہیں ہے۔

حجازی نوجوان اور عمر بن عبدالعزیز

جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کی بطور خلیفہ بیعت ہوئی تو ہر طرف سے وفود آپ کو مبارکباد دینے کے لئے آنے شروع ہو گئے۔ انہی میں سے ایک وفد اہل حجاز کا بھی تھا۔ جن میں سے ایک

نوجوان نے اٹھ کر کلام کرنا چاہا تو حضرت عمر نے فرمایا:

لِيَتَكَلَّمْ مَنْ هُوَ اَسَنُّ مِنْكَ

کہ اپنے سے بڑے کو کلام کرنے دو

اس پر اس نوجوان نے عرض کیا — "يَا اَمِيْرَ الْمُوْمِنِيْنَ اِنَّمَا الْمَرْءُ بِاَصْغَرَيْهِ قَلْبِهٖ وَ لِسَانِهٖ فَاِذَا مَنَحَ اللّٰهُ عَبْدَهٗ لِسَانًا لَافِظًا وَ قَلْبًا حَافِظًا فَقَدْ اَحْسَنَ لَهُ الْاِخْتِيَارَ وَ لَوْ اَنَّ الْاَمْرَ بِالسِّنِّ لَكَانَ فِي مَجْلِسِكَ هٰذَا مَنْ هُوَ اَحَقُّ بِهٖ مِنْكَ" — یعنی "اے امیرالمومنین! انسان اپنی سب سے دو چھوٹی چیزوں کا مرکب ہے یعنی اپنے دل کا اور اپنی زبان کا۔ پس جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو زبان ناطق اور قلب حافظ سے بہرہ ور فرمائے تو اُس نے اُسے بہت عمدہ اختیار دیا ہے اور اگر معاملے کا انحصار عمر پر ہوتا تو آپ کی اس مجلس میں اس مسند خلافت پر وہ شخص متمکن ہوتا جو آپ سے زیادہ معمر ہوتا" — حضرت عمر کو اس نوجوان کی یہ بات معقول نظر آئی اور آپ نے فرمایا "اے نوجوان تُو نے درست کہا ہے اس لئے اب کلام کر۔" اس پر اس نوجوان نے کہا:

اَيُّهَا الْاَمِيْرُ! اِنَّمَا نَحْنُ وَ فَدُ التَّهْنِئَةِ لَا وَ فَدُ الْمَلَقِ وَ لَا وَفَدُ التَّرْزِئَةِ وَ لَمْ نَتَقَدَّمْ اِلَيْكَ رَغْبَةً فِيْكَ وَ لَا رَهْبَةً مِنْكَ لِاَنَّا اَمِنَّا فِيْ اَيَّامِكَ مَا خِفْنَا وَ اَدْرَكْنَا وَ حَقَّقْنَا مَا اِلَيْهِ سَعَيْنَا

یعنی اے امیر! ہم تو صرف ہدیہ تبریک پیش کرنے والے وفد ہیں نہ کہ خوشامد اور مصیبت زدہ وفد اور ہم آپ کے پاس کسی طمع کے باعث نہیں آئے اور نہ ہی آپ کا کوئی خوف ہماری آمد کا باعث ہے کیونکہ ہم آپ کے عہد خلافت میں ہر ڈر سے محفوظ ہیں اور ہم نے اپنی طلب کو پالیا ہے اور وہ چیز حاصل کرلی ہے جس کے لئے ہم کوشاں تھے۔

حضرت علیؓ کی منطق

حضرت علیؓ میدان جنگ میں اپنی خچر پر سوار دوڑے چلے جارہے تھے کہ ایک آدمی نے انہیں کہا — حَبَّذَا لَوِ اتَّخَذَ اَمِيْرُ الْمُوْمِنِيْنَ اَلْخَيْلَ مَطِيَّةً لَهٗ فَاِنَّهَا اَقْرَبُ اِلَى النَّجْدَةِ وَ اَوْسَعُ فِي الْخُطْوَةِ — "یعنی کیا ہی اچھا ہوتا اگر امیرالمومنین گھوڑے کو بطور سواری لیتے کیونکہ گھوڑا مدد کے لئے زیادہ ممد ہے اور اس کے قدم زیادہ تیز ہیں۔" اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا:

يَا رَجُلُ اَنَا لَا اَفِرُّ مِمَّنْ كَرَّ وَ لَا اَكُرُّ عَلٰى مَنْ فَرَّ فَالْبَغْلَةُ

تَكَفِينی
یعنی اے آدمی میں حملہ آور کے سامنے سے بھاگتا نہیں ہوں اور جو مجھ سے ڈر کر بھاگ کھڑا ہو میں اس پر حملہ نہیں کرتا پس خنجر میرے لئے بالکل کافی ہے۔

کلام و سکوت پر مناظرہ

ابو تمام روایت کرتے ہیں کہ سعید بن عبدالعزیز کی مجلس میں ہمارے درمیان کلام و سکوت کی فضیلت پر مناظرہ ہوا۔ تو ایک مناظر نے کہا:

اِنَّ الصَّمْتَ زَيْنٌ وَ فَضِيْلَةٌ مِنْ فَضَائِلِ الرِّجَالِ وَ كَثْرَةُ الْكَلَامِ دَلِيلُ الطَّيْشِ وَ ضُعْفُ الرَّاي

یعنی خاموشی زینت اور انسانوں کے فضائل میں سے ایک فضیلت ہے اور کثرت کلام طیش اور کمزوریٔ رائے کی دلیل ہے۔

اِس پر سعید بن عبدالعزیز نے کہا ـــــ یَا هٰذَا اِنَّكَ تَمْدَحُ الصَّمتَ بِالْكَلَامِ وَ لَا تَمْدَحُ الْكَلَامُ بِالْصَّمْتِ یعنی اے شخص تو صرف کلام کے ذریعہ سے ہی سکوت کی تعریف کر سکتا ہے لیکن تو سکوت کے ذریعہ کلام کی تعریف ہرگز نہیں کر سکتا۔ اس مجلس میں علامہ جاحظ بھی موجود تھے انہوں نے فرمایا:

كَيْفَ تُقُولُونَ اِنَّ الصَّمْتَ اَنْفَعُ مِنَ الْكَلَامِ وَ فَائِدَةُ الصَّمْتِ لاتَتَجَاوَزُ صَاحِبَهُ وَ فَائِدَةُ الْكَلَامِ تَعُمُّ وَ تَخُصُّ وَالرُّوَاةُلَمْ تَرْوِسَكُوْتَ الصَّامِتِيْنَ كَمَارَوَتْ كَلَامَ النَّاظِمِيْنَ وَالنَّاثِرِيْنَ وَ قَدْ اَرْسَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنْبِيَاءَهٗ بِالْكَلَامِ وَ لَمْ يُرْسِلِهُمْ بِالصَّمْتِ ــــ

یعنی تم کس طرح کہہ سکتے ہو کہ سکوت کلام سے زیادہ فائدہ مند ہے جبکہ خاموشی کا فائدہ تو صرف خاموشی والے تک ہی محدود ہے اور کلام کا فائدہ ہر خاص و عام کو پہنچتا ہے۔

اور راویوں نے خاموش رہنے والوں کی خاموشی کے بارے میں کوئی روایت نقل نہیں کی ہے جبکہ انہوں نے اصحاب نظم و نثر کے متعلق روایات نقل کی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام انبیاء کو اپنا کلام دے کر بھیجا ہے اور انہیں خاموشی کا حکم دے کر نہیں بھیجا ہے۔

صوفی و کافر کا مکالمہ

ایک کافر نے ایک صوفی سے کہا اگر تم صحیح صوفی ہو تو بتلاؤ کہ —— "لِمَ وُصِفَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰی بِخَیْرِ الرَّازِقِیْنَ" —— یعنی اللہ تعالیٰ کو "خیرالرازقین" کیوں کہا گیا ہے۔ اس پر صوفی نے اُسے برجستہ جواب دیا کہ

ذٰلِكَ لِاَنَّهٗ اَذَا کَفَرَ بِهٖ عَبْدٌ مِثْلُكَ لَا یَقْطَعُ عَنْهُ رِزْقَهٗ

یعنی اللہ تعالیٰ کو "خیرالرزقین" اس لئے کہا جاتا ہے کہ اگر تمہارے جیسا کوئی کافر اس کا انکار بھی کردے تب بھی وہ اسے رزق دینا بند نہیں کرتا۔

برابر کی چوٹ

ایک مجلس جس میں عرب کا مشہور شاعر فرزوق اور خالد بن صفوان دونوں موجود تھے اس مجلس میں خالد بن صفوان نے ازرہ مذاق فرزدق کو کہا کہ —— مَا اَنْتَ بِالَّذِیْ قِیْلَ لَهٗ لَمَّا رَاَیْنَهٗ اَکْبَرْنَهٗ "یعنی تو اس شخص جیسا نہیں ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ زنان مصر نے جب اُسے دیکھا تو اُسے ایک عظیم الشان اِنسان پایا (مراد حضرت یوسفؑ)" اس کے جواب میں فرزوق نے اُسے فوراً کہا:

وَ لَا اَنْتَ یَا ابْنَ صَفْوَانَ بِالَّذِیْ قَالَتِ الْفَتَاةُ لِاَبِیْهَا فِیْ صِفَتِهٖ یَا اَبَتِ اسْتَاجِرْهُ فَاِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ"

کہ اے ابن صفوان تو بھی اس جیسا نہیں ہے جس کے بارے میں اس نوجوان لڑکی نے اپنے والد سے کہا تھا کہ اے میرے باپ تو اس کو ملازم رکھ لے کیونکہ بہترین ملازم وہ ہے جو طاقتور ہوتے ہوئے دیانتدار بھی ہو (مراد حضرت موسیٰؑ)

حاضر جوابی

حاضر جوابی ایک عمدہ انسانی صفت ہے جو انسان کو نہ صرف عزت بخشتی ہے بلکہ اُسے لوگوں کا محبوب بھی بنا دیتی ہے۔ عربی ادب میں ابوالعنیاء اپنی حاضر جوابی کے لئے بہت مشہور ہے یہ ابوالعیناء ایک دن ایک وزیر ابوالصقر کے دربار میں کافی دنوں کے بعد جب حاضر ہوا تو وزیر نے اس کو کہا

"مَا الَّذِی اَخَّرَكَ عَنَّا" "کہ تمہیں کس چیز نے ہم سے روکے رکھا؟"

ابوالعیناء نے فوراً کہا

"سُرِقَ حِمَارِی" "کہ میرا گدھا چوری ہو گیا تھا۔

اس پرویز نے کہا

"وَ کَیْفَ سُرِقَ حِمَارُكَ" "کہ تیرا گدھا کیسے چوری ہو گیا؟

ابوالعیناء نے پھر فوراً کہا

"لَمْ اَکُنْ وَاللّٰهِ مَعَ اللِّصِ فَاُخْبِرَكَ کَیْفَ سَرَقَهٗ" یعنی بخدا میں چور کے ساتھ نہ تھا کہ آپ کو بتا سکون کہ اس کو کیسے چرایا گیا۔

اس پروزیر نے کہا

فَهَلاَّ جِئْتَنَاءُ عَلٰی غَیْرِهٖ کہ تو پھر اور گدھے پر سوار ہو کر کیوں ہمارے پاس نہ آیا؟

اس پر ابوالعنیاء نے پھر فی البدیہہ جواب دیا۔

قَعَدَبِی عَنِ الشِّرَاءِ قِلَّةُ یَسَارِی وَ کَرِهْتُ ذِلَّةَ الْمَکَارِیْ وَ مَنَّةَ الْعَوَارِی

یعنی میری تنگدستی نے دوسرا گدھا خریدنے سے باز رکھا اور مَیں نے گدھا کرایہ پر دینے والے کے ہاتھوں ذلیل ہونا پسند نہ کیا اور مَیں نے اسی طرح مستعار گدھا لے کر کسی کا احسان مند ہونے کو بھی پسند نہ کیا۔

ترکی بہ ترکی

خوبصورتی اور بدصورتی سب خدا کی تخلیق ہے اس لئے اپنی خوبصورتی پر کسی کو اترانا یا نازاں نہ ہونا چاہئے اور کسی کی بدصورتی پر کسی کو طعن و تشنیع کرنے کا حق نہیں ہے لیکن بعض لوگ اس اخلاقی گراوٹ میں مبتلا ہو جاتے ہیں اسی قسم کی ایک اخلاقی گراوٹ کا اظہار ایک بدو سے اس وقت ہوا جب اس نے ایک بدصورت عورت کو دیکھ کر یہ کہا کہ وَ اِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ یعنی جب درندے جمع کئے جائیں گے اس پر اس بدوی عورت نے اسے فی الفور جواب دیا کہ "ضَرَبَ لَنَا مَثَلاً وَ نَسِیَ خَلْقَهٗ" یعنی ہمارے لئے تو مثالیں بیان کرتا ہے اور اپنے انداز تخلیق کو بھول جاتا ہے۔

چند مشہور عرب شعراء کے

دلچسپ حالات، کردار، نمونۂ کلام

حضرت حسان بن ثابت انصاریؓ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درباری شاعر

حضرت حسان بن ثابت انصاریؓ مدینہ کے قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے جو بنو نجار کی ایک شاخ تھا۔ آپ کی کنیت ابوالولید اور بعض کے نزدیک ابوالحسام تھی۔ آپ کے دادا المنذر نے مدینہ کے دو مشہور قبیلوں اوس و خزرج کی باہمی جنگ میں ثالثی کے فرائض سرانجام دیئے تھے۔ حضرت حسان کی ولادت ۵۶۳ء میں مدینہ میں ہوئی اور آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں تقریباً آٹھ سال بڑے تھے۔

شاعری میں آپ کا مقام و مرتبہ

حضرت حسانؓ کا شمار اکابر مخضرمی شعراء میں ہوتا ہے اور یہ اپنے زمانہ میں سب سے ممتاز شہری شاعر مانے جاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں ورود مسعود سے قبل آپ جلق کے غسانی بادشاہوں کے درباری شاعر تھے۔ چنانچہ آپ نے جبلہ بن ایہم (جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مسلمان ہو کر اسلامی قصاص سے ڈر کر پھر مرتد ہو گیا تھا) کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھا جس کے چند شعر درج ذیل ہیں:

لِلّٰہِ دِرُّ عِصَابَۃٍ نَادَمْتُھُمْ
یَوْمًا بِجُلَّقَ فِی الزَّمَانِ الْاَوَّلِ

یَمْشُوْنَ فِی الْحُلَلِ الْمُضَاعَفِ نَسْجُھَا
مَشْیَ الْجِمَالِ اِلَی الْجِمَالِ الْبُزَّلِ

بِیْضُ الْوُجُوہِ کَرِیْمَۃٌ اَحْسَابُھُمْ
شُمُّ الْاُنُوفِ مِنَ الطِّرَازِ الْاَوَّلِ

یعنی اللہ تعالیٰ اس جماعت کا بھلا کرے جن کے ساتھ جلق میں پہلے زمانہ میں
مَیں نے بادہ نوشی کی تھی وہ ایسے حلوں میں جن کی بنتی دوہری تھی اس طرح
چلتے تھے جس طرح عام اونٹ نوجوان اونٹوں کی طرف چلتے ہیں۔ وہ اول
درجہ کے روشن چہروں والے کریم النسب اور ستواں ناکوں والے ہیں۔

عرب کے مشہور شعراء نابغہ ذبیانی اور علقمہ وغیرہ سے حضرت حسانؓ کی ملاقات انہی غسانی بادشاہوں کے دربار میں ہوئی اور ان کی موجودگی میں ہی آپ نے عمرو بن ہند کی مدح میں ایک ایسا قصیدہ پڑھا کہ جس سے خوش ہو کر اس نے آپ کی تاحیات پنشن لگا دی لیکن اس کے باوجود آپ حیرہ کے بادشاہ ابو قابوس نعمان کے مدح خواں بھی رہے جو اس قدر شراب کا رسیا اور دلدادہ تھا کہ کسی عرب شاعر نے اس کے متعلق کہا ہے:

شَرِبْتُ الْخَمْرَ حَتّٰی خِلْتُ اَنِّی
اَبُو قَابُوسٍ اَوْ عَبْدُالْمَدَانِ

یعنی میں نے اس قدر بادہ نوشی کی کہ میں اپنے آپ کو ابو قابوس یا
عبدالمدان سمجھنے لگا۔

اسلام قبول کرنا

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری پر حضرت حسانؓ نے ۶۰ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا اور جلد ہی آپ آنحضرت صلعم کے درباری شاعر بن گئے۔ آپ کے علاوہ دیگر مسلمان شعراء حضرت عبداللہ بن رواحہؓ، حضرت کعب بن مالکؓ اور حضرت کعب بن زہیرؓ بھی آنحضرت صلعم کے درباری شاعر تھے لیکن کفار کے ہجویہ اشعار کا ترکی بہ ترکی جواب دینے میں جو ید طولیٰ آپ کو حاصل تھا وہ کسی اور کو نصیب نہ ہو سکا اور اس کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے۔

جب قریش نے اپنے گندے اشعار سے آنحضرت صلعم کو بہت دکھ دیا تو آنحضرت صلعم نے ایک دن فرمایا:

"مَا یَمْنَعُ الَّذِیْنَ نَصَرُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَهٗ بِاَسْلِحَتِهِمْ اَنْ یَنْصُرُوْهُ
بِاَلْسِنَتِهِمْ؟ فَقَالَ حَسَّانُ اَنَالَهَا"

یعنی جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی اپنے اسلحہ سے مدد کی ہے
انہیں اپنی زبانوں سے ان کی مدد کرنے سے کون سی چیز مانع ہے۔

اس پر حضرت حسانؓ کھڑے ہو کر کہنے لگے "یا رسول اللہ میں حاضر ہوں"۔

اس پر آنحضرت صلعم نے فرمایا کَیْفَ تَهْجُوْهُمْ وَ اَنَا مِنْهُمْ یعنی —— جب مَیں خود بھی انہی میں سے ہوں تو پھر تو ان کی ہجو کیسے کرے گا؟"

اس پر حضرت حسانؓ نے کہا

اَسُلُّكَ مِنْهُمْ كَمَا تُسَلُّ الشَّعْرَةُ مِنَ الْعَجِيْنِ

یعنی میں آپ کو ان سے اس طرح جدا کر لوں گا جس طرح گندھے ہوئے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔

اس پر آنحضرت صلعم نے فرمایا اُهْجُهُمْ وَ مَعَكَ رُوْحُ الْقُدُّسِ یعنی ان کی ہجو کر اور روح القدس تیرے ساتھ ہو —— جس پر آپ نے قریش کی ایسی ہجو کی کہ ان کی زبانیں گنگ کر دیں۔ اس کا ایک نمونہ درج ذیل ہے۔ آپ ابو سفیان کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

هَجَوْتَ مُحَمَّدًا فَاَجَبْتُ عَنْهُ
وَ عِنْدَاللّٰهِ فِی ذَاكَ الْجَزَاء

اَتَهْجُوْهُ وَ لَسْتَ لَهٗ بِكُفْوءٍ
فَشَرُّكُمَا لِخَيْرِ كُمَا الْفِدَاء

فَاِنَّ اَبِی وَ وَالِدَتِی وَ عِرْضِی
لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِنْكُمْ وِقَاءٌ

یعنی تو نے محمدؐ کی ہجو کی اور میں نے آپ کی طرف سے تمہیں جواب دیا اور اس کا ثواب اللہ کے حضور متحقق ہے۔ کیا تو آپ کی ہجو کی جسارت کرتا ہے۔ حالانکہ تو آپ کا ہم مرتبہ نہیں ہے۔ پس تم دونوں میں سے بدترین بہترین پر قربان ہو۔ یقیناً میرا باپ، میری ماں اور میری عزت محمد صلعم کو تم سے بچانے کے لئے ڈھال ہیں۔

ایک نمایاں خدمت اسلام

اسلام کی ایک نمایاں خدمت جو آپ نے اپنے اشعار کے ذریعہ کی وہ بنو تمیم کو دائرۂ اسلام میں لانا تھا۔ جن کے چوٹی کے شعراء کو آپ نے ایک شعری مقابلہ میں شکست دی تھی۔

غزوات میں عدم شرکت

حضرت حسانؓ بوجہ اپنی پیرانہ سالی کے کسی اسلامی غزوہ میں شریک نہ ہو سکے۔ آنحضرت صلعم آپ کو عموماً مدینہ میں بچوں اور عورتوں کی دیکھ بال کے لئے پیچھے چھوڑ جایا کرتے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ چونکہ آپ دل کے کمزور تھے اور جنگ وجدال کی تاب نہ رکھتے تھے اس لئے آپ کسی جنگ میں شریک نہ ہوئے اور اس ضمن میں ایک واقعہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ عبداللہ بن زبیر روایت کرتے ہیں کہ جنگ احزاب کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو عورتوں کی حفاظت پر مامور کیا اور باقی سب مسلمان کفار کے مقابلہ کے لئے خندق کی طرف چلے گئے۔ اسی اثناء میں ایک دن ایک یہودی نے عورتوں کے خیمہ کے گرد چکر لگانے شروع کر دیئے جس پر حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب نے آپ سے کہا کہ

اس یہودی کو مارو کیونکہ اس کی نیت بخیر نہیں لگتی۔

اس پر آپ نے انہیں کہا۔ اللہ آپ کی مغفرت کرے۔ مَیں اس کام کے لئے نہیں بنایا گیا۔

جس پر حضرت صفیہ نے خود خیمہ کی ایک چوب لے کر اس یہودی کے سر پر ایسے زور سے ماری کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

آپ کی ایک لغزش

حضرت مسروقؒ سے روایت ہے کہ مَیں ایک دن حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہاں حضرت حسانؓ نے حضرت عائشہؓ کی مدح میں یہ شعر پڑھا ۔

حِصَانٌ رِزَانٌ مَاتُظَنَّ بِرِيبَةٍ

وَ تُصْبِحُ غَرْثَى مِنْ لُحُوْمِ الْغَوَافِلِ

یعنی آپ پاک دامن ہیں۔ باوقار ہیں۔ اور شک وشبہ سے بالا ہیں اور آپ ایسے حال میں صبح کرتی ہیں کہ آپ نے سادہ اور شریروں کی شرارت سے بے خبر عورتوں کی غیبت میں کوئی حصہ نہیں لیا ہوتا۔

اس پر حضرت عائشہؓ نے آپ کو کہا لٰكِنْ اَنْتَ لَسْتَ كَذَالِكَ یعنی آپ تو ایسے نہیں ـــــ کیونکہ حضرت حسانؓ ان لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ پر بہتان لگایا تھا مسروق کہتے ہیں۔ اس پر میں نے حضرت عائشہؓ سے کہا۔ کیا آپ اس شخص کو اپنے ہاں آنے کی اجازت دیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تہمت پر آپ کی براءت کرتے ہوئے فرمایا ہے

کہ وَالَّذِی تَوَلّٰی کِبْرَہٗ مِنْھُم لَہٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ یعنی اُن سے جو فتنہ کے بانی مبانی ہیں۔ انہیں بہت بڑا عذاب ملے گا۔ اس پر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے برجستہ فرمایا

"اَمَا تَرَاہُ فِی عَذَابٍ عَظِیْمٍ فَقَدْ بَصَرَہٗ"

یعنی ـــــ کیا تیرے نزدیک ان کی بصارت کا زائل ہونا ایک بہت بڑا عذاب نہیں ہے؟

آپ کی شاعری

حضرت حسانؓ کو اسلام کی مذہبی شاعری کا بانی سمجھا جاتا ہے اور آپ کے اشعار میں قرآنی آیات کی تضمین بکثرت پائی جاتی ہے۔ ہجو میں آپ کو ایک خاص ملکہ حاصل تھا اور مدح یا ہجو کے بعد آپ اپنے متعلق فخریہ اشعار کہنے میں بھی لذت محسوس کرتے تھے۔ مستشرقین کے نزدیک آپ کی شاعری کو بدوی شاعری پر فوقیت حاصل ہے۔ آپ مدنی شعراء میں چوٹی کے قادرالکلام شاعر تسلیم کیئے گئے ہیں اور آپ کی شاعری کو اس قدر مستند اور ٹکسالی تصور کیا گیا ہے کہ اہل لغت نے ان کے کلام سے بکثرت استشہاد پیش کیا ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ جنگ احزاب کے بعد جب آنحضرت صلعم کو کچھ سکون نصیب ہوا تو ایک دن آپ نے فرمایا مَن یَّحْمِی اَعْرَاضَ الْمُسْلِمِینَ یعنی اب مسلمانوں کی عزت کا دفاع کون کرے گا؟ ـــــ اس پر حضرت کعبؓ نے کہا ـــــ "مَیں یارسول اللہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کہا ـــــ "مَیں یا رسول اللہ" ـــــ اور حضرت حسانؓ نے کہا ـــــ "مَیں یارسول اللہ" ـــــ تو حضور علیہ السلام نے حضرت حسانؓ کو فرمایا نَعَمْ اُھْجُھُم اَنْتَ فَاِنَّہٗ سَیُعِیْنُکَ اللّٰہ بِرُوحِ الْقُدُس" "ہاں تم ان یعنی کفار کی ہجو کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہاری روح القدس کے ساتھ تائید فرمائے گی۔

مرثیہ گوئی

حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرثیہ گوئی میں بھی کمال حاصل تھا اور آنحضرت صلعم کی وفات حسرت آیات پر آپ نے دو ایسے شعر کہے کہ جو اسلامی اور ادبی دونوں تاریخوں میں سنہری حروف سے ریکارڈ ہو چکے ہیں۔ وہ یہ ہیں ؎

کُنْتَ　　السَّوَادَ　　لِنَاظِرِیْ

فَعَمِیَ　　عَلَیْكَ　　النَّاظِرُ

مَنْ شَاءَ بَعْدَكَ فَلْيَمُتْ
فَعَلَيْكَ كُنْتُ أُحاذِرُ

یعنی تو میری آنکھ کی پتلی تھا۔ تیری وفات سے میری آنکھ اب اندھی ہو گئی۔
اب تیرے بعد خواہ جو چاہے مرے مجھے تو صرف تیری ہی موت کا ڈر تھا۔

یہ وہ دو شعر ہیں جن پربانی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے حضرت حسانؓ کو وہ خراج تحسین پیش کیا ہے جو دنیا میں اپنی نظیر آپ ہے۔ سلسلہ کی رویات میں آتا ہے کہ ایک دن (حضرت) بانی سلسلہ مسجد کے اندر اس حال میں ٹہل رہے تھے کہ آپ کچھ گنگنا رہے تھے اور آپ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔ اس پر آپ کا کوئی حواری آگے بڑھا اور بڑے دردمندانہ انداز میں دریافت کیا کہ خیر تو ہے جو آپ اس طرح رو رہے ہیں؟ اس پر آپ نے اسے حضرت حسان کے مندرجہ بالا دو شعر سنا کر کہا کہ میں اس وقت یہ شعر پڑھ رہا تھا اور آنحضرت صلعم سے فرط محبت کے باعث رو رہا تھا لیکن میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہو رہی تھی کہ

اے کاش میرا سارا کلام حضرت حسانؓ لے جاتے اور ان کے یہ دو شعر میری زبان سے نکلے ہوتے!

حضرت حسانؓ کے مندرجہ بالا دو اشعار کی طرح ہی آپ کے درج ذیل دو شعر بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں روح کو گداز کر دینے والے ہیں ؎

وَ اَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَقَطُّ عَيْنِي
وَ اَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِالنِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّاً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

یعنی آپ سے زیادہ حسین و جمیل شخص میری آنکھ نے آج تک نہیں دیکھا
اور آپ سے زیادہ خوبصورت انسان آج تک کسی عورت نے نہیں جنا۔
آپ ہر عیب سے پاک پیدا کئے گئے ہیں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا آپ
اپنی مرضی کے مطابق جس طرح آپ چاہتے تھے پیدا ہوئے ہیں۔

خلفاء کے مرثیے بھی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرت حسانؓ نے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی وفات پر قابلِ قدر مرثیے لکھے جو سب آپ کے اس دیوان میں درج ہیں۔ جسے

بیروت (لبنان) کے ایک مکتبہ دار صادر نے نہایت اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے۔
حضرت عمرؓ کی شہادت پر آپ نے فرمایا ۔

وَ فَجَّعَنَا فِيروزُ لَا دَرَّ دِرُّهُ
بِأَبَرَّ يَتْلُوا الْمُحْكَمَاتِ مُنِيبِ
مَتَى مَا يَقُلْ لَا يَكْذِبُ الْقَولَ فِعْلُهُ
سَرِيْعٍ اِلَى الْخَيْرَاتِ غَيْرُ قُطُوبِ

اور فیروز (حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا وہ ایرانی غلام جس کے ہر روز اپنے مالک حضرت مغیرہؓ کو دو درہم کما کر لا دینے کو حضرت عمرؓ نے مناسب قرار دیا تھا اور اُس نے انتقاماً حضرت عمرؓ کو حالت نماز میں زہریلا خنجر مارا جس سے آپ بعد ازاں وفات پا گئے) نے ہمیں ایک مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ خدا اُسے نیکی کی توفیق نہ دے۔ یہ مصیبت اس شخص کے بارہ میں ہے جو پاکباز ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے اور خدا کے حضور جھکنے والا ہے۔ جب وہ کوئی بات کہتا ہے تو اس کا فعل اس کے قول کے تکذیب نہیں کرتا۔ وہ نیکیوں کی طرف دوڑ کر جانے والا ہے اور اس کی پیشانی پر کسی وقت کوئی بل نہیں آتا ہے۔

اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر آپ نے باغیوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اَتَرَكْتُمُوا غَزْوَالدُّرُوْبِ وَجِئْتُم
لِقِتَالِ قَوْمٍ عِنْدَ قَبْرِ مُحَمَّد
قَتَلْتُم وَلِيَّ اللّٰهِ فِي جَوْفِ دَارِهٖ
وِجِئْتُم بِأَمْرٍ جَائِرٍ غَيْرِ مُهْتَدِى

یعنی ــــ کیا تم سرحدوں پر کفار کے ساتھ لڑنے کو چھوڑ کر اس قوم کے ساتھ لڑنے کو آ گئے ہو۔ جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پڑوس میں رہتے ہیں۔ تم نے ایک ولی اللہ کو اس کے گھر کے اندر قتل کر دیا ہے اور تم ایک ایسے قتل کے مرتکب ہوئے ہو جو رشد و ہدایت سے دور اور سراسر ظالمانہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسانؓ کو اُن کے گزارا کے لئے کچھ زمین دے رکھی تھی اور انہیں ایک مصری کنیز بھی عطا کی تھی۔ جو حضرت ماریہ قبطیہ کی بہن تھیں اور اس لحاظ سے حضرت حسانؓ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زلف بھی تھے اور اس بیوی سے

آپ کے ہاں ایک لڑکی اور لڑکا پیدا ہوئے جو دونوں شاعر تھے۔

ایک لطیفہ

آپ کے متعلق ایک لطیفہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب بوجہ بڑھاپا آپ کی ڈاڑھی کے تمام بال سفید ہو گئے تو آپ صرف اپنی مونچھوں پر مہندی لگایا کرتے لیکن ڈاڑھی کو سفید ہی رہنے دیتے۔ اس پر آپ کے بیٹے عبدالرحمان نے ایک دن آپ سے پوچھا

"اباجان آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟"

تو آپ نے کہا

"۔۔۔۔۔ میں ایسا اِس لئے کرتا ہوں تاکہ مَیں ایک ایسا شیر لگوں جو ابھی ابھی اپنے شکار کردہ جانور کا خون چاٹ کر آیا ہے"

آپ کا بہترین شعر

ادبی روایات میں آتا ہے کہ ایک رات حضرت حسانؓ بہت خوشی کے عالم میں پکار پکار کر کہہ رہے تھے

"اَنَا حَسَّانُ بْنُ ثَابِتٍ اَنَا ابْنُ الْفَرِيْعَةِ اَنَا الْحُسَام"

یعنی ۔۔۔۔۔ مَیں حسان بن ثابت ہوں۔ مَیں شریف ترین عورت کا فرزند ہوں اور مَیں تلوار ہوں۔

علی الصبح جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ آپ رات اس قدر اونچی آواز سے اپنے آپ پر فخر کیوں کر رہے تھے؟

تو آپ نے فرمایا:

"رات مَیں نے ایک ایسا عمدہ شعر کہا کہ مجھے اپنے آپ پر فخر محسوس ہونے لگا۔ اس لئے مَیں فرط مسرت سے مدینہ میں گھومنے لگا اور بلند آواز سے اپنی تعریف کرنے لگا۔

اس پر جب آپ سے پوچھا گیا کہ ۔۔۔۔۔ "وہ شعر کیا ہے؟"

تو آپ نے فرمایا:

وَ اِنَّ امْرَاءً يُمْسِى وَ يُصْبِحُ سَالِمًا

مِنَ النَّاسِ، اِلَّا مَا جَنى، لَسَعِيْد

یعنی ــــ وہ آدمی بے شک بہت ہی خوش بخت ہے کہ جو اپنے (خود کردہ)
گناہ کے علاوہ صبح و شام لوگوں کی ہر قسم کی طعن و تشنیع سے محفوظ ہے۔

آپ کی وفات

حضرت حسانؓ نے تقریباً ۱۲۰ سال عمر پائی۔ جس میں سے نصف آپ نے زمانہ جاہلیت میں گزاری اور نصف اسلام میں۔ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد حضرت حسانؓ سب خلفاء کے مقبول رہے اور بیت المال سے آپ کو ایک معقول وظیفہ ملتا رہا۔ عمر کا اکثر حصہ ہوش و حواس بھی قائم رہے لیکن آخری عمر میں آپ کی بصارت جاتی رہی اور آپ نے بالآخر ۵۴ھ میں امیر معاویہؓ کے زمانہ میں وفات پائی۔

حضرت لبیدؓ اور اُن کی شاعری

حضرت لبیدؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی اور عرب کے عظیم ترین شعراء میں سے ہیں۔ آپ کا قبیلہ بنو عامر عرب کے مشہور قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ ہے۔ آپ کی کنیت ابو عقیل تھی۔ آپ نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں کو پایا اور اس لحاظ سے آپ کا شمار دراصل مخضرمی شعراء میں ہونا چاہئے تھا لیکن چونکہ آپ نے اسلام لانے کے بعد شعر گوئی کا مشغلہ قریباً ترک کر دیا تھا۔ اس لئے عربی ادب کی تاریخ میں آپ کا شمار زمانہ جاہلیت کے شعراء ہی میں ہوتا ہے۔ آپ کے باپ کا نام ربیعہ تھا جو بوجہ اپنی جود و سخا کے بہت نامور تھا۔ اس لئے حضرت لبیدؓ کو سخاوت ورثہ میں ملی تھی۔ آپ نے ایک طویل عمر پائی جو بعض کے نزدیک ۱۴۵ سال اور بعض کے نزدیک ۱۵۵ سال تھی۔ آپ اپنی قوم کے ایک وفد کے ساتھ آنحضرت صلعم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا جس کے بعد آپ کا سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ اسلام لانے کے بعد آپ پر ایک عظیم انقلاب آیا کہ آپ نے شعر کہنا ترک کر دیا اور عبادت و ذکر الٰہی کو اپنا مشغلہ بنا لیا۔

اسلام سے قبل

اسلام سے قبل آپ کا شمار درجۂ اوّل کے شعراء اور شہسواروں میں ہوتا تھا اور اس بارہ میں تاریخ میں متعدد واقعات مذکور ہیں جن میں صرف چند ایک مشہور واقعات پیش خدمت ہیں:
آپ بچپن سے ہی نہایت ذہین و فطین تھے جس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک

دفعہ مشہور شاعر نابعہ زبیانی نے انہیں اپنے قبیلہ کے بعض آدمیوں کے ساتھ نعمان بن منذر بادشاہ کے دروازہ پر دیکھا اور دیکھتے ہی کہنے لگا۔

"ــــ اے نوجوان! مجھے تمہاری آنکھیں شاعروں کی سی معلوم ہوتی ہیں۔

کیا تم شعر کا کچھ ذوق رکھتے ہو؟"

اس پر آپ نے فوراً اپنا یہ شعر سنایا۔

اَلَمْ تَلْمُمْ عَلَی الدِّمَنِ الخَوَالِی

لِسَلْمَی بِالْمَذَائِبِ فَالْقَفَالِ

یعنی ــــ کیا تو اُن کھنڈرات کے پاس سے نہیں گزرا جس کے مکین وہاں سے ہجرت کر چکے ہیں اور جو دراصل میری محبوبہ سلمٰی کے مذائب اور قفال جگہوں پر ہیں۔

اس پر نابعہ نے کہا ــــ "اَنْتَ اَشْعَرُ بَنِی عَامِرٍ زِدْنِی" یعنی تو بنی عامر میں سب سے بڑا شاعر ہے۔ مجھے کچھ اور سنا۔ جس پر آپ نے اُسے درج ذیل شعر سنایا۔

طَلَلٌ لِخَوْلَةَ بِالرَّسِیْسِ قَدِیْمُ

بِمَعَاقِلٍ فَالْاَنْعُمِیْنَ دُشُومُ

یعنی ــــ میری محبوبہ خولہ کے رسیس، معاقل اور انعمین جگہوں پر پرانے کھنڈرات یوں معلوم ہوتے ہیں کہ جیسے کسی نے اپنے جسم پر کچھ گدوا رکھا ہو۔

اس پر نابعہ نے کہا ــــ "اَنْتَ اَشْعَرُ بَنِی هَوَازِنَ زِدْنِی" یعنی تو بنی ہوازن (حضرت لبیدؓ کے مورث اعلیٰ کا قبیلہ) میں سب سے بڑا شاعر ہے مجھے کچھ اور سنا۔ جس پر آپ نے اُسے اپنا یہ شعر سنایا جو آپ کے معلقہ کا مطلع ہے۔

عَفَتِ الدِّیَارُ مَحَلُّهَا فَمُقَامُهَا

بِمِنًی تَابَّدَ غَوْلُهَا فَرِجَامُهَا

یعنی ــــ منیٰ کے علاقہ میں میرے محبوب کے فراق کے بعد وہاں کی غول اور رجام ہر دو جگہیں وحشتناک ہو گئی ہیں۔

اس پر نابعہ نے کہا ــــ "اِذْهَبْ فَاَنْتَ اَشْعَرُ الْعَرَبِ" یعنی ــــ جاؤ اس وقت تم عربوں کے سب سے بڑے شاعر ہو۔

چنانچہ اس امر کی تصدیق اس سے ہو جاتی ہے کہ سبع معلقات میں آپ کے معلقہ کو چوتھے نمبر

پر رکھا گیا ہے۔

سجدۂ شعر

شاعری میں آپ کے علو مرتبت کا اندازہ اس امر سے بھی ہو سکتا ہے کہ مشہور شاعر فرزدق کا گزر ایک دفعہ کوفہ میں بنو اقیصر کی مسجد کے پاس سے ہوا تو اُس نے ایک بچہ کو یہ شعر پڑھتے سنا جو آپ کے معلقہ میں درج ہے ۔

وَ جَلاَالسُّيُولُ عَنِ الطُّلُولِ كَاَنَّهَا
زُبَرٌ تُجِدُّمُتُونَهَا اَقْلاَمُهَا

یعنی ـــــ سیلابوں نے ٹیلوں کو اپنے گزرنے کے بعد نہلا دھلا کر اس طرح ظاہر کیا ہے کہ جیسے کتابوں کے متنوں کو از سر نو لکھ دیا گیا ہو۔

یہ شعر سنتے ہی فرزدق اپنے گھوڑے سے اتر کر زمین پر سجدہ ریز ہو گیا اور حب کسی نے پوچھا کہ یہ کیا؟ تو کہنے لگا:

اَنْتُمْ تَعْرِفُوْنَ سَجْدَةَ الْقُرْاٰنِ وَ اَنَا اَعْرِفُ سَجْدَةَ الشِّعْرِ

یعنی جیسے تمہیں سجدۂ قرآن کا علم ہے ایسے ہی مجھے سجدۂ شعر کا علم ہے جس کے باعث میں نے سجدہ کیا ہے۔

حضرت لبیدؓ کے اشعار کے متعلق محققین کا خیال ہے کہ اُن میں لغویت بہت کم ہے اور حکمت کی باتیں بکثرت ہیں اور آپ کے ایک شعر کے متعلق آنحضرت صلعم کا یہ فرمانا آپ کے لئے کچھ کم باعث فخر نہیں کہ ۔

اَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا شَاعِرٌ قَوْلُ لَبِيْدٍ
اَلاَ كُلُّ شَیْءٍ مَاخَلاَ اللّٰهَ بَاطِلٌ

یعنی ـــــ سب سے سچی بات جو کسی شاعر نے کہی ہے وہ لبیدؓ کا یہ قول ہے کہ "سنو اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے۔"

بہرحال آپ زمانۂ جاہلیت میں شعر کہتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کا شمار عرب کے شعرائے عظام میں ہونے لگا۔

شعری امتحان

روایات میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ اپنے قبیلہ کے وفد کے ساتھ نعمان بن منذر بادشاہ

کے پاس گئے لیکن چونکہ آپ ابھی نوعمر تھے۔ اس لئے وہاں پہنچ کر ان کے قبیلہ والوں نے اُنہیں کہا کہ تم جب تک یہاں مقیم ہو۔ ہر روز ہمارے اونٹوں کو چرانے جایا کرو تاآنکہ بادشاہ ہم پر مہربان ہو کر ہمیں اپنی جود و سخا سے نوازے اور پھر ہم سب اکٹھے واپس چلے جائیں۔

اب خدا کا کرنا یوں ہوا کہ جب یہ دربار میں پہنچے تو وہاں "ربیع بن زیاد عبسی" کو پایا۔ جسے نعمان نے اپنا ندیم بنا رکھا تھا اور اس شخص نے (جو حضرت لبید کا رشتہ میں ماموں بھی لگتا تھا) بنو عامر یعنی حضرت لبیدؓ کے قبیلہ کے آدمیوں کی نعمان کے سامنے اعلانیہ مذمت کی اور انہیں طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جس کے باعث بادشاہ نے اُن کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ جب دو تین دن اسی طرح ہوتا رہا تو یہ لوگ بہت زچ ہوئے اور نہایت ہی پریشانی کے عالم میں واپس اپنی قیام گاہ پر آ گئے۔ لبیدؓ اُن کی اس حالت کو دیکھ کر حیران ہوئے اور اُن سے اُن کی اس پریشانی کا سبب پوچھا جس پر انہوں نے پہلے تو نوعمر سمجھ کر قابلِ التفات نہ جانا لیکن جب آپ نے انہیں یہ دھمکی دی کہ اگر تم نے مجھے اس معاملہ سے آگاہ نہ کیا۔ تو مَیں اب تمہارے اونٹ چرانے کے لئے چراگاہ کو نہیں لے جاؤں گا تو انہوں نے مجبوراً آپ کو ساری بات بتلا دی۔ اس پر آپ نے کہا کہ تم کل مجھے نعمان کے پاس اپنے ساتھ لے جاؤ اور مَیں اُسے ربیع کے متعلق ایسے اشعار سناؤں گا کہ ـــــ اس کے بعد وہ اسے اپنا مصاحب و ندیم نہ رکھ سکے گا۔"

اس پر انہوں نے کہا ـــــ "کیا تُو واقعی ایسا کر سکتا ہے؟"

آپ نے کہا ـــــ "ہاں!"

تب اُنہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور آپ کو کہا کہ "ہم پہلے تمہارا امتحان لینا چاہتے ہیں۔"

چنانچہ اُسی جگہ پر ایک بوٹی تھی جس کی طرف اشارہ کر کے کہا "کہ تم اس کو پہلے گالی دے کر بتلاؤ تاکہ ہمیں پتہ چلے کہ تم کتنے پانی میں ہو اور تمہاری فصاحت و بلاغت کا کیا حال ہے۔"

اس بوٹی کو عربی میں تَرِبَہ کہتے ہیں اور یہ نہایت ہی حقیر اور بے فائدہ پودا ہے۔

اس پر حضرت لبیدؓ نے اس کی مذمت میں جو کچھ کہا وہ عربی ادب میں آج تک محفوظ ہے اور آپ کی فصاحت و بلاغت کا ایک شہکار ہے۔

"هٰذِهِ التَّرِبَةُ الَّتِي لَا تُزْكِي نَاراً وَلَا تُوهِّلَ دَاراً وَ لَا تَسُرُّ جَاراً عُوْدُهَا ضَئِيْلٌ وَ فَرْعُهَا قَلِيْلٌ وَ خَيْرُهَا قَلِيْلٌ اَقبَحُ الْبُقُوْلِ مَرْعًى وَاَقْصَرُهَا فَرْعًا وَ اَشَدُّهَا قَلْعًا فَتَعْسًا لَهَا وَجَدْعًا بَلَدُهَا شَاسِعٌ وَ اٰكِلُهَا جَائِعٌ وَالْمُقِيْمُ عَلَيْهَا قَانِعٌ اِلْقَوْا بِي اَخَا عَبَسٍ اَرُدُّهُ عَنْكُم بِتَعْسٍ وَ لَقْسٍ وَ اَتْرُكُهُ مِنْ اَمْرِهِ فِي

لَبِسٍ"

یعنی ـــــ یہ بوٹی جو نہ ایندھن کا کام دے سکتی ہے نہ گھر بسا سکتی ہے اور نہ ہی کسی پڑوسی کو خوش کر سکتی ہے۔ اس کی لکڑی بے حد کمزور ہے۔ شاخیں بہت تھوڑی ہیں اور اس کا فائدہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ چارے کے لحاظ سے یہ بدترین ہے۔ اس کی شاخوں کی لمبائی چونکہ بہت تھوڑی ہے۔ اس لئے اسے پکڑ کر اکھاڑنا بہت مشکل ہے۔ اس کی جگہ بہت دور ہے اس کا کھانے والا بھوکا اور اس کے پاس رہنے والا بے ہمت ہے۔ مجھے اس عبسی کے پاس لے چلو۔ اس کا بیڑا غرق ہو۔ مَیں اسے حیران و پریشان کر کے چھوڑوں گا۔

یہ سن کر اُن کے قبیلہ کے آدمیوں نے انہیں کہا ـــــ "بہت اچھا ہم کل صبح تمہیں اپنے فیصلہ سے آگاہ کریں گے۔"

اس کے بعد یہ لوگ ایک جگہ جمع ہوئے اور آپس میں کہا کہ "اس نوجوان پر نظر رکھو۔ اگر تو یہ سو گیا تو یہ ہمارے کام کا نہیں ہے اور اگر یہ رات کو جاگتا رہا تو یہ ہماری مشکل حل کرے گا۔"

بہرحال انہوں نے رات کو جب آپ کو تاڑا تو آپ بیدار تھے اور ایک کجاوہ پر بیٹھ کر کسی گہری سوچ میں غرق تھے۔ جس پر دوسرے روز وہ آپ کو نعمان کے پاس لے گئے۔ جہاں وہ اسی "ربیع عبسی" کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا۔ آپ نے وہاں پہنچتے ہی چند ایسے اشعار پڑھے کہ ان کے سنتے ہی نعمان نے فوراً اپنے ہاتھ کھینچ لئے اور اس کے ساتھ کھانا بند کر دیا۔ یہ اشعار چونکہ ایسے ہیں کہ جو سارے درج کرنے مناسب نہیں۔ اس لئے صرف کم خطرناک درج کئے جاتے ہیں ؎

يَا وَاهِبَ الْخَيْرِ الْكَثِيْرِ مِنْ سَعَةٍ
اِلَيْكَ جَاوَزْنَا الْبِلَادَ الْمُسَبَّعَةْ
نَحْنُ خِيَارُ عَامِرِ بْنِ صَعْصَعَةْ
وَالضَّارِبُوْنَ الْهَامَ تَحْتَ الْخَيْضَعَةْ
وَالْمُطْعِمُوْنَ الْجَفْنَةَ الْمُدَعْدَعَةْ
مَهْلاً اَبَيْتَ اللَّعْنَ لَاتَا كُلْ مَعَهْ

یعنی ـــــ اے وہ جو اپنی فراخی کے باعث بہت سامال عطا کرنے والا ہے۔ ہم تیرے پاس درندوں سے بھرے ہوئے علاقے عبور کر کے آئے ہیں۔ ہم عامر بن صعصعہ کی بہترین نسل سے ہیں اور ہم جنگ میں خودوں کے نیچے

(یعنی سروں پر) تلواروں کی ضرب لگانے والے اور بڑے بڑے پیالے بھر
کر لوگوں کو کھانا کھلانے والے ہیں۔ اس لئے اے بادشاہ لعنت تیرے قریب
نہ پھٹکے اور تو اس شخص کے ساتھ کھانا نہ کھا۔

ربیع کو یہ سُن کر بہت غصہ آیا اور اُس نے نعمان کو کہا کہ یہ لڑکا جھوٹ بول رہا ہے۔ آپ اس کی بے شک تحقیق کرلیں لیکن نعمان کو اس سے ایسی نفرت ہو چکی تھی کہ اُس نے کہا ــــــ "جو بات نکل چکی ہے اُسے لوٹانے کی اب کوئی صورت نہیں اس لئے تحقیق کا کوئی فائدہ نہیں۔" جس پر وہ وہاں سے اُٹھ کر چلا گیا اور پھر نعمان نے اُن کے قبیلہ کو عزت و تکریم کے ساتھ بہت سا مال دے کر رخصت کیا۔

اِسلام لانے کے بعد

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ حضرت لبیدؓ اپنے قبیلہ کے وفد کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے اور اُن لوگوں میں شامل ہو گئے کہ جن کی اسلام نے گویا کایا پلٹ دی تھی۔ چنانچہ عربی ادب کی تاریخ اور اسلامی تاریخ دونوں میں اس بات کا ذکر ہے کہ اسلام لانے کے بعد آپ نے شاعری کو تقریباً چھوڑ ہی دیا۔ یہاں تک کہ بعض کے نزدیک آپ نے اسلام لانے کے بعد صرف ایک شعر کہا جو بعض کے نزدیک یہ تھا ؎

مَاعَاتَبَ الْمَرْءَ الْكَرِيْمَ كَنَفْسِهٖ
وَالْمَرْءُ يُصْلِحُهٗ الْقَرِيْنُ الصَّالِحُ

یعنی شریف انسان کا نفس اس کا بہترین واعظ ہے اور نیک انسان کی صحبت
انسان کو نیک بنا دیتی ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ اسلام میں آپ کا آخری شعر یہ تھا ؎

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اِذْ لَمْ يَاتِنِي اَجَلِي
حَتّٰى اكْتَسَيْتُ مِنَ الْاِسْلَامِ سِرْبَالاً

یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مَیں مرنے سے قبل اسلام کی خلعت سے سرفراز
ہو چکا ہوں۔

اس بارے میں ایک یہ روایت بھی آئی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب آپ کوفہ میں مقیم تھے تو حضرت عمرؓ نے کوفہ کے گورنر حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کو لکھا کہ وہاں موجود شعراء سے اُن کا تازہ کلام حاصل کر کے بھجوایا جائے۔ اس پر باقی سب شعراء نے تو اپنا کلام دے دیا لیکن جب

حضرت لبیدؓ کو کہا گیا تو آپ گھر کے اندر چلے گئے اور وہاں سے سورۃ بقرہ لکھ کر لے آئے اور کہا

"اَبْدَلَنِی اللّٰہُ ھٰذِہٖ فِی الْاِسْلَامِ مَکَانَ الشِّعْرِ"

یعنی اللہ تعالیٰ نے اسلام میں مجھے شعر کے عوض یہ کلام عطا کیا ہے۔

اور جب حضرت مغیرہؓ نے حضرت عمرؓ کو حضرت لبیدؓ کے جواب سے مطلع کیا تو آپ نے حضرت لبیدؓ کا وظیفہ دو ہزار سے اڑھائی ہزار درہم کر دیا۔

آپ کی سخاوت

حضرت لبیدؓ کا شمار زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں کے اشراف میں ہوتا ہے۔ سخاوت آپ کو ورثہ میں ملی تھی اور تاریخ میں ذکر ہے کہ زمانہ جاہلیت میں آپ نے یہ نذر مانی تھی کہ جب بھی پُروا چلے گی تو آپ غرباء و مساکین کو کھانا کھلایا کریں گے۔ چنانچہ آپ اسلام میں بھی اس پر عامل رہے لیکن اپنے زمانہ قیام کوفہ میں جبکہ ولید بن عقبہ وہاں کے گورنر تھے۔ ایک دفعہ جب پُروا چلی تو آپ کے پاس اپنی نذر پورا کرنے کو کچھ نہ تھا جب ولید کو یہ خبر پہنچی تو اس نے برسرِ منبر یہ خطبہ دیا:

"قَدْ عَرَفْتُم اَنَّ اَخَاکُم نَذَرَ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ اَن لَاتَھُبُّ الصَّبَا اِلَّا اَطْعَمَ وَھٰذَا الْیَوْمُ مِن اَیَّامِہٖ وَ قَدْھَبَّتِ الصَّبَا فَاَعِیْنُوْہُ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ فَعَلَ ثُمَّ نَزَلَ عَنِ الْمِنْبَرِ فَاَرْسَلَ اِلَیْہِ بِمِئَۃِ نَاقَۃٍ وَبَعَثَ اِلَیْہِ النَّاسُ

یعنی اے لوگو! تمہیں علم ہے کہ لبیدؓ نے زمانہ جاہلیت سے نذر مان رکھی ہے کہ جب پُروا چلے گی تو وہ لوگوں کو ضرور کھانا کھلایا کرے گا۔ آج اُس کی نذر کے پورا کرنے کا دن ہے لیکن بوجہ افلاس وہ مجبور ہے۔ اس لئے آؤ ہم سب مل کر اُس کی مدد کریں اور مَیں سب سے پہلے ایسا کرتا ہوں۔

چنانچہ انہوں نے سو اونٹ کا عطیہ دیا اور باقی لوگوں نے بھی دیئے اور یہ سارا مال ولید نے حضرت لبیدؓ کو بھجوا دیا اور ساتھ یہ شعر لکھ بھیجے ؎

اَرَی الْجَزَّارَ یَشْحَذُ شَفْرَتَیْہِ
اِذَا ھَبَّتْ رِیَاحُ اَبِی عَقِیْلِ

اَعَزُّالْوَجْہِ اَصْیَدُ عَامِرِیٍ
طَوِیْلِ الْبَاعِ کَالسَّیْفِ الصَّقِیْلِ

وَ فِی ابْنِ الجَعْفُرِیِّ بِحَلْقَتَیْہِ
عَلَی العِلَّاتِ وَالْمَالِ القَلِیْلِ

یعنی مَیں دیکھتا ہوں کہ جب ابو عقیل (حضرت لبیدؓ کی کنیت) کی ہوائیں
چلتی ہیں۔ تو قصاب اپنی چھریاں تیز کرنے لگتا ہے۔ لبیدؓ غیرت مند اور بنو
عامر قبیلہ کا فرد ہے اور بڑا سخی اور چمکتی ہوئی تلوار کی مانند روشن طلعت
ہے۔ اُس نے اپنے دونوں پیالے بھر کر کھانا کھلا کر اپنی نذر پوری کر دی
ہے۔ اگرچہ ان دنوں وہ خود مفلوک الحال اور کنگال تھا۔

جب یہ اونٹ وغیرہ اور اشعار حضرت لبیدؓ کو ملے تو آپ نے چونکہ شعر کہنا ترک کر دیا ہوا تھا اس لئے اپنی بیٹی کو حکم دیا کہ وہ ان شعروں کا جواب دے جس پر اُس نے درج ذیل اشعار ولید بن عقبہ کو لکھ بھجوائے۔

اِذَا هَبَّتْ رِیَاحُ اَبِی عَقِیْلٍ
دَعَوْنَا عِنْدَ هَبَّتِهَا الْوَلِیْدا

اَشَمَّ الْاَنْفِ اَرْوَعَ عَبْشَمِیًا
اَعَانَ عَلٰی مَرُوْءَتِهٖ لَبِیْدا

اَبَا وَ هَبٍ جَزَاكَ اللّٰهُ خَیْراً
نَحَرْنَاهَا وَ اَطْعَمْنَا الثَّرِیْدا

یعنی جب ابو عقیل (لبیدؓ) کی نذر والی ہوائیں چلیں تو ہم نے ایسے وقت
میں ولید کو یاد کیا جو اپنی قوم بنو عبد الشمس کا سردار بہادر اور فرزانہ زمان ہے
اور جس نے اپنی مردانگی و مروت کے باعث لبید کی مدد کی ہے اے ابو وہب
(ولید کی کنیت) اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے تیری عطا ملنے پر ہم نے
اونٹوں کو ذبح کر کے فقراء و مساکین کو کھانا کھلا دیا ہے۔

آپ کی شاعری

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ آپ ایک نہایت ہی بلند پایہ شاعر تھے اور باقی مشہور ترین شعراء کے ساتھ آپ کا قصیدہ بھی ریشمی کپڑے پر سنہری حروف سے لکھ کر خانہ کعبہ میں لٹکایا گیا تھا۔ آپ کے اشعار کا عربی ادب میں ایک خاص مقام ہے اور وہ اثر کے لحاظ سے طبیعت میں گہرا اثر چھوڑنے والے ہیں۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ سالوں بعد عباسی خلافت کے زمانہ میں ایک دفعہ خلیفہ معتصم باللہ نے اپنے دربار میں خواہش کی کہ اُسے کوئی شخص لبیدؓ کا وہ قصیدہ سنائے جس کا مطلع ہے:

بَلِيْنَا وَ مَا تَبْلَى النُّجُوْمُ الطَّوالِعُ

اس پر ایک شخص کھڑا ہو گیا اور اُس نے یہ اشعار پڑھے ۔

بَلِيْنَا وَ مَا تَبْلَى النُّجُوْمُ الطَّوالِعُ

وَ تَبْقَى الْجِبَالُ بَعْدَنَا وَالْمَصَانِعُ

وَ قَدْ كُنْتُ فِي اَكْنَافِ دَارِ مَضَنَّةٍ

فَفَارَقَنِي جَارٌ بِاَرْبَةَ نَافِعُ

یعنی اگرچہ ہم بوسیدہ ہو گئے ہیں لیکن ستاروں پر گردش زمانہ کا کوئی اثر نہیں اور اسی طرح پہاڑ اور قلعے بھی ہمارے بعد قائم رہیں گے اور مَیں ایک ایسی جگہ پر مقیم تھا جس سے جدائی مجھے گوارا نہ تھی لیکن ہائے افسوس کہ اربہ مقام پر میرا ایک نہایت ہی نفع مند پڑوسی مجھ سے جدا ہو گیا ہے۔

یہ اشعار سن کر معتصم کے آنسو بہہ پڑے اور وہ خوب رویا اور پھر اس نے خود اس قصیدہ کے باقی اشعار پڑھے جن میں سے تین درج ذیل ہیں ۔

وَ مَا الْمَرْءُ اِلَّا مُضْمِرَاتٌ مِنَ التُّقٰى

وَ مَا الْمَالُ وَالْاَهْلُوْنَ اِلَّا وَدَائِعُ

اَلَيْسَ وَرَائِي اِنْ تَرَاخَتْ مَنِيَّتِي

لُزُوْمُ الْعَصَا تَهُزُّ عَلَيْهَا الْاَصَابِعُ

اُخَبِّرُ اَخْبَارَ الْقُرُوْنِ الَّتِي مَضَتْ

اَدُبُّ كَاَنِّي كُلَّمَا قُمْتُ رَاكِعُ

یعنی ایک کامل انسان تو تقویٰ کی پوشیدہ باتوں کا ایک پتلا ہے اور مال اور اہل و عیال تو صرف امانتیں ہیں اور اگر میری موت میں تاخیر ہو جائے تو کیا اس کے بعد اس کے سوا کچھ اور ہے کہ مجھے اپنے ہاتھوں میں عصا تھامنا پڑے گا۔ پھر میں لوگوں کو گزشتہ لوگوں کی کہانیاں سنایا کروں گا اور مَیں اِس طرح چلا کروں گا کہ جیسے مَیں ہر وقت حالت رکوع میں ہوں۔

آپ کے اشعار کی قدر و منزلت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فخریہ فرمایا کرتی تھیں کہ

"۔۔۔۔ مجھے لبیدؓ کے بارہ ہزار اشعار زبانی یاد ہیں۔"

وفات

ایک ادبی روایت میں آپ کی طویل عمر کے بارہ میں عجیب و غریب اشعار مروی ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ جب آپ ۷۷ سال کے ہو گئے تو آپ نے یہ شعر کہے ؎

بَاتَتْ تُشْكِيْ اِلَيَّ النَّفْسُ مُجَهَّشَةً
لَقَدْ حَمَلْتُكَ سَبْعًا بَعْدَ سَبْعِينَا
فَاِنْ تُزَادِيْ ثَلَاثًا تَبْلُغِيْ اَمَلاً
وَ فِي الثَّلَاثِ وَفَاءٌ لِلثَّمَانِيْنَ

یعنی میرا نفس رات بھر رقت بھری آواز میں مجھ سے شکوہ کرتا رہا کہ میں نے تمہیں برابر ۷۷ سال تک اُٹھائے رکھا ہے۔ پس میں نے کہا کہ اے نفس! اگر تجھے تین سال اور مل جائیں تو تُو اپنے مقصد کو پالے گا۔ کیونکہ تین سال مزید ملنے سے تیرے ۸۰ سال پُورے ہو جائیں گے۔

روایت میں آتا ہے کہ پھر جب آپ نوے سال کے ہو گئے تو آپ نے یہ شعر کہا ؎

كَاَنِّيْ وَ قَدْجَاوَزْتُ تِسْعِيْنَ حِجَّةً
خَلَعْتُ بِهَا عَنْ مَنْكَبِيَّ رِدَائِيَا

یعنی عمر کے نوے سال پورے کرنے کے بعد مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا میرے کندھوں سے چادر اتر گئی ہے۔

روایت آگے چل کر کہتی ہے کہ پھر جب ایک سو دس سال کے ہو گئے تو آپ یوں گویا ہوئے ؎

اَلَيْسَ فِيْ مِئَةٍ قَدْ عَاشَهَا رَجُلٌ
وَ فِيْ تَكَامُلِ عَشْرٍ بَعْدَهَا عُمَرٌ

یعنی کیا ایک سو دس سال پورے کرنے کے بعد بھی کوئی عمر ہوتی ہے؟

روایت مزید آگے چل کر کہتی ہے کہ جب آپ ایک سو بیس سال کے ہو گئے تو آپ نے فرمایا ؎

وَ لَقَدْ سَئِمْتُ مِنَ الْحَيَاةِ وَ طُوْلِهَا
وَ سُوالُ هٰذَا النَّاسِ كَيْفَ لَبِيْد؟
غَلَبَ الرِّجَالَ وَ كَانَ غَيْرُ مُغَلَّبٍ
دَهْرٌ جَدِيدٌ دَائِمٌ مَمْدُوْد

يَوْمٌ اَرَى يَاتِيْ عَلَّى وَ لَيْلَةٌ
وَ كِلاَهُمَا بَعْدَا اَلْمَضَاءِ يَعُوْد

یعنی ـــــ مَیں زندگی، طولِ عمر اور لوگوں کے اس سوال سے کہ لبید کا کیا حال ہے بالکل اکتا چکا ہوں۔ زمانہ اپنی جدت اور طوالت کے لحاظ سے سب لوگوں پر غالب آ چکا ہے لیکن خود اُس کو آج تک کسی نے مغلوب نہیں کیا ہے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ رات اور دن آ کر چلے جاتے ہیں لیکن چلے جانے کے بعد پھر واپس آ جاتے ہیں۔

بہرحال لکھا ہے کہ جب بالآخر آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو چونکہ آپ کے پاس کوئی نرینہ اولاد نہ تھی اس لئے آپ نے اپنی دونوں بچیوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

تَمَنّٰى اِبْنَتَایَ اَنْ یِعِیْشَ اَبُوْهُمَا
وَهَلْ اَنَا اِلاَّ مِنْ رَبِیْعَةَ اَوْمُضَر
اِذَا حَانَ یَوْمٌ اَنْ یَمُوْتَ اَبُو کُمَا
فَلاَ تَخْمِشَیَا وَجْهًا وَ لاَ تَحْلِقَا شَعَرْ
وَ قُوْلاَ الْمَرْءُ الَّذِی لَیَسَ جَارُهٗ
مُضَاعًا وَ لاَ خَانَ الصَّدِیْقَ وَ لاَغَدَرْ
اِلٰی الْحَوْلِ ثُمَّ اسْمُ السَّلاَمِ عَلَیْکُمَا
وَ مَنْ یَبْكِ حَوْلاً کَامِلاً فَقَدِ اعْتَذَرْ

یعنی ـــــ میری دونوں بیٹیوں کی یہ خواہش ہے کہ اُن کا باپ ابھی کچھ اور دیر زندہ رہے حالانکہ میں تو ربیعہ یا مضر قبیلوں سے ہی تعلق رکھتا ہوں جن کے اکثر افراد فوت ہو چکے ہیں۔ اس لئے اے میری بیٹیو! جب کسی دن تمہارا باپ فوت ہو جائے تو نہ اپنے چہرے نوچنا نہ سر کے بال منڈانا بلکہ یہ اعلان کرنا کہ ہمارا باپ ایسا تھا کہ جس کا پڑوسی بے مدد نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی کبھی اپنے دوست سے خیانت کرتا اور نہ عہد شکنی کا مرتکب ہوا۔ تم پورے ایک سال تک میرا سوگ منانا کیونکہ جو ایک سال روتا رہے اُس نے ماتم کا حق ادا کر دیا۔

روایات میں آتا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کی دونوں بچیاں ہر روز آپ کی قبر پر جاتیں اور بغیر کسی قسم کے ماتم یا نوحہ کے آپ کے لئے بادیدۂ گریاں دعائے مغفرت مانگتیں اور واپسی

پر اُن کے قبیلہ کی ناوی (یعنی کلب) میں پہنچ کر ان کا ذکر خیر کرتیں اور اپنے باپ کی وصیت کے مطابق پورا ایک سال اس دستور پر قائم رہیں۔

روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو چونکہ آپ کی نرینہ اولاد کوئی نہ تھی اس لئے آپ نے اپنے بھتیجے کو بلایا اور اسے کہا کہ بیٹا آج جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے قبلہ رخ کر کے کپڑے سے ڈھانپ دینا اور کسی کو ماتم کرنے کی اجازت نہ دینا اور علی الصبح روزانہ کے دستور کے مطابق میرے دونوں بڑے پیالے کھانے سے بھر کر مسجد میں لے جانا اور جب امام سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہو جائے تو حاضرین کو کھانا کھلانے کے بعد انہیں کہنا کہ رات آپ کا بھائی لبیدؓ فوت ہو گیا ہے۔ اس لئے اب اس کا جنازہ پڑھ لو۔

آپ کی وفات ۶۰ ہجری میں ہوئی اور ایک روایت میں ہے کہ آپ کی وفات ۴۱ ہجری کو اُس روز ہوئی جب امیر معاویہؓ کوفہ آئے۔ آپ نے اپنی عمر کے نوے سال زمانۂ جاہلیت میں گزارے اور باقی عمر اسلام میں گزاری۔

اللھم اغفرلہٗ وارحمہٗ

حضرت خنساءؓ (عرب کی بے نظیر مرثیہ گو شاعرہ)

حضرت خنساءؓ زمانۂ جاہلیت میں پیدا ہوئیں۔ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا شرف حاصل ہوا۔ اس لئے آپ صحابیہ ہیں اور شعراء کے طبقات کے لحاظ سے آپ کا شمار مخضرمی شعراء میں ہوتا ہے۔ یعنی ایسے شعراء میں جنہوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں کو پایا۔ آپ کا اصلی نام "تماضر بنت عمرو بن شرید سلمیہ" ہے لیکن خنساء کے لقب سے مشہور ہیں۔

سوانحی کوائف

آپ نے شرافت و نجابت کے عظیم الشان محل میں جنم لیا اور گلستانِ فضیلت میں پھلیں پھولیں۔ آپ کا والد عمرو اور دو بھائی معاویہ اور صخر مضر قبیلہ کی شاخ بنو سلیم کے سردار تھے۔ آپ حسن و ادب میں کامل تھیں اور اپنے زمانہ کی حسین ترین عورتوں میں سے تھیں۔ درید بن الصمہ (جو قبیلہ ہوازن کا سردار اور خاندانِ جشم کا مشہور شاہسوار تھا) نے شادی کے لئے آپ کو پیغام بھیجا لیکن آپ نے انکار کر دیا اور اپنی قوم میں شادی کرنے کو ترجیح دی۔

جب آپ کے مذکورہ بالا دونوں بھائی فوت ہو گئے تو آپ کو سخت صدمہ ہوا اور آپ ان کے رنج میں دل کھول کر روئیں اور نہایت دردناک اور پُراثر مرثیے ان کے فراق میں کہے بالخصوص

اپنے بھائی صخر کے لئے جو بہت محسن محبت کرنے والا اور دلیر تھا۔

یہ اپنی قوم کے ساتھ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اسلام قبول کیا اور حضورؐ کو اپنے اشعار سنائے۔ روایات میں آتا ہے کہ حضورؐ ان اشعار کو سن کر جھومنے لگے اور مزید سننے کا شوق ان الفاظ سے فرمایا ــــ "هَيَّهْ يَا خُنَاسُ" ــــ یعنی اے شیرنی اور سناؤ۔"

بینائی سے محرومی

اسلام لانے کے بعد اگرچہ یہ پہلے کی طرح جزع و فزع سے کافی حد تک رُک گئیں تاہم صخر کی موت کا صدمہ ان کے لئے بہت تکلیف دہ تھا۔ اس لئے اُن کی یاد میں روتے روتے بالآخر اُنھوں نے اپنی بینائی کھو دی اور کہا کرتی تھیں کہ

"ــــ مَیں پہلے اُس کی موت کا بدلہ لینے کے لئے روتی تھی اور آج میں اُس کے جہنم میں جانے کے باعث روتی ہوں کیونکہ وہ ایمان نہ لا سکا۔"

لیکن تقاضائے زمانہ مرور ایام اور اسلام کی تعلیم نے بالآخر اُن کے زخم جگر کو مندمل کر دیا اور انہیں قرار آ گیا اور بالآخر اسلام کی تعلیم ان کے دل میں ایسی گڑ گئی کہ جہاں زمانۂ جاہلیت میں یہ جزع فزع کا نمونہ تھیں وہاں اسلام میں یہ صبر و قرار کی ایک ضرب المثل بن گئیں۔ کیونکہ یہ وہ تاریخی خاتون ہیں جنھوں نے اپنے چار بیٹے جنگ قادسیہ پر روانہ کئے اور انہیں نصیحت کی کہ تم نے پیٹھ نہیں دکھانی۔ خدا کی قدرت کہ یہ چاروں کے چاروں بیٹے اس جنگ میں شہید ہو گئے اور اُن کے صبر و قرار کا یہ عالم تھا کہ اُنھوں نے ان سب کی شہادت پر اس کے سوا کچھ نہ کہا کہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی شَرَّفَنِی بِقَتْلِهِمِ" یعنی خدا کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے ان کی شہادت سے عزت بخشی ہے اور کہا کہ مَیں اُمید کرتی ہوں کہ وہ مجھے ان سے جنت میں ملا دے گا۔

عرب شاعر عورتوں میں سے (جن کی تعداد بہت ہی محدود ہے) اسلام سے قبل اور اسلام کی بعثت کے بعد کوئی ایسی شاعر عورت پیدا نہیں ہوئی جو متانت شعر، نزاکت الفاظ اور حلاوت صوت میں حضرت خنساءؓ سے بازی لے جا سکے۔ بلکہ بسا اوقات آپ اپنے زمانہ کے مایہ ناز شعراء سے بھی مقابلہ کیا کرتی تھیں۔ چنانچہ نابغہ ذبیانی، جریر اور بشار کا خیال ہے کہ آپ مردوں سے زیادہ بہتر شاعری کرتی تھیں۔ بالخصوص مرثیہ گوئی میں کوئی اُن کا مدمقابل نہ بن سکا۔

پُرسوز مرثیے

اپنے بھائیوں کے قتل سے پہلے وہ دو دو یا تین تین شعروں سے زیادہ نہ کہتی تھیں۔ اُن کی

موت پر اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک سیل رواں اور دل سے اشعار کا ایک دریا بہہ پڑا۔ چنانچہ انہوں نے اُن دونوں کے لئے نہایت پُرسوز حیرت انگیز اور بے نظیر مرثیے لکھے۔ جو عربی ادب کی تاریخ میں لازوال شہرت کے حامل ہیں۔ ان میں سے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

آپ ایک جگہ کہتی ہیں ؎

اَعَیْنَیَّ جُوْدَا وَ لَا تَجْمُدَا
اَلَا تَبْکِیَانِ لِصَخْرِ النَّدٰی
اَلَا تَبْکِیَانِ الْجَرِیٔ الْجَمِیْل
اَلَا تَبْکِیَانِ الْفَتٰی السَّیِّدَا
رَفِیْعَ الْعِمَادِ طَوِیْلَ النِّجَادِ
وَسَادَ عَشِیْرَتَہٗ اَمْرَدَا

یعنی ـــــ اے مری دونوں آنکھو! جمو مت بلکہ خوب آنسو بہاؤ۔ کیا تم سخاوت کے پہاڑ کے فراق پر روؤ گی نہیں؟

کیا تم بہادر اور خوبصورت نوجوان کے فراق پر روؤ گی نہیں۔ کیا تم نوجوان سردار کی موت پر نہیں روؤ گی؟

وہ عالیشان گھر والا تھا اور بلند قامت تھا اور نو عمری ہی میں اپنے قبیلہ کا سردار بن گیا تھا۔

ایک اور مقام پر آپ اپنے اس بھائی کی وفات کا تذکرہ یوں کرتی ہیں ؎

یُذَکِّرُنِیْ طُلُوْعُ الشَّمْسِ صَخْرًا
وَ اَذْکُرُہٗ بِکُلِّ غُرُوْبِ شَمْسِ
فَلَوْلَا کَثْرَۃُ الْبَاکِیْنَ حَوْلِیْ
عَلٰی اِخْوَانِھِمْ لَقَتَلْتُ نَفْسِیْ
فَیَا لَھْفِیْ عَلَیْہِ وَ لَھْفَ اُمِّیْ
اَیُصْبِحُ فِی الضَّرِیْحِ وَ فِیْہِ یُمْسِیْ

یعنی ـــــ ہر روز سورج کے طلوع ہونے پر مجھے صخر یاد آتا ہے اور بوقت غروب بھی مَیں اُسے بھولتی نہیں ہوں اور اگر اپنے بھائیوں پر رونے والوں کی کثرت میرے اردگرد نہ ہوتی تو مَیں اپنے بھائی کی جدائی پر خودکشی کر لیتی۔ پس ہائے افسوس اُس کی موت پر میری طرف سے اور میری ماں کی طرف

سے کیا اب وہ صبح و شام قبر میں ہی رہا کرے گا۔

ایک اور جگہ اُسے اس طرح یاد کرتی ہیں ؎

اَلاَ یَا صَخْرُ اِنْ اَبْکَیْتَ عَیْنِی
فَقَدْ اَضْحَکْتَنِی دَهْراً طَوِیلاً
دَفَعْتُ بِكَ الخُطُوْبَ وَ اَنْتَ حَیٌّ
فَمَنْ ذَایَدْفَعُ الْخَطْبَ الْجَلِیْلاً
اِذَا قَبُحَ الْبُکَاءُ عَلَی قَتِیْلِ
رَایتُ بُکَائَكَ الْحُسْنَ الْجَمِیْلاً

یعنی —— اے صخر! اگر اب تُو نے میری آنکھ کو رُلایا ہے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ تو نے مجھے ایک لمبا زمانہ ہنسایا بھی تو ہے۔ جب تو زندہ تھا تو تیرے ذریعہ میں نے بے شمار مصیبتوں سے نجات حاصل کی لیکن تیری موت کے باعث جو مصیبت مجھ پر وارد ہوئی ہے اب اسے کون دور کرے گا؟ اگر کسی مقتول کی وفات پر رونا عیب ہے تو تُو ایسا نہیں ہے کیونکہ تیری موت پر رونا کارِ ثواب ہے۔

سب سے بڑا شاعر

شاعر جریر سے ایک دفعہ پوچھا گیا کہ مَنْ اَشْعَرُ النَّاسِ (سب سے بڑا شاعر کون ہے) تو اُس نے جواب دیا "اَنَا لَوْ لاَ الْخَنْسَاءُ" یعنی اگر خنساء نہ ہوتی تو مَیں سب سے بڑا شاعر ہوتا —— اور جب وجہ پوچھی گئی تو اُس نے حضرت خنساءؓ کے درج ذیل دو شعر پڑھ کر کہا کہ ان اشعار کے باعث ؎

اِنَّ الزَّمَانَ وَ مَا یَفْنَی لَهُ عَجَبٌ
اَبْقَی لَنَا ذَنَبًا وَاسْتُوصِلَ الرَّاسُ
اِنَّ الْجَدِیْدَیْنِ فِی طُوْلِ اخْتِلاَفِهِمَا
لاَ یَفْسُدَانِ وَ لٰکِنِ یَفْسُدُ النَّاسُ

یعنی —— عجائبات زمانہ ختم ہونے میں نہیں آتے۔ کیونکہ اُس نے ہمارے لئے دم کو باقی رکھا ہے اور سر کاٹ دیا گیا ہے۔ یہ دن اور رات باوجود بار بار آنے کے پھر بھی نئے رہتے ہیں اور ان میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی لیکن

لوگ خراب ہو جاتے ہیں۔

نقاد بھی

حضرت خنساءؓ نہ صرف ایک اعلیٰ درجہ کی شاعرہ تھیں بلکہ شاعری میں ایک اعلیٰ درجہ کی نقاد (CRITIC) بھی تھیں۔ چنانچہ ادبی روایات میں آتا ہے کہ ایک دفعہ سوق عکاظ میں آپ نے اپنے کچھ شعر سنائے اور اس وقت نابغہ ذبیانی اس محفل مشاعرہ کا میر مجلس تھا۔ جب آپ اپنے شعر سنا چکیں تو اُس نے یہ ریمارکس دیئے —— "اِذهَبِی فَاَنْتِ اَشْعَرُ مِنْ کُلِّ ذَاتِ ثَدْیَیْنِ وَ لَوْلَا الْاَعمٰی (اَعشَی شَاعِرِ) اَنْشَدَنِی قَبْلَكِ لَفَضَّلْتُكِ عَلٰی شُعَرَاءِ هٰذَا الْمَوْسَمِ"

یعنی —— جاؤ عورتوں میں تم سب سے بڑی شاعرہ ہو اور اگر مَیں تم سے پہلے اعشیٰ شاعر کے اشعار نہ سن چکا ہوتا تو مَیں تمہیں اِس سال کے میلہ عکاظ کے امیر الشعراء کا خطاب دے دیتا۔

یہ زمانۂ جاہلیت کی بات ہے اور حسان بن ثابت جو بعد ازاں دربارِ نبویؐ کے شاعر بنے۔ وہ بھی اس مجلس میں اپنے شعر سنا چکے تھے۔ اس لئے "نابغہ ذبیانی" کے ان ریمارکس پر اُنہیں بہت تکلیف ہوئی اور انہوں نے احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ "اَنَا اَشْعَرُمِنْكَ وَ مِنْهَا" —— یعنی —— مَیں تم دونوں سے بڑا شاعر ہوں —— اس پر نابغہ نے حضرت خنساء کو مخاطب کرتے ہوئے کہا —— "خنساء اسے جواب دو" —— حضرت خنساءؓ نے حضرت حسانؓ کو کہا کہ "اپنے قصیدہ کا بہترین شعر سناؤ" —— انہوں نے درج ذیل شعر پڑھا ؎

لَنَا الْجَفَنَاتُ الغُرُّ یَلْمَعْنَ بِا الضُّحٰی
وَ اَسْیَا فُنَا یَقْطُرْنَ مِنْ نَجْدَةٍ دَمًا

یعنی —— ہماری مہمان نوازی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہمارے پاس شراب کے ایسے بڑے بڑے لگن ہیں جو چاشت کے وقت چمکتے ہیں اور ہماری بہادری کی علامت یہ ہے کہ ہماری تلواروں سے خون ٹپکتا رہتا ہے۔

اس پر حضرت خنساءؓ کھڑی ہو گئیں اور کہنے لگیں "تمہارے اس شعر میں چھ غلطیاں ہیں اس لئے تمہیں فخر کا کوئی حق نہیں" —— اور پھر مندرجہ ذیل غلطیاں نکالیں:

(۱) تُو نے جَفَنَاتْ کا لفظ استعمال کیا ہے جو جمع قلت ہے یعنی ایسی جمع جو دس سے کم کے لئے استعمال

ہوتی ہے۔ اگر تم جِفَانٌ کا لفظ استعمال کرتے تو یہ کثرت مہمان نوازی پر دلالت کرتا ہے۔

(۲) تُو نے غُرٌّ کا لفظ استعمال کیا ہے جو صرف پیشانی کی سفیدی پر دلالت کرتا ہے۔ اگر تُو اُس کی جگہ بِیضٌ کا لفظ استعمال کرتا تو معنی میں وسعت پیدا ہو جاتی۔

(۳) تُو نے یَلْمَعْنَ کا لفظ استعمال کیا ہے اور اس لفظ کے معنی ایسی چمک کے ہوتے ہیں جو بجلی کی طرح آتی ہے اور پھر چلی جاتی ہے اگر تُو اس کی بجائے یَشْرِقْنَ کا لفظ استعمال کرتا تو یہ چمک کی مداومت ظاہر کرتا ہے۔

(۴) تُو نے ضُحٰی کا لفظ استعمال کیا ہے جو چاشت کا وقت ہوتا ہے لیکن مسافر تو زیادہ تر رات کو آتے ہیں اس لئے اگر ضُحٰی کی بجائے دُجٰی کا لفظ استعمال کرتا تو یہ زیادہ برموقعہ و برمحل ہوتا۔

(۵) تُو نے اَسْیَاف کا لفظ استعمال کیا ہے اور یہ بھی جمع قلت ہے۔ اس لئے اگر تُو سُیُوْف کا لفظ استعمال کرتا تو یہ زیادہ کثرت پر دلالت کرتا۔

(۶) تُو نے دَمًا کا لفظ استعمال کیا ہے اور دِمَاءٌ دمًا کی نسبت زیادہ کثرت پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے یہ بھی تمہاری غلطی ہے۔

یہ تنقید سن کر حضرت حسان بن ثابت بالکل خاموش ہو گئے اور کوئی جواب بن نہ آیا۔

علماء شعر میں سے اکثر کا خیال ہے کہ خنساءؓ سے پہلے اور بعد میں بھی کوئی عورت اُن سے بڑی شاعرہ نہیں ہوئی ہے اور اگر کسی نے لَیْلَی الْاَخْیَلِیَّۃَ کو فضیلت دی ہے تو اُس نے بھی مرثیہ گوئی میں حضرت خنساءؓ کی فضیلت کا اعتراف کیا ہے۔ شاعر بشار کہا کرتا تھا کہ عورتوں کے شعر میں کوئی نہ کوئی نقص ضرور ہوتا ہے۔ اُسے کہا گیا کہ کیا خنساءؓ بھی ایسی ہی ہے؟ تو اُس نے کہا "تِلْكَ غَلَبَتِ الْفُحُوْلَ" یعنی وہ ایسی نہیں ہے کیونکہ وہ تو مردوں پر بھی سبقت لے گئی ہے۔

عنترہ بن شدّاد

عرب کا ایک شہسوار شاعر

شہسواری اور شاعری میں بظاہر کوئی رابطہ اور علاقہ نظر نہیں آتا لیکن قدرت کے نوادر اور عجائب و غرائب کا سلسلہ لامتناہی ہے اور اسی لئے کسی عرب شاعر نے کہا ہے اور کیا ہی خوب کہا ہے ؎

اِنَّ اللَّیَالِی مِنَ الْاَیَّامِ
حُبَالٰی یَلِدْنَ کُلَّ عَجِیْبِ

یعنی —— راتیں بوجہ ایام اُمید سے ہیں اور گاہ بگاہ قسم قسم کے عجوبوں کو جنم دیتی رہتی ہیں۔

بہر حال ان نادرہ ہائے روزگار میں سے ایک عنترہ بن شداد ہے جو اگرچہ عربی اور حبشی مخلوط نسل سے تھا۔ تاہم وہ عربی زبان کا ایک قادر الکلام شاعر، بے نظیر شاہ سوار اور بہادری و شجاعت میں بے مثیل و بے عدیل تھا۔

عنترہ کی ماں حبشی نژاد تھی اور باپ شداد بنو عبس کے سرداروں میں سے تھا۔ عربوں کا دستور یہ تھا کہ وہ اپنی لونڈیوں کی اولادوں کو عبید یعنی غلام ہی سمجھا کرتے تھے اور انہیں اپنی ابنیت کا شرف نہیں دیا کرتے تھے۔ اسی لئے عنترہ بھی اپنے باپ کے غلاموں میں سے ایک غلام سمجھا جاتا تھا۔ ایک عرصہ تک عنترہ اونٹوں اور گھوڑوں کے چرواہے کے طور پر اپنی زندگی بسر کرتا رہا لیکن اپنی اس صورت حال پر قانع نہ تھا۔

(اور میں سمجھتا ہوں کہ ترقی کا راز یہی ہے کہ انسان صورت حال پر قانع نہ ہو بلکہ اُس کے دل میں بڑا بننے کی اُمنگ اور ترنگ ہو)

اس لئے اس دوران میں عنترہ نے شہسواری سیکھنی شروع کردی اور جلد ہی ایک اعلیٰ درجہ کا شہسوار بن گیا لیکن اس کے باوجود اُس کا باپ اُسے اپنی طرف منسوب کرنے کو عار سمجھتا تھا اور شاید یہ صورت حال جاری رہتی۔ اگر ایک اور عرب قبیلہ بنو عبس پر حملہ نہ کردیتا۔ یہ قبیلہ جب بنو عبس پر حملہ کرکے اُن کے اونٹوں کو ہنکا لے گیا تو بنو عبس نے اُن کا تعاقب کیا تاکہ اُن سے اپنے اُونٹ چھڑا لائیں۔ اس حملہ میں عنترہ بھی اپنے قبیلہ کے ساتھ تھا اور اُس کے باپ نے اُسے کہا کہ —— "كُرَّ يَا عَنْتَرَةُ" یعنی اے عنترہ حملہ کرو لیکن عنترہ کے دل میں اس بات کے باعث کدورت تھی کہ اُس کا باپ اُسے اپنی طرف منسوب کرنے میں عار محسوس کرتا ہے اس لئے اُس نے اپنے باپ کو جواباً کہا —— "اَلعَبْدُ لَا يُحْسِنُ الْكَرَّ اِنَمَا يُحْسِنُ الحَلَابَ وَالصَّرَّ" —— یعنی غلام کیا جانے کہ حملہ کرنا کیا ہوتا ہے۔ وہ تو صرف دودھ دوہنا جانتا ہے۔

اس پر اُس کے باپ نے کہا —— "كُرَّ وَ اَنْتَ حُرٌّ" یعنی —— تُو حملہ کر اب تُو آزاد ہے —— اِس پر عنترہ نے اپنے اس غنیم پر اس شدت سے حملہ کیا کہ اُسے بھاگنے پر مجبور کردیا اور اُن سے اپنے اونٹ چھڑا لئے —— اس واقعہ کے بعد اُس کے باپ نے اُسے اپنی ابنیت کا شرف عطا کردیا اور پھر اُس کا نام عرب کے سادات اور مشہور شہسواروں میں شمار ہونے لگا۔ حتیٰ کہ عنترہ بہادری میں ضرب المثل اور اسم بامسمیٰ ہوگیا۔ کیونکہ عربی زبان میں اب عَنْتَرَ کے معنی ہی یہ ہوگئے کہ صَارَ شُجَاعًا —— یعنی وہ بہادر ہوگیا۔

عنترہ کی شاعری

عنترہ زمانہ جاہلیت کے شاعروں میں سے ہے اور اس کا شمار اصحاب المعلقات میں ہوتا ہے۔ یعنی اُن شعراء میں جن کے قصیدے بطور اعزاز خاص خانہ کعبہ میں لٹکائے جاتے تھے۔ عنترہ بعثت نبویؐ سے صرف چند سال پہلے فوت ہوا اور اُس نے ایک لمبی عمر پائی۔ اُس کی شاعری میں فخرو حماسہ، شجاعت و بہادری، نجابت و شرافت، طہارت اخلاق اور عزت نفس کا بہت ذکر ہے۔

ابتداء میں عنترہ کو شاعری کی طرف کوئی خاص توجہ نہ تھی بلکہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ اُس کی ساری توجہ شہسواری کی طرف تھی لیکن ایک دن کسی نے اُسے اُس کے کالے رنگ اور غیر شاعر ہونے کا طعنہ دیا۔ اِس بات نے اُسے بہت غیرت دلائی اور اُس نے شاعری کی طرف توجہ دینی شروع کی اور آہستہ آہستہ وہ ایک قادر الکلام شاعر بن گیا اور پھر اُس نے اپنا وہ مشہور قصیدہ کہا جسے عربی ادب میں "اَلْمُعلَّقَةُ الْمُذَهَّبَة" یعنی "سنہری معلقہ" کا نام دیا گیا ہے اور مطبوعہ معلقات میں اس کا نمبر چھٹا ہے۔ اس معلقہ کی خوبی یہ ہے کہ اُس کی ساخت نہایت عمدہ، خوبصورت اور بلیغ ہے۔ یہ مشکل کی بجائے آسان الفاظ سے مرکب ہے اور اس کی ابتداء اس شعر سے ہوتی ہے ؎

هَلْ غَادَرَ الشُّعَرَاءُ مِن مُّتَرَدَّمِ
اَمْ هَلْ عَرَفْتَ اَلدَّارَ بَعْدَ تَوَهُّمِ

یعنی ـــــ کیا پہلے شعراء نے کوئی موضوع سخن باقی چھوڑا ہے؟ پھر دوسرے مصرعہ میں عنترہ اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہتا ہے ـــــ کیا تُو نے اپنی محبوبہ کا گھر بسیار تلاش کے بعد پا نہیں لیا؟ یعنی بالآخر تجھے کوئی موضوع سخن مل ہی گیا ہے۔

عنترہ نہ صرف اصحاب المعلقات میں سے ہے بلکہ مشہور صاحب دیوان شاعر ہے۔

عنترہ کے عمدہ ترین اشعار میں سے چند یہ ہیں:

بكَرَتْ تُخَوِّفُنِى الْحُتُوفَ كَاَنَّنِى
اَصْبَحْتُ مِن عَرَضِ الْحُتُوفِ بِمَعْزِلِ
فَاَجَبْتُهَا اِن الْمَنِيَّةَ مَنْهَلٌ
لابُدَّ اَنْ اَسقِى بِكَاسِ الْمَنْهلِ
فَاقْنِى حَيَاءَكِ لَا اَبَالَكِ وَاعْلمِى
اِنِّى امْرُؤٌ سَامُوْتَ اِنْ لَمْ اُقْتَلِ

اِنِّی امْرُؤٌ مِنْ خَیْرِ عَبَسٍ مَنْصَبًا
شَطْرِی وَ اَحْمِی سَائِری بِالْمُنْصلِ

وَالْخَیْلُ تَعْلَمُ وَالفَوَارِسُ اِنَّنِی
فَرَّقْتُ جَمْعَهُمْ بِضَرْبةِ فَیْصَلِ

یعنی —— میری محبوبہ صبح سویرے مجھے موت سے اس طرح ڈرانے لگی گویا کہ موت کو مجھ سے کوئی سروکار نہ تھا۔ پس مَیں نے اُسے کہا کہ موت تو ایک گھاٹ ہے جس سے پانی پینا میرے لئے ازبس ضروری ہے۔ پھر مَیں نے اُس سے کہا۔ خبردار بے حیا مت بن اور جان لے کہ مَیں ایک مرد ہوں جو اگر قتل نہ بھی ہو سکے تاہم اُسے مرنا تو ضرور ہے۔ مَیں ایک ایسا آدمی ہوں جس کا نصف اپنے مرتبہ کے لحاظ سے عبس کے بہترین حصہ سے تعلق رکھتا ہے۔ (عنترہ یہاں اپنے غیر نجیب الطرفین ہونے کا اقرار کرتا ہے) اور مَیں اپنے سارے جسم کو تلوار کے بل پر محفوظ کئے ہوئے ہوں اور گھوڑوں اور شہسواروں ہر دو کو علم ہے کہ مَیں نے کئی بار اُن کے جمگھٹوں کو تلوار کی ایک فیصلہ کن ضرب سے پراگندہ کردیا ہے۔

عنترہ اپنے معلقہ میں ایک جگہ اپنی بہادری کو یوں بیان کرتا ہے ۔

یَدْعُونَ عَنْتَرَ وَالرِّمَاحُ کَاَنَّهَا
اَشْطَانُ بِئرٍ فِی لَبَانِ الْاَدْهَمِ

مَازِلْتُ اَرْمِیهِمْ بِثُغْرَةِ نَحْرِهٖ
وَلَبَانِهٖ حَتّٰی تَسَرْبَلَ بِالدَّمِ

وَلَقَدْ شَفَی نَفْسِی وَ اَبْرَاَ سُقْمَهَا
قِیلَ الْفَوَارِسِ وَیْكَ عَنْتَرُ اَقْدِمِ

یعنی —— میرے لوگ مجھے اسے وقت میں پکار رہے تھے جبکہ تیر میرے گھوڑے کے سینے میں اس طرح برس رہے تھے جس طرح کنوئیں سے پانی نکالنے کے لئے ڈول رسّی کو تیزی سے نیچے لے جاتا ہے۔ مَیں گھوڑے کے سینے کے اُوپر سے دشمنوں پر تیراندازی کرتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ میرا گھوڑا خون سے لت پت ہوگیا اور شہسواروں کے اس قول نے کہ اے عنترہ ہائے افسوس تجھ پر تم حملہ کیوں نہیں کرتے۔ میرے نفس کو شفا بخشی اور میری

بیماری دور کردی۔

ایک اور مقام پر عنترہ اپنی بے خوفی کا تذکرہ اس طرح کرتا ہے۔

وَ لَا تَخْشَى الْمَنِيَةَ وَاقْتَحِمْهَا
وَ دَافِعْ مَا اسْتَطَعْتَ لَهَادِفَاعًا
يَقُوْلَ لَكَ الطَّبِيْبُ دَوَاكَ عِنْدِي
اِذَا مَا جَسَّ زَنْدَكَ وَالذِّرَاعَا
وَ لَوْ عَلِمَ الطَّبِيْبُ دَوَاءَ دَاءٍ
لَرَدَّ الْمَوْتَ مَاقَاسَى النِزَاعَا

یعنی —— موت سے مت ڈرو اور اس کے میدان میں داخل ہو جاؤ اور اس سے جس قدر دفاع تم اپنا کر سکتے ہو کرو۔ طبیب جب تمہاری کلائی پر ہاتھ رکھ کر تمہاری نبض دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ تیری بیماری کا علاج میرے پاس ہے (وہ غلط کہتا ہے) اس لئے کہ اگر طبیب کسی بیماری کا صحیح اور مکمل علاج جانتا تو وہ خود کبھی نہ مرتا اور نہ ہی اُس پر کبھی حالت نزع طاری ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ چونکہ موت سے کوئی مفر نہیں اس لئے اس سے ڈرنا بے معنی ہے۔

اخلاقی مقام و مرتبہ

عنترہ اخلاقی اعتبار سے ایک نہایت بلند مرتبہ رکھتا تھا جس کا ذکر وہ جگہ جگہ اپنے دیوان میں کرتا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ وہ یوں گویا ہوتا ہے۔

وَ لَقَدْ اَبِيْتُ عَلَى الطَّوٰى وَاَظَلُّهٗ
حَتّٰى اَنَالَ بِهٖ كَرِيْمَ الْمَاكَلِ

یعنی —— کئی دفعہ مَیں رات کو بھوکا سوتا ہوں اور یہ حالت اُس وقت تک جاری رہتی ہے جب تک کہ مجھے کوئی رزق کریم نہیں مل جاتا۔

اپنی عفت نفس اور طہارت اخلاق کے متعلق عنترہ ایک جگہ اپنا ذکر یوں کرتا ہے۔

وَ اَغُضُّ طَرْفِي اِنْ بَدَتْ لِيَ جَارَتِي
حَتّٰى يُوَارِيْ جَارَتِي مَاوَا هَا

یعنی —— اگر میری پڑوسن اچانک مجھے نظر آجائے تو مَیں اپنی آنکھیں بوجہ حیاء نیچی کر لیتا ہوں اور جب تک وہ اپنے گھر میں داخل نہیں ہو جاتا مَیں اپنی

آنکھیں اُوپر نہیں اُٹھاتا۔

ایک اور جگہ عنترہ اپنی عزت نفس کا تذکرہ اپنے اشعار میں اس طرح کرتا ہے ؎

لَا تَسْقِنِی مَاءَ الْحَیٰوۃِ بِذِلَّۃٍ
بَلْ فَاسْقِنِی بِالْعِزِّ کَاسَ الْحَنْظَلِ
مَاءُ الْحَیٰوۃِ بِذِلَّۃٍ کَجَهَنَّمٍ
وَجَهَنَّمُ بِالْعِزِّ اَطْیَبُ مَنْزِلِ

یعنی ـــــ مجھے زندگی کا پانی ذلت کے ساتھ مت پلاؤ۔ بلکہ عزت کے ساتھ۔ تم مجھے بے شک حنظل (تمہ) کے رس کا پیالہ پلا دو۔ ذلت ملا ہوا زندگی کا پانی تو جہنم کی طرح ہے اور اگر جہنم میں عزت ہے تو جہنم بھی بہترین مقام ہے۔

اور جس طرح سلطان ٹیپو شہیدؒ نے کہا تھا کہ شیر کی ایک دن کی زندگی لومڑی کی سو سال کی زندگی سے بہتر ہے بالکل اسی طرح عنترہ بھی کہتا ہے ؎

حَیَاتُكَ تَحْتَ ظِلِّ الْعِزِّ یَوْمًا
وَ لَا تَحْتَ الْمَذَلَّۃِ اَلْفُ عَامٍ

یعنی ـــــ عزت کے سایہ میں تیری ایک دن کی زندگی ذلت کے سایہ میں ہزار سالہ زندگی سے بدرجہا بہتر ہے۔

اور درج ذیل اشعار میں جس طرح عنترہ اپنی سیاہ فامی کی مدافعت کرتا ہے وہ باعث صد رشک ہے ؎

وَ اِنْ اَكُ اَسْوَداً فَالْمِسْكُ لَوْنِی
وَ مَا لِسَوادِ جِلْدِیْ مِنْ دَوَاءٍ
وَ لٰكِنْ تَبْعُدُ الْفَحْشَاءُ عَنِّیْ
كَبُعْدِ الْاَرْضِ عَنْ جَوِّ السَّمَاءِ

یعنی ـــــ اگر مَیں سیاہ فام ہوں تو کوئی حرج نہیں کیونکہ کستوری بھی کالی ہی ہوتی ہے۔ پس میری سیاہ فامی کا اگرچہ کوئی علاج نہیں لیکن قابلِ غور بات یہ ہے کہ فحشاء مجھ سے اس طرح دور ہیں جس طرح کہ زمین آسمان سے دور۔

عنترہ ایک اور جگہ اپنے اخلاق حمیدہ سے یوں پردہ اٹھاتا ہے ؎

اَثْنِی عَلَیَّ بِمَا عَلِمْتِ فَاِنَّنِی
سَمْحٌ مُخَالَطَتِی اِذَا لَمْ اُظْلَمِ

فَاِذَا ظُلِمْتُ فَاِنَّ ظُلْمِیْ بَاسِلٌ
مُرٌّ مَذَاقَۃٍ کَطَعْمِ الْعَلْقَمِ

یعنی —— اے میری محبوبہ۔ میری اُن صفات کا تذکرہ کر جن کا تجھے علم ہے کیونکہ جب تک مجھ پر ظلم نہ کیا جائے۔ میرا میل ملاپ، مسالحت اور درگزر پر مشتمل ہے لیکن جب مجھ پر ظلم کیا جائے تو پھر میرا انتقام بہت بہادرانہ ہے اور اس کا مزا حنظل کی طرح سخت کڑوا ہے۔

ایک دن عنترہ سے پوچھا گیا کہ تمہاری بہادری کی شہرت کا سبب کیا ہے تو اُس نے کہا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ

مَیں حملہ اَیسے وقت میں کرتا ہوں جب حملہ کرنا ازبس ضروری ہوتا ہے اور جب ضروری نہ ہو تو مَیں رُک جاتا ہوں اور مَیں کسی ایسی جگہ نہیں گھستا جہاں سے نکلنا مشکل ہو۔ مَیں اپنے حملے کے لئے کسی بزدل کو تاڑ لیتا ہوں اور پھر اُس پر ایسا بھرپور وار کرتا ہوں کہ جس سے بہادروں کے دل بھی دہل جاتے ہیں اور جب وہ خوفزدہ ہو جاتے ہیں تو پھر میرے لئے اُن کو قتل کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہوتا۔ پس یہ میرا طریق واردات ہے جس کے باعث میری بہادری کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیل گئی ہے۔ عنترہ بن شداد کے لئے یہ بات کچھ کم باعث فخر نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق فرمایا ہے کہ "مَا وُصِفَ لِی اَعْرَابِیٌّ قَطُّ فَاَحْبَبْتُ اَنْ اَرَاہُ اِلَّا عَنْتَرَۃُ" یعنی میرے سامنے کبھی کسی ایسے عرب کی تعریف نہیں کی گئی کہ جس کی تعریف سن کر مجھے اُس کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوا سوائے عنترہ کے کہ اُس کی تعریف سن کر مجھے اُس کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوا ہے۔

عرب کا پہلا قریشی شاعر

عمر بن ابی ربیعہ

عرب قریش مکہ کا (بوجہ تولیت کعبہ) بہت ادب و احترام کرتے تھے لیکن قرآن کریم کے نزول سے قبل شعر و شاعری میں قریش کے کسی مرتبہ کے قائل نہ تھے۔ یہاں تک کہ عمر بن ابی ربیعہ (۷۱۱-۶۴۴) پیدا ہوا اور اُس نے شعر کہنے شروع کئے۔ ایک عرصہ دراز تک یہ نوجوان شعر

کہتا رہا لیکن کسی نے اُسے قابلِ التفات نہ سمجھا۔ بلکہ جریر تو جب کبھی اُس کا کوئی شعر پڑھتا تو یہ کہا کرتا تھا۔

"هٰذَا شِعْرٌ تِهَامِيٌّ اِذَا اَنْجَدَ وُجِدَ الْبَرْدُ"

یعنی ـــــ یہ شعر تہامہ کی سرزمین سے نکلا ہے اور اگر بہت اچھا بھی ہو تو بھی اس میں خنکی پائی جاتی ہے یعنی جذبات سے عاری ہوتا ہے۔

لیکن جب عمر بن ابی ربیعہ نے "ر" کی ردیف والا اپنا مشہور قصیدہ کہا تو اس پر جریر نے یہ تبصرہ کیا:

"مَازَالَ هٰذَا الْقُرَيْشِيُّ يَهْذِي حَتّٰى قَالَ الشِّعْرَ"

یعنی ـــــ یہ قریشی ایک عرصہ تک تو محض بکواس ہی کرتا رہا ہے اور اب اس نے شعر کہنے شروع کئے ہیں۔

اور فرزوق نے جب عمر بن ابی ربیعہ کے اشعار کی تشبیب کا کچھ حصہ سنا تو کہا

هٰذَا الَّذِیْ کَانَتِ الشُّعَرَاءُ تَطْلُبُهٗ فَاَخْطَاتَهُ وَ وَقَعَ هٰذَا عَلَيْهِ"

یعنی ـــــ اس چیز کو شعراء تلاش کرتے پھرتے تھے مگر انہیں یہ ہاتھ نہ آرہی تھی لیکن اس نوجوان نے اسے پالیا ہے۔

اسی طرح ـــــ جب مشہور شاعر حماد راویہ سے عمر کے اشعار کے متعلق دریافت کیا گیا تو اُس نے جواب دیا

"ذَاكَ الْفُسْتَقُ الْمُقَشّٰى"

یعنی یہ تو چھلی ہوئی مونگ پھلی ہے۔

شہرت کی ایک شرط

عمر بن ابی ربیعہ کے زمانہ میں شاعر اُس وقت تک مشہور نہ ہوتا تھا جب تک کہ وہ کسی کی مدح یا ہجو نہ کرلیتا۔ پس شاعر کسی قبیلہ کی ہجو کرتا تو کسی کی مدح اور اُس کی ہجو و مدح کے اعتبار سے اس کا مقام و مرتبہ متعین کیا جاتا۔ جو شعراء اس لحاظ سے بلند پایہ متصور ہوتے ان کو "اصحاب الطبقات" کہا جاتا تھا۔ عمر بن ابی ربیعہ کا شمار اگرچہ "اصحاب الطبقات" میں نہ ہوسکا تاہم غزل گوئی کے میدان میں اس کی شہرت چار دانگ عرب میں پھیل گئی جس سے اس کے بہت سے حاسد پیدا ہوگئے اور بڑے بڑے شعراء فرزدق و جریر نے اس کے شاعر ہونے کا اعتراف کرلیا اور عمر بن ابی ربیعہ نے غزل گوئی کو ایک مستقل فن کے طور پر لوگوں سے تسلیم کروالیا۔

عمر بن ابی ربیعہ بڑا عاشق مزاج شاعر تھا اور ایام حج میں جب کہ عورتیں پردہ نہیں کر سکتیں۔ وہ خوبصورت عورتوں کو دیکھ کر اُن کے متعلق عشقیہ اشعار کہا کرتا۔ اگر وہ قریش میں سے بالخصوص بنی مخزوم کا فرد نہ ہوتا۔ تو اُسے اس کی اس حرکت کا بہت بڑا خمیازہ بھگتنا پڑتا لیکن اُس کے اِس خاندانی مرتبہ کے باعث کوئی اُسے کچھ نہ کہتا۔ روایات میں آتا ہے کہ ایک حج کے موقعہ پر عمر بن ابی ربیعہ نے عائشہ بنت طلحہ (جو اپنے زمانہ کی بے حد حسین و جمیل خاتون تھیں) کو طواف کرتے دیکھ لیا اور دل و جان سے فریفتہ ہو گیا۔ عائشہ نے بھی اُس کی اِس نظر کو بھانپ لیا اور اُسے اپنی ایک لونڈی کے ذریعہ پیغام بھجوایا:

"قُوْلِی لَہٗ اِتَّقِ اللّٰہَ وَ لَا تَقُلْ ھَجْرًا فَاِنَّ ھٰذَا مُقَامٌ لَا بُدَّ فِیْہِ مِمَّا رَاَیْتَ"

یعنی ـــــ اُسے کہو کہ وہ خدا سے ڈرے اور کوئی بکواس نہ کرے کیونکہ اس مقام پر پردہ نہیں ہو سکتا ہے۔

عمر بن ابی ربیعہ نے اُسی لونڈی کے ذریعہ کہلا بھیجا

"قُوْلِی لَھَا اِبْنُ عِمِّكِ لَا یَقُوْلُ اِلَّا خَیْرًا"

یعنی ـــــ اُسے کہو کہ تمہارا چچیرا بھائی تمہارے متعلق کوئی بُری بات نہیں کہے گا۔

اور پھر یہ شعر کہا ؎

بِعَائِشَۃَ ابْنَۃَ التَّیْمِیِّ عِنْدِیْ
حَمیً فِی الْقَلْبِ لَا یُرْعَی حَمَاھَا

یعنی عائشہ تیمیہ کے لئے میرے دل میں ایک ایسی چراگاہ ہے۔ جہاں کسی اور کو چرنے کی اجازت نہیں ہے۔

اغانی کے مصنف نے اموی خلیفہ عبدالملک کی بیٹی فاطمہ کے ساتھ بھی عمر بن ابی ربیعہ کے قصہ کا ذکر کیا ہے کہ جب وہ حج کرنے گئی تو گورنر حجاج نے عمر کو خط لکھا کہ

خبردار! اگر تم نے خلیفہ کی بیٹی کے متعلق کوئی شعر کہے تو تمہیں سخت سزا دی جائے گی۔

لیکن عمر بن ابی ربیعہ نے مختلف خوبصورت عورتوں کے متعلق جو شعر کہے تھے اور اُن کی وجہ سے اُن عورتوں کو جو شہرت حاصل ہوئی تھی اس کے باعث اس کے شعر بعض عورتوں کے لئے ایک نشان مرتبہ (Status Symbol) کی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔ چنانچہ کئی عورتوں کے

دل میں یہ خواہش ہوتی تھی کہ اے کاش عمران کے متعلق بھی کچھ شعر کہے اور فاطمہ بنت عبدالملک کا بھی یہی حال تھا جس کا اظہار اُس نے یوں کیا کہ جب وہ حج کر کے واپس جانے لگی تو ایک آدمی اُس کے پاس سے گزرا۔ اُس نے اُس سے پوچھا ــــ "تم کون ہو؟"

اُس نے کہا کہ "مَیں اہل مکّہ میں سے ہوں"

اس پرفاطمہ نے کہا

"عَلَیْكَ وَ عَلٰی اَھْلِ بَلَدِكَ لَعَنَةُ اللّٰهِ" ــــ یعنی تجھ پر اور تیرے اہل شہر پر خدا کی لعنت ہو۔

اُس نے کہا ــــ "کیوں؟"

فاطمہ نے جواب دیا ــــ "دیکھو مَیں حج کرنے آئی تھی اور میرے ساتھ ایسی خوبصورت لونڈیاں تھیں کہ جن اَیسی کسی نے کبھی نہ دیکھی ہوں گی لیکن اس کے باوجود فاسق عمر بن ابی ربیعہ نے ہمیں اپنے اشعار کا کوئی ایسا تحفہ نہیں دیا جس سے ہم رستہ میں لطف اندوز ہوتی جاتیں۔"

اِس پر اُس آدمی نے کہا ــــ "آپ کو علم نہیں ہے مگر مَیں آپ کو بتلاتا ہوں کہ اُس نے آپ کے متعلق کچھ اشعار ضرور کہے ہوں گے لیکن حجاج کے ڈر سے ان اشعار کو شہرت نہ دی ہو گی۔"

فاطمہ نے کہا ــــ "اگر اُس نے کہے ہیں تو لا کر مجھے سناؤ اور مَیں تمہیں ہر شعر کے عوض دس دینار دوں گی۔"

وہ شخص عمر بن ابی ربیعہ کے پاس آیا اور اُسے سارا قصہ سنایا۔ جس پر عمر نے کہا کہ تم نے ٹھیک کہا ہے اور اب بھی تم اس بات کو مخفی رکھنا اور پھر اُسے اپنے وہ شعر سنائے جو اُس نے فاطمہ کے متعلق کہے تھے اور جن کا مطلع تھا۔

رَاعَ الفُوادَ تَفرُّقُ الْاَحْبَابِ
یَوْمَ الرَّحِیْلِ فَھَاجَ لِیْ اَطْرَابِی

یعنی ــــ کوچ کے دن احباب کی جدائی نے میرے دل کو خوف زدہ کر دیا اور میری خوشیوں کو ایک طوفانی کیفیت سے دوچار کر دیا۔

عمر کی متاہل زندگی

اغانی کا مصنف لکھتا ہے کہ عمر بن ابی ربیعہ نے کئی شادیاں کیں اور ہر شادی کے ساتھ کوئی نہ کوئی عجیب واقعہ ہوتا رہا جن کا ذکر اغانی میں درج ہے لیکن مصنف کہتا ہے کہ عمر بن ابی ربیعہ کی

متاہل زندگی اُس کے عشق و معاشقہ میں حارج نہ ہو سکی اور جب بھی اور جہاں بھی اُسے موقعہ ملتا وہ جلوت و خلوت میں حسین و جمیل عورتوں کی صحبت و رفاقت کا حظ اٹھایا کرتا۔ یہا تک کہ جب وہ پورے ۴۰ سال کا ہو گیا ـــــ تو راویوں کے قول کے مطابق اُس نے توبہ کرلی اور قسم کھائی کہ ـــــ اب جب بھی وہ شعر کہے گا تو اس کے عوض ایک غلام آزاد کرے گا ـــــ واللہ اعلم ـــــ اُس نے اِس پر عمل کیا یا نہیں۔ بہرحال عمر بن ابی ربیعہ ایک بہت بڑا غزل گو اور قریش کا پہلا مسلمہ شاعر تھا اور اُس نے ولید بن عبدالملک کی خلافت کے زمانہ میں وفات پائی۔

یعنی ـــــ کوچ کے دن احباب کی جدائی نے میرے دل کو خوف زدہ کر دیا اور
میری خوشیوں کو ایک طوفانی کیفیت سے دوچار کر دیا۔

عمر کی متاہل زندگی

اغانی کا مصنف لکھتا ہے کہ عمر بن ابی ربیعہ نے کئی شادیاں کیں اور ہر شادی کے ساتھ کوئی نہ کوئی عجیب واقعہ ہوتا رہا جن کا ذکر اغانی میں درج ہے لیکن مصنف کہتا ہے کہ عمر بن ابی ربیعہ کی متاہل زندگی اُس کے عشق و معاشقہ میں حارج نہ ہو سکی اور جب بھی اور جہاں بھی اُسے موقعہ ملتا وہ جلوت و خلوت میں حسین و جمیل عورتوں کی صحبت و رفاقت کا حظ اٹھایا کرتا۔ یہاں تک کہ جب وہ پورے ۴۰ سال کا ہو گیا ـــــ تو راویوں کے قول کے مطابق اُس نے توبہ کرلی اور قسم کھائی کہ ـــــ اب جب بھی وہ شعر کہے گا تو اس کے عوض ایک غلام آزاد کرے گا ـــــ واللہ اعلم ـــــ اُس نے اِس پر عمل کیا یا نہیں۔ بہرحال عمر بن ابی ربیعہ ایک بہت بڑا غزل گو اور قریش کا پہلا مسلمہ شاعر تھا اور اُس نے ولید بن عبدالملک کی خلافت کے زمانہ میں وفات پائی۔

احمد شوقی

عصر حاضر کا ممتاز مصری شاعر

عصر حاضر کا ممتاز مصری شاعر "احمد شوقی" (۱۸۳۲-۱۸۶۸) جسے امیرالشعراء کا لقب بھی دیا گیا۔ مصر میں اُس وقت پیدا ہوا جبکہ مصر عثمانی سلطنت کے زیر نگیں تھا اور ترکی کی طرف سے اسماعیل خدیو اس کا گورنر تھا۔ احمد شوقی حسب و نسب کے اعتبار سے عجمی یعنی غیر عرب تھا کیونکہ اُس کا باپ علی بک کردی الاصل تھا اور اُس کی ماں ترکی الاصل تھی جبکہ اُس کی دادی چیکوسلواکین اور نانی یونانی تھی۔ شوقی کے زمانہ میں مصر عربی اور ترکی دونوں ثقافتوں کا سنگم تھا۔

البتہ زبان خالص عربی تھی۔

شوقی کی نانی چونکہ گورنر کے محل میں محل کی خادمۂ خاص تھی اس لئے شوقی کی تعلیم و تربیت محل ہی میں ہوئی اور اُس نے نہایت عمدہ تعلیم پائی۔ جب ثانوی تعلیم سے فارغ ہوا تو ۱۸۸۷ء میں توفیق خدیو نے اُسے قانون اور ادب کی اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے فرانس بھجوا دیا جہاں اُس نے پیرس یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ وہیں اُسے شعر کی طرف میلان ہوا۔ ۱۸۹۱ء میں جب شوقی فارغ التحصیل ہو کر واپس مصر لوٹا تو عباس خدیو ثانی اپنے باپ کی وفات کے بعد مصر کا گورنر بن چکا تھا۔ اُس نے احمد شوقی کی سرپرستی قبول کر لی اور ۱۸۹۴ء میں جبکہ شوقی کی عمر ابھی صرف ۲۶ سال تھی۔ اُس نے اُسے جنیوا (سوئٹزرلینڈ) میں منعقد ہونے والی مستشرقین کی کانفرنس میں مصر کا نمائندہ بنا کر بھیج دیا۔ اس کانفرنس میں شوقی نے اپنا ایک طویل قصیدہ بعنوان ——"کِبَارَ الْحَوادِثِ فِی وَادِی النِّیْلِ" پڑھ کر سنایا۔ اس قصیدہ میں شوقی نے مصریوں کے قدیم مذاہب، اسلام، یہودیت اور مسیحیت کی تاریخ کو مختصراً بیان کیا ہے۔ شوقی کے یہ اشعار اُس زمانہ کے بہترین اشعار شمار ہوتے ہیں اور انہی سے اُس کی شہرت کا زمانہ شروع ہوتا ہے لیکن چونکہ شوقی گورنری محل کے ساتھ وابستہ تھا اس لئے اُسے "شاہی شاعر" تو سمجھا جاتا تھا مگر ابھی "قومی شاعر" کے طور پر مشہور نہ ہوا تھا۔ بہرحال شوقی اپنی اِسی حالت پر بھی خوش اور نازاں تھا اور وہ خود کہتا تھا ؎

شَاعِرُ الْعَزِیْزِ وَ مَا
بِالْقَلِیْلِ ذَا اللَّقَب

یعنی میرے لئے عزیز مصر کا شاعر ہونا کچھ کم فخر نہیں ہے۔

مدحیہ شاعری

شوقی نے ۲۵ سال کی عمر میں ایک مالدار مصری عورت سے شادی کر لی جس کے نتیجہ میں اُس کا شمار مصر کے بڑے بڑے مالداروں میں ہونے لگا اور اُس عورت کے بطن سے شوقی کے ہاں دو لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئے۔

جیسا کہ اُوپر بیان ہو چکا ہے شوقی ان دنوں شاہی درباری شاعر ہی شمار ہوتا تھا اور مصری قوم نے اُسے بہ حیثیت قومی شاعر کے ابھی تسلیم نہ کیا تھا کیونکہ وہ عموماً عباس خدیو کی مدح و توصیف ہی میں لگا رہتا تھا۔ اُس کا یہ شعر اسی حقیقت کا غماز ہے ؎

وَ قِیْلَ اَیْنَ رَبُّ النِّیْلِ فَافْتَرَّتِ الْقُرٰی
وَ نَاجَی الثَّرٰی نَعْلَیْكَ یَسْتَوْھِبُ الْخَصَبا

یعنی ـــــ جب پوچھا جائے کہ نیل کا رب کون ہے تو (تجھے دیکھ کر) بستیاں
چمک اٹھتی ہیں اور مٹی تیرے قدموں سے زرخیزی اور شادابی کا عطیہ مانگتی
ہے۔

بہرحال شوقی چونکہ مصر میں عباس کا خاص مقرب اور درباری شاعر تھا اس لئے جب یہ ترکی جاتا تو وہاں بھی خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالحمید کا مہمان شاہی ہوتا اور اُس کی بھی وہاں اُسی طرح تعریف و توصیف کرتا جیسی کہ یہ مصر میں عباس خدیو کی کرتا۔ چنانچہ اپنی ایک نظم میں سلطان عبدالحمید کو عدل و انصاف میں حضرت عمرؓ سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتا ہے ؎

عُمَرُ اَنْتَ بَیْدَ اِنَّكَ ظِلٌّ لِلْبَرا یَا وَ عِصْمَةٌ وَسَلَام
مَا تَتَوَّجْتَ بِالْخَلِافَةِ حَتّٰی تُوِّجَ الْبَائسُوْنَ وَالْاَیْتَام

یعنی ـــــ مخلوق خدا کے لئے تُو حضرت عمرؓ کا ظل ہے اور امن و سلامتی
تیرے دم سے قائم ہے۔ تیرا تاجِ خلافت دراصل فقیروں اور یتیموں کا تاج
ہے۔

قومی شاعری

ایک عرصہ تک شوقی کی یہی حالت رہی۔ وہ قومی شاعر نہ بن سکا اور مدحیہ شاعری ہی کرتا رہا۔ جب جنگ عظیم اوّل میں ترکی جرمنی کا حلیف بن گیا اور انگریزوں نے فوراً مصر پر قبضہ کر کے عباس خدیو کو بھاگنے پر مجبور کر دیا اور وہ ترکی چلا گیا جس کے بعد انگریزوں نے اپنے پٹھو حسین کامل کو تخت مصر پر بٹھا دیا تو شوقی نے حسین کامل اور انگریز دونوں کی تعریف اپنے اشعار میں کی لیکن اس کے باوجود انگریزوں نے شوقی کو جلاوطن کر دیا اور یہ سپین میں پناہ گزین ہوا اور جنگ کا سارا عرصہ اُس نے وہیں گزارا۔ جنگ کے بعد یہ ۱۹۱۹ء میں مصر واپس آیا تو سارا قدیم نظام اُلٹ چکا تھا۔ اس لئے اُس نے اپنی عافیت محل سے دور رہنے ہی میں سمجھی اور ایسے اشعار کہنے شروع کئے جن میں ملی درد تھا۔ جس کے باعث قومی شاعر سمجھا جانے لگا۔ کیونکہ اب اُس نے انگریزی استعمار پر بھی حملے شروع کر دیئے تھے اور حریت وطن کے دفاع اور اپنے اشعار کو اصلاح احوال کا وسیلہ بنا لیا تھا۔ انہی ایام میں اُس کے بہترین اشعار معرضِ وجود میں آئے جن میں اُس کا وہ قصیدہ بھی ہے جس میں اُس نے لارڈ کرومر کی معطلی کے وقت اُس کے ظلم و تشدد کا پرچہ چاک کرتے ہوئے کہا ہے ؎

اَیَّامُکُمْ اَمْ عَھْدُ اِسْمَاعِیْلَا
اَمْ اَنْتَ فِرْعُوْنُ یَسُوْسُ النِّیْلَا

أَمْ حَاكِمٌ فِي أَرْضِ مِصْرَ بِأَمْرِهِ
لَا سَائِلاً أَبَداً وَ لَا مَسْئُولَا
لَمَّا رَحَلْتَ عَنِ الْبِلَادِ تَشَهَّدَتْ
فَكَأَنَّكَ الدَّاءُ الْعَيَاءُ رَحِيْلاً
أَحَسِبْتَ أَنَّ اللّٰهَ دُوْنَكَ قُدْرَةً
لَا يَمْلِكَ التَّغْيِيْرَ وَالتَّبْدِيْلَا

یعنی ـــــ ہم تمہاری حکومت کو یاد کریں یا اسماعیل خدیو کو۔ کیا تُو فرعون ہے جو نیل پر حکمرانی کر رہا تھا یا تُو اللہ کے حکم سے ایسا حاکم مصر تھا جو کسی کے سامنے جوابدہ نہ تھا۔ جب تُو مصر سے دفع ہوا تو تیرے کوچ سے یہ پتہ چلا کہ اس ملک کی لاعلاج بیماری تو دراصل تُو ہی تھا۔ (اے کرومر) کیا تجھے یہ وہم ہو گیا تھا کہ خدا تعالیٰ تجھ سے قدرت و طاقت میں کم ہے اور وہ کسی تغیر و تبدل پر قادر نہیں؟

انگریزوں کی چوری

یہ وہ زمانہ تھا جب شوقی نے مصری قوم کا دفاع شروع کیا اور قصر عابدین (شاہِ مصر کا محل) کی سیاست کی نمائندگی سے علیٰحدہ ہو گیا اور قوم کی اصلاح احوال میں کوشاں ہو گیا۔ جس کا صلہ اُسے اپنی زندگی میں ہی اس طرح مل گیا کہ وہ امیرالشعراء کے لقب سے ملقب ہوا۔ چنانچہ جب ۱۹۲۲ء میں انگریزوں نے مصر میں ایک محکمہ آثارِ قدیمہ کے نام سے قائم کر کے پرانے مصری بادشاہوں کے مقبروں کو کھود کر وہاں سے حاصل شدہ قیمتی مال و متاع اپنے وطن انگلستان پہنچانا شروع کر دیا۔ تو شوقی نے اپنا مشہور قصیدہ "تُوتْ عَنْخ اَمُون" نامی شائع کیا جس میں بڑی دلیری سے انگریزوں پر چوری کا الزام لگایا۔ چنانچہ شوقی کہتا ہے ؎

أَمَنَ سَرَقَ الْخَلِيْفَةَ وَ هُوَ حَيٌّ
يَعِفُّ عَنِ الْمُلُوْكِ مُكَفَّنِيْنَا

یعنی ـــــ وہ قوم جس نے زندہ خلیفہ کو چوری کر لیا تھا کیا وہ کفنون و مدفون بادشاہوں کی چوری سے عار محسوس کرے گی۔

اس شعر میں شوقی نے اُس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب مصطفیٰ کمال نے ترکی میں خلافت کو ختم کر دیا اور انگریز سلطان وحید الدین کو اس کے محل (واقعہ استنبول) سے بھگا کر مالٹا لے

گئے اور وہاں اس خیال سے اُسے ٹھہرائے رکھا کہ شاید وہ اس سے کوئی سیاسی فائدہ اُٹھا سکیں۔ پھر اسی قصیدہ میں شوقی مصری قوم کو شجاعت و بسالت پر اُبھارتے ہوئے کہتا ہے (اور شوقی کا یہ شعر یقیناً سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے) کہ ؎

شَبَابٌ قُنَّعٌ لَا خَيْرَ فِيْهِمْ
وَ بُورِكَ فِي الشَّبَابِ الطَّامِحِيْنَا

یعنی ایسے نوجوانوں میں کوئی خیر و برکت نہیں ہے جو صورتِ حال پر قانع رہتے ہیں.... ساری برکت اُن نوجوانوں میں ہے جو عالی ہمت اور بلند عزم و ارادہ کے مالک ہوتے ہیں۔

جب مصر میں ملانوں نے "دینِ ملانی سبیل اللہ فساد" پر عمل کرتے ہوئے مصری قوم کو مختلف فرقوں میں تقسیم کر رکھا تھا اور انگریز اس انتشار سے فائدہ اُٹھا رہے تھے۔ شوقی نے ملانوں کو اُن کی اس قومی غداری پر بہت لعن طعن کی اور ۱۹۲۴ء میں اپنا "خِلَافُ الْاَحْزَابِ" نامی قصیدہ شائع کیا۔ جس کے چند اشعار یہ ہیں ؎

اِلَامَ الْخُلْفُ بَيْنَكُمُوا اِلَامَا
وَ هٰذِي الضَّجَّةُ الْكُبْرىٰ عَلَامَا
وَ فِيْمَ يَكِيْدُ بَعْضُكُمُوا لِبَعْضٍ
وَ تُبْدُوْنَ الْعَدَاوَةَ وَالْخِصَامَا
تَبَاغَيْتُمْ كَاَنَّكُمُوا خَلَايَا
مِنَ السَّرْطَانِ لَا تَجِدُ انْضِمَامَا

یعنی ـــــ تمہارا یہ باہمی اختلاف کس وجہ سے ہے اور اس شور و شغب کا باعث کیا ہے۔ تمہاری یہ باہمی مکاری کیوں ہے اور کس لئے تم دشمنی و عداوت ظاہر کر رہے ہو۔ تمہاری سرکشی سرطان کے اُس پھوڑے کی مانند ہے جو مندمل ہونے کا نام نہیں لیتا۔

اہم قومی کردار

القصہ شوقی نے بہ حیثیت ایک بلند پایہ شاعر کے مصر کی سیاسی اور اجتماعی زندگی میں ایک اہم کردار ادا کیا اور مصریوں نے اُسے شاعرِ مشرق، شاعرِ اسلام اور مصر کے امیرالشعراء کے خطابوں سے نوازا اور بے شک اپنے خیالات کی زرخیزی قوتِ بیان اور صحت تعبیر کے لحاظ سے شوقی ان تمام

خطابوں کا جائز مستحق ہے۔

امرؤالقیس الکندی

اقلیم شعر کا عاشق مزاج بادشاہ

امرؤالقیس الکندی زمانۂ جاہلیت کا ممتاز ترین شاعر ہے۔ اُس کا اصلی نام حندج اور کنیت ابوالحارث تھی۔ لیکن عربی ادب کی تاریخ میں امرؤالقیس کے نام سے مشہور ہے۔ لقب "المَلِکُ الضِّلِّیل" (آوارہ بادشاہ) تھا۔ جس کی دو وجوہات بیان کی جاتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ اپنے باپ کا انتقام لینے کے لئے چونکہ مختلف قبائل سے مدد لینے کی خاطر جگہ جگہ گھومتا رہا۔ اس لئے اِسے "آوارہ بادشاہ" کا لقب مل گیا اور دوسرے یہ کہ یہ چونکہ اپنے اشعار میں تمام اخلاقی حدود و قیود کو پھاند کر بے حد فحش گوئی تک جا پہنچتا تھا اس لئے بھی اُسے یہ لقب دیا گیا۔ "ضِلِّیل" کا لفظ عربی زبان میں ان (ہردو) معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

عنیزہ سے عشق

امرؤالقیس چھٹی صدی عیسوی کا عرب شاعر تھا اور اس کا تعلق قبیلۂ کندہ سے تھا۔ جو یمن سے ہجرت کر کے نجد آ کر آباد ہو گیا تھا۔ جہاں اس کے مورث اعلیٰ عمرو نے اپنی ایک سلطنت قائم کر کے قبیلہ بنی اسد کی عنانِ حکومت سنبھال لی تھی۔ عمرو کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا اور امرؤالقیس کا باپ حجر بادشاہ بنا۔ امرؤالقیس اب جوان تھا لیکن یہ اپنا زیادہ وقت شعر و شاعری اور عشق و معاشقہ میں گزارتا تھا۔ روایات میں آتا ہے کہ یہ اپنے چچا کی بیٹی عنیزہ پر عاشق تھا لیکن اُس سے ملاقات کا کوئی موقعہ اُسے میسر نہ آتا تھا۔ بالآخر جب ایک دن ان کا قبیلہ نقل مکانی کے لئے تیار ہوا۔ تو یہ عمداً پیچھے رہ گیا اور جب عورتوں نے کوچ شروع کیا تو یہ تیزی سے ایک حوض پر جو "دارۂ جلجل" کے نام سے مشہور تھا۔ اُن سے پہلے پہنچ کر چھپ گیا اور اُن کا انتظار کرنے لگا کیونکہ اُن عورتوں میں اُس کی محبوبہ عنیزہ بھی تھی۔ جب یہ عورتیں اُس حوض پر پہنچیں تو بوجہ گرمی انہوں نے نہانے کا پروگرام بنایا اور کپڑے اتار کر حوض میں داخل ہو کر نہانے لگیں۔ اس اثناء میں امرؤالقیس بھی اپنی کمین گاہ سے باہر آ گیا اور اُن سب کے کپڑے اکٹھے کر کے اُن کے اُوپر بیٹھ گیا اور اُن سب کو سنا کر قسم کھائی کہ جب تک اُن میں سے ہر ایک برہنہ ہو کر اُس کے سامنے نہ آئے گی وہ کسی کے کپڑے واپس نہیں دے گا۔

ان بیچاریوں نے اُس کی بہت منت سماجت کی لیکن اُس نے اُن کی ایک نہ مانی اور مجبوراً وہ سب باری باری اُس کے سامنے برہنہ آکر اپنے کپڑے لیتی گئیں۔ حتیٰ کہ عنیزہ کو بھی اُس سے برہنہ آکر اپنے کپڑے وصول کرنے پڑے۔ اس سارے تنازعہ میں دن کا بیشتر حصہ گزر چکا تھا۔ لڑکیوں کو بھوک نے بہت ستا رکھا تھا۔ اِس لئے اُن سب نے مل کر اُسے بہت لعن طعن کی جس پر اُس نے اُن لڑکیوں کی خاطر اپنی اُونٹنی ذبح کی اور لڑکیوں نے اردگرد سے ایندھن جمع کیا اور گوشت بھون بھون کر خوب سیر ہو کر کھایا۔ کھانے سے فراغت کے بعد امرؤالقیس کا سامان بمعہ اُس کے کجاوے کے سب لڑکیوں نے اپنی اپنی سواریوں پر بقدر حصہ رکھ لیا اور یہ اکیلا باقی رہ گیا تو اُس نے عنیزہ کو کہا کہ تم مجھے اپنے ہودج کے اگلے حصہ پر باہر کی طرف بٹھالو۔ اُس نے پہلے تو انکار کیا لیکن جب اُس کی باقی سہیلیوں نے بھی اُسے مجبور کیا تو اُس کے لئے کوئی چارہ باقی نہ رہا۔

اس سارے واقعہ کا نقشہ امرؤالقیس نے اپنے قصیدہ میں اس خوبی و صفائی سے کھینچا ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آنکھوں کے سامنے کوئی فلم چل رہی ہو۔ وہ کہتا ہے ؎

اَلَا رُبَّ یَوْمٍ لَکَ مِنْھُنَّ صَالِحٍ
وَ لَا سِیَّمَا یَوْمًا بِدَارَۃِ جُلْجُلِ

وَ یَوْمَ عَقَرْتُ لِلْعَذَارٰی مَطِیَّتِی
فَیَا عَجَباً مِنْ کُورِھَا الْمُتَحَمَّلِ

فَظَلَّ الْعَذَارٰی یَرْتَمِیْنَ بِلَحْمِھَا
وَشَحْمٍ کَھُدَّابِ الدِّمَقْسِ الْمُفَتَّلِ

وَ یَوْمَ دَخَلْتُ الْخِدْرَ خِدْرَ عُنَیْزَۃٍ
فَقَالَتْ لَکَ الْوَیْلَاتُ اِنَّکَ مُرْجِلِی

یعنی ــــ میرے کتنے ہی خوشگوار دن ہیں اور بالخصوص وہ دن جو "دارۂ جلجل" میں بسر ہوا۔ وہ دن جس میں مَیں نے ناکتخدا لڑکیوں کے لئے اپنی اُونٹنی ذبح کر دی تھی اور پھر حیرت کے ساتھ اُس پالان کو دیکھتا تھا جس کو اُٹھانے کے لئے اُن لڑکیوں نے اُسے آپس میں بانٹ لیا تھا۔ اُس اُونٹنی کو ذبح ہونے کے بعد وہ کنواری لڑکیاں اُس کے گوشت اور چربی کو جو سفید بٹے ہوئے ریشم کی طرح تھی۔ بھون بھون کر ایک دوسری کی طرف پھینک رہی تھیں اور سارے ڈرامہ کا نقطۂ عروج وہ تھا جب میری محبوبہ عنیزہ کو مجھے اپنے اونٹ پر اپنے ساتھ سوار کرنا پڑا اور جب وہ میری حرکات پر مجھے تنبیہ

کرتے ہوئے کہتی جاتی تھی کہ اگر تم باز نہیں آؤ گے تو مَیں نیچے اُتر کر پیدل چلنا شروع کر دوں گی۔

سیلانی و آوارہ

اس قسم کی آوارہ حرکات پر امرؤالقیس کے والد نے اُسے بار بار تنبیہ کی اور جب یہ کسی طرح باز نہ آیا تو مجبوراً اُسے اپنے گھر سے نکال دیا جس کے بعد یہ ایک سیلانی شخص بن گیا اور اُس نے اپنی قماش کے آدمیوں کے ساتھ مل کر مختلف قبائل عرب میں گھومنا شروع کر دیا۔ اِسی اثناء میں بنی اسد نے بغاوت کر کے اُس کے باپ کو قتل کر دیا جس دِن اس کو اپنے باپ کے قتل کی خبر ملی اُس روز یہ اپنے ہمجولیوں کے ساتھ بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ یہ خبر سن کر اُس نے صرف یہ کہا —— "ضَیَّعَنِی صَغِیْراً وَ حَمَلَنِی دَمَہٗ کَبِیْراً لاصَحْوَ الْیَوْمَ وَ لَاسَکْرَ غَداً اَلْیَوْمَ خَمْرٌ وَ غداً اَمْرٌ —— یعنی میرے والد نے میری نو عمری میں مجھے گھر سے دھتکار کر ضائع کر دیا لیکن اب اپنے قتل سے مجھ پر ایک بھاری ذمہ داری ڈال دی ہے۔ آج تو مجھے کوئی ہوش نہیں لیکن کل سے شراب بند۔ آج مَیں خوب سیر ہو کر پیئوں گا اور کل فیصلہ کن بات ہو گی۔

روایات میں آتا ہے کہ اُس نے قسم کھائی کہ جب تک وہ اپنے باپ کا بدلہ نہیں لے لیتا وہ نہ گوشت ہی کھائے گا اور نہ ہی شراب پیئے گا۔ چنانچہ اُس کے بعد اُس نے مختلف قبائل کے پاس جا کر بنو اسد کے خلاف مدد مانگنی شروع کر دی اور اس کے "المَلِكُ الضِلِّیل" کہلانے کی ایک وجہ یہی ہے کہ اُس نے اپنی مقصد براری کے لئے آوارہ آدمیوں کی طرح گھومنا شروع کر دیا۔ بہر حال اُس کے دشمن بھی غافل نہ تھے اور اُنہوں نے بھی اُس کا تعاقب شروع کر دیا جس پر اس نے تیماء کے والی سموئل بن عادیا کے پاس پناہ لی اور اُس سے درخواست کی کہ وہ اُسے ملک شام کے غسانی حاکم کے نام چٹھی دے تاکہ وہ اُسے قیصر جسٹینین (JUSTINIAN) کے پاس پہنچا دے۔ چنانچہ اس طریق سے جب یہ قیصر کے دربار میں پہنچا تو اُس سے اپنے مقصد کے لئے مدد طلب کی جس نے اُسے پہلے تو ایک لشکر اس لئے دیا کہ تا بعد ازاں وہ اس سے اپنے حریف ایرانیوں کے خلاف مدد لے لیکن ابھی یہ لشکر لے کر روانہ بھی نہ ہوا تھا کہ قیصر کی نیت بدل گئی جس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اُس نے اپنے قیام کے دوران قیصر کی بیٹی سے معاشقہ شروع کر دیا تھا جس کا علم جونہی قیصر کو ہوا۔ اس نے اُسے ناکام واپس ہونے پر مجبور کر دیا اور کہا جاتا ہے کہ قیصر نے اُسے بوقت واپسی ایک زہریلی خلعت دی جس کے باعث اُس کے جسم پر پھوڑے نکل پڑے اور ان کے باعث ہی رستہ میں اُس کی وفات ہو گئی اور وہ ترکی کے شہر انقرہ میں دفن ہوا۔ ان پھوڑوں کے

باعث امرؤ القیس کا ایک لقب "ذُو القُرُوحْ" یعنی پھوڑوں والا بھی مشہور ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ قیصر نے اُس کی موت کے بعد اُس کا ایک مجسمہ بنوا کر اس کی قبر پر لگا دیا تھا جو خلیفہ مامون الرشید کے زمانہ تک موجود تھا۔

امرؤ القیس اپنی اس مہم میں ناکامی کا اپنے ایک شعر میں اس طرح تذکرہ کرتا ہے ؎

وَ قَدْ طَوَّفْتُ فِی الْاَفَاقِ حَتّٰی
رَجَعْتُ مِنَ الْغَنِیْمَةِ بِالْاَیَابِ

یعنی ـــــ مَیں دنیا کے اطراف و جوانب میں خوب گھوما پھرا ہوں لیکن بالآخر لوٹنے ہی کو غنیمت سمجھا ہے۔

فن قصیدہ کا بانی

کہا جاتا ہے کہ امرؤ القیس وہ پہلا شخص ہے جس نے عربی شاعری میں فن قصیدہ کی باقاعدہ بنیاد رکھی۔ اگرچہ محققین کو اس سے اختلاف ہے اور شاید اس وجہ سے کتاب "سبع معلقات" میں اس کے قصیدہ کو اوّلیت حاصل ہے اور یہ امر تقریباً مسلم ہے کہ اُس نے اپنے کلام سے عربی شاعری میں ایک نئی جان ڈال دی اور اُس کے اشعار کی تازگی آج بھی قائم ہے۔ اس کا کلام صرف عربی شاعری کی عظمت کا ہی آئینہ دار نہیں بلکہ وہ عربی ذہنیت عربی تاریخ اور عربوں کی تہذیب و تمدن کا بھی حامل ہے۔ اس کے اشعار میں عموماً جن آثار و دیار کا ذکر ہے وہ نجد میں بنو اسد کے ہیں۔ لبید ایسا منجھا ہوا شاعر کہتا ہے کہ "سب سے بڑا شاعر امرؤ القیس ہے"۔

بیسویں صدی کا ممتاز مصری عیسائی ادیب و تاریخ نویس جرجی زیدان (جس نے اسلامی تاریخ ادبی رنگ میں پیش کرنے کے لئے کئی جلدیں بعنوان "سلسلة روايات تاريخ الاسلام" لکھی ہیں) امرؤ القیس کی تعریف میں رطب اللسان ہے اور کہتا ہے کہ امرؤ القیس شاعری کا زبردست ملکہ رکھتا تھا۔ وہ فطری شاعر تھا۔ اُس کا ایک خاص اسلوب تھا جو وسعت معلومات اور کثرت سفر کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔

جرجی زیدان کے برعکس مصر کا نابینا وزیر تعلیم، مصنف و ادیب ڈاکٹر طٰہٰ حسین (جسے فوت ہوئے ابھی تھوڑا عرصہ ہی ہوا ہے) جہاں امرؤ القیس کی تعریف کرتا ہے وہاں وہ اس کی تنقیص کو بھی انتہا تک پہنچاتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ امرؤ القیس کا لقب "الملك الضليل" مارا مارا پھرنے کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اُس کا تعلق "ضَلُّ بنُ قَلٍ" کے عربی محاورہ سے ہے۔ جس کے معنی ہیں "مجہول الاسم اور مجہول الکنہ" لیکن مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی صریح زیادتی ہے

اور اس بات کی آئینہ دار ہے کہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین ادبی تنقید میں بال کی کھال اتارتے وقت اپنی افتاد طبع کے لحاظ سے بعض اوقات حد سے تجاوز کر جاتا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر مذکور کہتا ہے کہ امرؤالقیس کی طرف منسوب بہت سے اشعار دراصل اُس کے نہیں ہیں۔ بلکہ کچھ تو فرزوق کے ہیں اور کچھ عمر بن ابی ربیعہ کے جو پہلا رنگین مزاج، عاشق قریشی شاعر تھا (جس کا تعارف قبل ازیں خاکسار قارئین "لاہور" کو کرا چکا ہے) بایں ہمہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین امرؤالقیس کی عظمت کا قائل ہے اور کہتا ہے کہ امرؤالقیس گھوڑے شکار اور بارش کے تفصیلی حالات بیان کرنے میں ید طولیٰ رکھتا تھا ـــــ راقم الحروف کے خیال میں بھی امرؤالقیس ایک بلند پایہ جاہلی شاعر تھا اور اس کی بیان کردہ تشبیہات نہایت اعلیٰ درجہ کی ہیں۔ چنانچہ اپنے معلقہ میں وہ اپنے گھوڑے کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے ؎

مُكِرٍّ مُفِرٍّ مُقْبِلٍ مُدْبِرٍ مَعًا
كَجُلْمُودِ صَخْرٍ حَطَّهُ السَّيلُ مِنْ عَلِ

یعنی ـــــ میرا گھوڑا معاً حملہ کرنے والا ضرب لگا کر بھاگ جانے والا۔ آگے بڑھنے والا اور صحیح وقت پیچھے ہٹنے والا ہے اور وہ اپنی سرعت میں اس پہاڑی پتھر کی طرح ہے جس کو شدید بارش کے پانی کا ریلہ کسی اونچی جگہ سے لڑھکا دے۔

پھر وہ اپنے گھوڑے کی مزید خوبی بیان کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

لَهُ أَيطَلاَ ظَبْيٍ وَ سَاقَا نَعَامَةٍ
وَإِرْخَاء سَرْحَانٍ وَ تَقْرِيبُ تَتْفُل

یعنی ـــــ اُس کی کمر کے دونوں جانب ہرن کی کمر کے دونوں جانبوں کی طرح دبلے ہیں اور اُس کی دونوں ٹانگیں شتر مرغ کی ٹانگوں کی طرح ہیں اور وہ اپنی دوڑ میں بھیڑیئے کی طرح ہے لیکن اگلے قدموں کے نشانوں پر پچھلے پاؤں رکھنے میں وہ لومبڑ کے بچے کی طرح ہے۔

اپنے گھوڑے کی سبک رفتاری کو بیان کرنے کے لئے اُس نے یہ سب صفات اس ایک شعر میں جمع کر دی ہیں۔

دیگر اوصاف شاعری

امرؤالقیس کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ پہلا شاعر ہے جس نے اپنے اشعار میں ٹیلوں پر کھڑا ہو کر دعوت نظارہ دی ہے اور جس نے اپنے قصیدہ میں عورتوں اور ہرنوں کی باہمی مشابہت کا

ذکر نہایت عمدہ پیرایہ میں کیا ہے۔ عربی ادب کے نقادوں کو امرؤالقیس کے کلام کی فسوں کاری کا نمایاں اعتراف ہے اور اُن کا کہنا ہے کہ اس نے اپنی زندگی کی جوت سے عشاق کے خانہ ہائے حیات کو نئی جلاء وضیاء بخشی جو بالکل عین حقیقت ہے۔

شعراء کا توارد خیالات ایک مشہور و معروف چیز ہے اور بسا اوقات یہ توارد الفاظ میں بھی ہو جاتا ہے لیکن پورے کے پورے شعر کا لفظی و معنوی توارد ایک بالکل نادر، نرالی اور اچنبھی چیز ہے۔ ادبی روایات میں آتا ہے کہ امرؤالقیس کے مشہور معاصر طرفہ بن عبد کا ایک شعر میں امرؤالقیس کے ساتھ باہمی مکمل لفظی و معنوی توارد ہو گیا جو یہ ہے ؎

وَقُوْفًا بِهَا صَحْبِی عَلَّی مَطِیُّهُمْ
یَقُولُونَ لَا تَهْلِكْ اَسیً وَ تِجلَّدِ

یعنی —— وہاں میرے ساتھی اپنی سواریوں کے ساتھ میرے پاس کھڑے تھے اور مجھے نصیحت کر رہے تھے کہ غم سے ہلاک نہ ہو بلکہ صبر و تحمل سے کام لے۔

بظاہر یہ توارد ناقابلِ اعتبار معلوم ہوتا ہے لیکن طرفہ جیسے بلند پایہ شاعر پر چوری کا الزام لگانا ناممکنات میں سے ہے چنانچہ وہ خود کہتا ہے ؎

وَ لَا اُغِیْرُ عَلَی الْاَشْعارِ اَسْرُقُهَا
غَنَیْتُ عَنْهَا وَ شَرُّالناسِ مَنْ سَرَقَا
وَ اِنَّ اَحْسَنَ بَیْتٍ اَنْتَ قَائِلُهَا
بَیْتٌ یُقَالُ اِذَا اَنْشَدْتَهٗ صَدَقَا

یعنی —— مَیں اتنا بے غیرت نہیں ہوں کہ شعروں کی چوری کروں مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ بدترین آدمی وہ ہے جو چوری کرے اور تیرا بہترین شعر وہ ہے کہ جسے جب تو مجلس میں پیش کرے تو لوگ فی الفور کہہ اٹھیں کہ اُس نے بالکل درست کہا ہے۔

امرؤالقیس بڑا بلند ہمت اور پختہ عزم و ارادہ کا مالک تھا اور اس کا ایک دور دراز مسافت طے کر کے قیصر روم کے پاس جانا اس بات کی ایک واضح دلیل ہے۔

چنانچہ وہ خود کہتا ہے ؎

وَلَوْ اَنَّ مَا اَسْعٰی لِاَدْنٰی مَعِیْشَةٍ
کَفَانِی وَ لَمْ اَطْلُبْ قَلِیْلاً مِنَ الْمَالِ

وَ لٰكِنَّنِي اَسْعٰیٰ لِمَجْدٍ مُؤَثَّلٍ
وَ قَدْ يُدْرِكُ الْمَجْدَالْمُؤَثَّلَ امثَالِي

یعنی ــــ اگر مَیں معمولی معیشت پر قانع رہ سکتا تو مجھے ایک ذرّہ بھر مال کی بھی ضرورت نہ ہوتی لیکن میرا مقصود تو موروثی عظمت ہے جس کو میرے جیسا انسان حاصل کر ہی لیا کرتا ہے۔

امرؤالقیس طبعاً اور اعتقاداً بڑا آزاد خیال واقع ہوا تھا۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ جب اُس نے یہ دیکھا کہ قضاء وقدر اُس کے باپ کا انتقام لینے میں اُس کے رستہ میں حائل و حارج ہے تو اُس نے تبالہ کے مقام پر "ذوالخلصہ" نامی بت کے سر پر وہ تینوں تیر دے مارے جن سے عرب عموماً اپنے مقصد کے لئے فال لیا کرتے ہیں۔

ابو نواس

ہارون الرشید کا مزاح گو درباری شاعر

ابو نواس ہارون الرشید کا درباری شاعر اور مصاحب و ندیم تھا اور بذلہ سنجی و ظرافت طبع کے باعث اُسے بہت عزیز تھا کیونکہ غم کے ایام میں وہ اس کی طبیعت کے بار کو ہلکا کرنے میں بہت مدد دیتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ہارون الرشید کو اپنی بیوی زبیدہ سے بے حد محبت تھی اور اس شدت محبت کے باعث اُس نے اُس سے عہد کر رکھا تھا کہ وہ اُس کی زندگی میں کسی اور کو اپنی بیوی نہیں بنائے گا۔

ایک دن کسی نامعلوم امر کے باعث ہارون الرشید کی طبیعت سخت مکدر تھی اور وہ اس پریشانی کے عالم میں اپنے محل میں بیٹھا تھا کہ ابو نواس آ گیا۔ اُس نے جو خلیفہ کو پریشان حالت میں دیکھا تو کہنے لگا۔

"امیرالمومنین! آپ کیوں پریشان ہیں بھلا۔ آپ کو کس چیز کی کمی ہے؟ دنیا و آخرت کی نعماء کا حصول آپ کے لئے ہر طرح ممکن و میسر ہے۔ اُخروی نعماء کے لئے آپ صدقہ و خیرات کر سکتے ہیں۔ حج کر اور کروا سکتے ہیں۔ مساجد و مدارس بنوا سکتے ہیں۔ سڑکیں، پُل اور سرائے تعمیر کروا سکتے ہیں اور جہاں تک دُنیوی نعماء کا تعلق ہے تو اعلیٰ سے اعلیٰ کھانا آپ کو میسر ہے۔ گانے بجانے والی عورتوں کی آپ کے ہاں کوئی کمی نہیں ہے۔ ایک سے ایک زیادہ خوبصورت لونڈی آپ کے محل میں پائی جاتی ہے۔"

اور پھر اپنی چرب زبانی اور فصاحت بیان اور طلاقت زبان سے ابو نواس نے ان لونڈیوں کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا کہ خلیفہ انگشت بدنداں رہ گیا۔ اُس نے کہا

"وَمِنْهُنَّ الطَّوِيْلَةُ الشَّاهِقَةُ وَالْقَصِيْرَةُ اللَّائِقَةُ اَلْبَيْضَاءُ الْفَائِقَةَ وَ مِن اَلْجَوارِى الْمُدْنِيَّاتُ وَالْحِجَازِيَّاتُ وَالْعِرَاقِيَّاتُ وَ قُدُوْدُ هُنَّ الْمُهْرِيَّاتُ وَ اَيْنَ اَنْتَ مِنَ بَنَاتِ الْاَبْكَارِ وَ مَا عِنْدَهُنَّ مِنَ الْحَياءِ وَالْوَقَارِ وَالتَّعطُّرِ وَالدَّلَالِ وَالظَّرْفَةِ وَالْكَمَالِ"

یعنی ـــــ ان میں سے بعض سرو قد اور دبلی کمر والی ہیں اور بعض اگرچہ پستہ قد ہیں لیکن ہیں بڑی کمال والی اور سیمیں بدن۔ پھر وہ مُلک مُلک سے لائی گئی ہیں۔ کوئی حجازی ہے تو کوئی عراقی اور کوئی شہری ہے تو کوئی دیہاتی اور پھر باکرہ عورتوں کے تو کہنے ہی کیا ہیں۔ وہ شرم و حیا کے مجسّمے اور ناز و ادا کی پیکر ہوتی ہیں اور بڑی ظریف الطبع اور کمال کی مالک ہوتی ہیں۔

ابو نواس نے عورتوں کے اوصاف کچھ ایسے انداز اور ڈھب سے گنوائے کہ ہارون الرشید ابو نواس کی فصاحت و بلاغت سے بہت متاثر ہوا اور کہنے لگا کہ

"میرا خیال ہے کہ لوگوں میں اس وقت تیرا اور مدمقابل کوئی نہیں ہے"

ـــــ اور کہا کہ ـــــ "ذرا یہ باتیں پھر دوہراؤ"۔

ابو نواس نے پہلے سے زیادہ چٹخارے لے لے کر یہ تمام باتیں از سر نو بیان کیں اور پھر وہ چلا گیا اور ہارون الرشید ایک گہری سوچ میں پڑ گیا اور اپنی زندگی پر غور کرنے لگا۔ وہ اسی حالت میں تھا کہ اس کی بیوی زبیدہ آ گئی اور خلیفہ کو پریشان حال دیکھ کر پوچھنے لگی کہ آپ کو کیا تکلیف پہنچی ہے اور کون سا غم لاحق ہے جو یوں پریشان بیٹھے ہیں لیکن خلیفہ اس کو ابو نواس کی گفتگو سے آگاہ نہ کرنا چاہتا تھا۔

زبیدہ چونکہ اُس کی بہت چہیتی تھی اس لئے آہستہ آہستہ وہ اُس سے ساری بات اگلوانے میں کامیاب ہو گئی اور جب اُسے سب کچھ معلوم ہو گیا تو کہنے لگی۔

"آپ نے اُس خبیث کو ڈانٹا کیوں نہ کہ وہ آپ کے سامنے اس قسم کی بکواس کر رہا ہے؟"

خلیفہ نے کہا کہ وہ تو مجھے نصیحتیں کر رہا تھا۔ مَیں اُسے کیسے ڈانٹتا؟

اس پر زبیدہ غصہ سے بھری ہوئی وہاں سے چلی گئی اور چپکے سے اپنے بعض نوکروں کو بلایا اور

انہیں حکم دیا کہ وہ ابو نواس کے گھر جا کر اُسے خوب پیٹیں۔

چنانچہ نوکر فوراً لاٹھیاں لے کر ابو نواس کے گھر جا پہنچے۔ ادھر ابو نواس گھر میں بیٹھا خلیفہ کی طرف سے کسی عطا یا انعام کا منتظر تھا کہ اچانک زبیدہ کے نوکر گھر میں داخل ہوئے اور اُسے بے تحاشا پیٹنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو گیا اور اس کے اہل خانہ نے بڑی مشکل سے اسے اُن سے چھڑوا کر بستر پر لٹا دیا۔ موت و حیات کی کشمکش میں رہنے کے بعد کافی عرصہ کے بعد تندرست ہو گیا۔

دوسری حاضری

ہارون الرشید کو اس سارے واقعہ کی کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ آخر ایک دن اُسے خیال آیا اور اُس نے ابو نواس کو بلوا بھیجا۔ جب خلیفہ کا خاص خادم مسرور اُسے بلانے آیا تو ابو نواس نے اس سے کہا کہ

"مَیں تو بیمار ہوں اور بیمار معذور ہوتا ہے۔"

لیکن مسرور نے اصرار کیا اور دم دلاسا دے کر بالآخر اُسے اپنے ساتھ محل میں لے ہی آیا اور خلیفہ کے سامنے پیش کر دیا۔ خلیفہ نے خیر و عافیت دریافت کرنے کے بعد اُسے بیٹھنے کو کہا تو ابو نواس کی گھبراہٹ کچھ دور ہوئی۔ اُس نے اردگرد نظر دوڑائی تو کمرے کے ایک دروازہ پر پردہ لٹکا ہوا دیکھا۔ اُسے پتہ چل گیا کہ اُس کی مصیبت کا اصل باعث زبیدہ ہی ہے اور ہارون الرشید کو اس کا کوئی علم نہیں ہے۔

بہرحال ہارون الرشید نے ابو نواس سے پوچھا کہ تم اتنے دن کہاں تھے؟ ابو نواس نے کہا ـــــ "حضور! مَیں بیمار تھا" ـــــ خلیفہ نے کہا ـــــ "خدا تمہیں شفا دے لیکن کچھ دنوں کی بات ہے کہ تم نے مجھے عورتوں اور لونڈیوں کے بارہ میں بہت عمدہ باتیں بتلائی تھیں۔ آج ذرا اُن کو دوہرا کر میری طبیعت کو پھر خوش کر دو" ـــــ ابو نواس (زبیدہ کے نوکروں نے اُس کی جو درگت بنائی تھی) اُسے کیسے بھول سکتا تھا۔ اس لئے کہنے لگا۔

يَاسَيِّدِي كُنْتُ اَعْلَمْتُكَ اَنَّ الْعَرَبَ اِشْتَقَّتْ اِسْمَ الضُّرَّةِ مِنَ الضَّرَرِ وَالنَّقْمِ قَالُوا اِنَّ كُلَّ مَنْ حَوَى امْرَاَتَيْنِ لَمْ يَعِشْ بَاقِي عُمْرِهِ اِلَّا فِي غَمٍّ وَمَنْ حَوَى ثَلَاثَةً تَنَغَّصَ عَيْشُهُ وَمَنْ حَوَى اَرْبَعَةً يُعَدُّ مِنْ اَهْلِ الْمَقَابِرِ وَاِنْ لَمْ يَمُتْ فَهٰذَا الَّذِي كُنْتُ

عَرَضْتُ لِمَسَامِعِكَ الشرِيْفَةِ وَ اَخبَرْتُكَ اَيْضًا اَنَّ مَنْ قَنَعَ بِوَاحِدَةٍ كَانَ لَهٗ حُبُّها بِالتَّزهُفِ وَالدَّلَالِ والقِيمَةِ وَالعِزِّ وَالاِكْرَامِ

یعنی ـــــ مَیں نے آپ کو بتلایا تھا کہ عربی زبان میں سوت اور ضرر کا مصدر ایک ہی ہے اور عربوں کا کہنا ہے کہ جس کی دو بیویاں ہوں اُس کی زندگی غم میں بسر ہوتی ہے اور جس کی تین ہوں اُس کی زندگی منغض و مکدر ہو جاتی ہے اور جس کی چار ہوں تو وہ اگرچہ مرے نہ تاہم زندہ درگور ہوتا ہے۔ پس حضور میں نے یہ باتیں آپ کے گوش گذار کی تھیں اور یہ بھی کہا تھا کہ جو ایک بیوی پر قناعت کرے تو وہ اس سے بڑے نازو ادا سے محبت کرے گی اور بڑے عزت و احترام سے اُس سے پیار کرے گی۔

ہارون الرشید نے یہ سن کر کہا کہ

مَیں کافر ہو کر مروں۔ اگر مَیں نے اُس وقت تم سے یہ باتیں سنی ہوں۔

اس پر ابو نواس نے کہا

حضور ممکن ہے اُس وقت میرا ذہن کچھ پراگندہ ہو لیکن مَیں آپ کو ایک اور بات بتلاتا ہوں جو مَیں نے اُس وقت آپ کو نہ کہی تھی۔

اور پھر وہ کہنے لگا۔

اِنَّ بَنِی مَخزُومْ رَیحَانَةُ قُرَیْشٍ وَ اَنتَ عِندَكَ بِنتُ القَاسِمْ رَیحَانَةُ الرَّیَا حِیْنِ وَ بَهجَةُ النَّاظِرِیْنَ وَ اِنَّنِی لَاحَظْتُ مِنْ کَلَامِكَ اَنَّ عَیْنَكَ تَطْمَعُ اِلی رویَةِ الْجَوَارِی وَالسَّرَارِیْ وَ هٰذَا مِمَّا لَا یَلِیْقُ بِكَ

یعنی ـــــ ایک ضرب المثل کہتی ہے کہ بنو مخزوم کا درجہ قریش میں خوشبو کا سا ہے اور آپ کے پاس تو قاسم کی بیٹی ہے جو خوشبوؤں کا نچوڑ اور آنکھوں کی رونق و طراوت ہے اور مجھے آپ کے کلام سے معلوم ہوا ہے کہ آپ کی آنکھ خوبصورت لونڈیوں اور حسین و جمیل کنیزوں کو دیکھنے کے لئے ترستی ہے اور یہ آپ کی شان کے خلاف ہے۔

یہ سن کر خلیفہ غضب ناک ہو گیا اور غصہ سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

"اے ابو نواس! کیا تُو مجھے جھٹلاتا ہے؟"

ابو نواس نے کہا۔

"اور آپ چاہتے ہیں کہ مَیں اپنی اجل مقدر کے آنے سے پہلے ہی کئی دن بستر پر سسک سسک کر جان دے دوں؟"

اور ساتھ ہی اُس نے پردے کے پیچھے سے ہنسنے کی آواز اور کسی کہنے والے کو یہ کہتے سنا کہ اے ابو نواس! تُو سچ کہہ رہا ہے اور تُو نے یہی بات کہی ہوگی۔

اس پر ابو نواس نے بھی کہا۔

"ہاں ہاں، مَیں نے یہی بات کہی تھی۔"

اور ساتھ ہی وہ فوراً اُٹھ کھڑا ہوا اور محل سے باہر نکل گیا اور دل میں سخت ڈر رہا تھا کہ پتہ نہیں آج میرا کیا حال ہوگا؟ بہرحال جب وہ گھر پہنچا تو تھوڑی ہی دیر میں ملکہ کے نوکر آئے اور اُسے ملکہ کی طرف سے بہت سا انعام اور تحفے وغیرہ دے کر چلے گئے۔ اس کے کئی روز بعد ابو نواس خلیفہ کے عتاب و عقاب سے خائف و ترساں اپنے گھر ہی پر رہا اور پھر کچھ عرصہ بعد جب وہ خلیفہ کے ہاں گیا تو خلیفہ نے اُس سے سارا واقعہ پوچھا تو ابو نواس نے اُسے سب ماجرا بتلایا کہ کس طرح اُس روز ملکہ نے اُسے اپنے نوکروں سے پٹوایا تھا۔ اس پر ہارون الرشید بہت ہنسا اور اُسے مزید زر و مال و عطایا دے کر رخصت کیا۔

ابو نواس کی شاعری

ابو نواس ایک بذلہ سنج اور ظریف الطبع انسان تھا۔ اس لئے اُس کے اشعار بھی زیادہ تر مزاحیہ ہی ہوا کرتے تھے لیکن کبھی کبھی وہ پُر حکمت اشعار بھی کہتا۔ جیسے اُس کی ذیل کی دو رباعیاں۔

شرکائے موت

ثَلَاثٌ هُنَّ مِنْ شِرْكِ الْحَمَام

وَ يَخْلِبْنَ الصَّحِيْحَ اِلَى السَّقَام

دَوَامُ مُدَامَةٍ وَ دَوَامُ وَطْاءٍ

وَ اِدْخَالُ الطَّعامِ عَلَى الطَّعَام

یعنی ـــــ تین چیزیں موت کی شریک کار ہیں اور اچھے بھلے تندرست آدمی کو بیمار کر دیتی ہیں۔ وہ ہیں کثرت شراب، کثرت مباشرت اور کھانے پر کھانا کھاتے چلے جانا۔

تقابلِ صفات

ابو نواس کے اشعار

اَنَا حَاطِئٌ اَنَا مُذْنِبٌ اَنَا عَاصِی

هُوَ رَاحِمٌ هُوَ غَافِرٌ هُوَ کَافِی

قَابَلْتُهُنَّ ثَلَاثَةً بِثَلَاثَةٍ

وَ سَتَغْلِبَنْ اَوْصَافُهُ اَوْصَافِی

یعنی —— میں خطاکار ہوں۔ گناہگار ہوں اور نافرمان ہوں اور اللہ تعالیٰ رحم کنندہ ہے۔ بخشش کنندہ ہے اور ہر چیز کے لئے کافی ہے۔ مَیں نے اپنی تین کمزور صفات کے مقابل پر اُس کی تین صفات کو رکھ دیا ہے اور یہ طبعی بات ہے کہ اس کی صفات میری صفات پر غالب آ جائیں گی۔ یعنی مجھے معافی مل جائے گی۔

عربی ادب میں ابو نواس کا مقام و مرتبہ

ابو نواس جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے ہارون الرشید کا مصاحب و ندیم وبذلہ سنج شاعر تھا۔ اُس کی ظرافت طبع نے اُسے اپنے ہمعصر شعراء میں ایک ایسا مقام عطا کر دیا تھا جس پر بہت سے شعراء کو رشک آتا تھا۔ چنانچہ ابو عبیدہ کہا کرتا تھا۔

ذَهَبَتِ الْیَمَنُ بِجِدِّالشِّعْرِ وَ هَزْلِهٖ

اِمْرَؤُ الْقَیْسِ بِجِدِّهٖ وَ اَبُو نَوَاسٍ بِهَزْلِهٖ

یعنی —— سنجیدہ اور مزاحیہ ہر دو قسم کے اشعار میں یمن سب پر سبقت لے گیا ہے۔ امرؤ القیس سنجیدہ شعروں کے لحاظ سے اور ابو نواس مزاحیہ اشعار کے لحاظ سے۔

اسی طرح ابو عبیدہ یہ بھی کہا کرتا تھا۔

شُعَرَاءُ الْیَمَنِ ثَلَاثَةٌ اِمْرَاؤُ الْقَیْسِ وَ حَسَّانُ بْنُ ثَابِتٍ وَ اَبُو نَوَاسٍ

یعنی —— ملک یمن نے تین ممتاز شعراء کو جنم دیا ہے جو امرؤ القیس دربارِ نبویؐ کا شاعر حسان بن ثابت اور ابو نواس ہیں۔

عبداللہ بن محمد بن عائشہ لکھتے ہیں۔

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ وَلَمْ یُرْوِ شِعْرَ اَبِی نواسٍ فَلَیْسَ بِتَامِّ الْاَدَبِ

یعنی ـــــ اگر کوئی عربی ادب کا طالب ہے اور اُسے ابو نواس کے شعر یاد نہیں تو ایسا شخص ادب میں کامل نہیں کہلا سکتا۔

کلثوم بن عمرو عتابی کہتا ہے:

وَاللّٰہِ لَوْاَدْرَکَ الْخَبِیْثُ الْجَاھِلِیَّۃَ مَافَضَلَ عَلَیْہِ اَحَدٌ

یعنی ـــــ اگر بد تمیز ابو نواس زمانۂ جاہلیت میں ہوتا تو اس پر کوئی فضیلت نہ لے جا سکتا۔

اغانی کا مصنف لکھتا ہے:

مشہور شاعر ابو تمام نے قسم کھائی تھی کہ وہ نماز نہیں پڑھے گا۔ جب تک کہ وہ مسلم بن ولید اور ابو نواس دونوں کے اشعار یاد نہیں کر لیتا۔

چنانچہ اُس نے دو ماہ ان کے اشعار حفظ کرنے پر لگائے۔

احمد بن سعید جریری کہتے ہیں کہ مَیں ایک دن ابو تمام (حبیب بن اوس طائی جسے خاتم الشعراء کا لقب بھی دیا گیا ہے) کے ہاں آیا تو میں نے دیکھا کہ ابو نواس اور مسلم بن ولید کے اشعار اُس کے سامنے پڑے ہیں۔ مَیں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو اُس نے کہا:

اَللَّاتُ وَالْعُزّٰی وَاَنَا اَعْبُدُھُمَا

یعنی ـــــ مسلم بن ولید اور ابو نواس کا درجہ میرے نزدیک وہی ہے جو زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے نزدیک لات و عزیٰ بتوں کا تھا اور مَیں اِن دونوں کی پرستش کرتا ہوں۔

مامون الرشید کہا کرتا تھا کہ اگر مَیں دنیا کو پوچھوں اور وہ خود جواب دے تو وہ خود بھی اپنی ایسی تعریف کبھی نہ کر سکتی جیسی تعریف کہ ابو نواس نے اس کی اپنے اشعار میں کی ہے۔ چنانچہ وہ ابو نواس کا درج ذیل شعر اپنے اس دعویٰ کی تائید میں پڑھا کرتا تھا۔

اِذَا امْتَحَنَ الدُّنْیَا لَبِیْبٌ تَکَشَّفَتْ
لَہٗ عَنْ عَدُوٍّ فِی ثِیَابِ صَدِیْقٖ

یعنی ـــــ اگر کوئی عقل مند دنیا کا امتحان لے تو یہ اُس کے سامنے ایک ایسے دشمن کی شکل میں ظاہر ہو گی جس نے دوست کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔

ابو نواس اور مشروبات

ابو نواس اگرچہ شراب کا نہایت رسیا اور دلدادہ تھا لیکن اس کے ساتھ ہی وہ دیگر مشروبات کے خواص سے بھی بہت آگاہ تھا۔ چنانچہ یحییٰ بن زکریا راوی ہے کہ ہم نے ایک روز ابو نواس کو مختلف قسم کے مشروبات کی صفات بیان کرنے کو کہا تو وہ بولا اَما الْمَاءُ فَیَعْذُرُ خَطْرُہٗ بِقَدْرِ تَعَذُّرِہٖ

"اَمَّا السَّوِیْقُ فَبَلْغَۃُ الْعَجلَانِ وَ تعِلَّۃُ الْمَرِیْضِ وَالسَّکَنجَبِیْنُ دَوَاءُ الْمَرْضٰی وَ یُشَارِکُھُم فِیْہِ الاَصْحَاحُ وَ اَما اللَّبَنُ فَیُشْبِعُ الْجَائِعَ وَالْغَرْثَانَ وَ یُرْوِی الظَّمْآنَ وَ اَمَّا الْعَسَل فَنِبَیْلُ الْمَنْظَرِ وَ نَحِیْفُ الْمَخْبَرِ وَالجُلاَّبُ شَرَابُ الصِبْیَانِ وَ عَنِ الْخَمَرِ تَنفُرُوْنَ وَ ھِیَ شَقِیْقَۃُ الرُّوْحِ وَ صَدِیْقَۃُ النَّفْسِ وَ صَوفُھَا غَیْرُ مَامُوْنٍ عَلٰی النِّھَاکِ لِلْبَدَنِ بَعَاجِلِ الْاَلَمِ وَ اٰجِلِ السُّقْمِ"

یعنی —— پانی کی نایابی خطرناک ہے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے و جعلنا من الْمَاءِ کل شیی ءحَیِّ یعنی ہر قسم کی زندگی کا دار و مدار پانی پر ہے اور ستو جسے جلدی ہو اُس کا کھانا ہے اور گرمی کے مریض کا علاج ہے۔ سکنجبین مریضوں کے لئے دوا ہے لیکن صحت مند بھی اُسے استعمال کر سکتے ہیں۔ دودھ بھوکے کا پیٹ بھرتا ہے اور تشنہ کی پیاس بجھاتا ہے۔ شہد بہت خوشنما ہے اور ہوش و حواس پر مضر اثر نہیں ڈالتا اور شراب سے تم لوگ نفرت کرتے ہو۔ حالانکہ یہ روح کی بہن اور نفس کی سہیلی ہے اور اُسے بغیر کسی اور چیز کی آمیزش کے پینا جسم کو کمزور کرتا ہے۔ جلد تکلیف دیتا ہے اور بالآخر بیمار کر دیتا ہے۔

ابو عبیدہ کو شراب کے متعلق ابو نواس کے درج ذیل دو شعر بہت ہی اچھے لگتے تھے۔

بَنَیْنَا عَلٰی کِسْرٰی سَمَاءَ مُدَامَۃٍ
مُکَلَّلَۃً حَافَاتُھَا بِنُجُوم

فَلَوْرُدَّ فِی کَسْرٰی بنِ سَاسَانَ رُوْحُہٗ
اِذاً لَاَصْطَفَانِی کُلِّ نَدِیْمِ

یعنی ـــــ ہم نے کسریٰ کے سر سے بالا بادہ نوشی کے لئے ایک ایسی چھت تیار کی ہے کہ جس کے کنارے ستاروں کے تاجوں سے مرصع ہیں اور اگر کسریٰ کی روح اس دنیا میں دوبارہ لوٹ آئے تو وہ میرے سوا کسی کو اپنا مصاحب و ندیم نہ بنائے۔

کعب بن زہیر

دربار نبویؐ کا ایک اور شاعر

حضرت کعبؓ کے والد بھی شاعر تھے اور بھائی بھی بلکہ یہ کہنا بعید از حقیقت نہ ہو گا کہ یہ سارا گھرانہ ہی شاعروں کا تھا۔ انہوں نے بچپن ہی سے فطرت کی طرف سے موزوں طبیعت پائی تھی۔ چنانچہ اُن کا ذکر بھی مشہور شاعر نابغہ ذبیانی کے ساتھ ساتھ کتب سیَر و تواریخ میں موجود ہے۔

کعبؓ کے والد زمانہ جاہلیت ہی میں فوت ہو گئے لیکن انہوں نے اپنے بیٹے بجیر کو بتلا دیا تھا کہ بنی "آخرالزماں" کی بعثت کا زمانہ قریب ہے لیکن پھر بھی یہ دونوں بھائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام مکہ کے دوران مسلمان نہ ہوئے بلکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو بھی انہوں نے اسلام کی طرف کوئی توجہ نہ دی لیکن جب مکہ فتح ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکومت کے باغیوں بالخصوص باغی شعراء کے قتل کا اعلان کر دیا تو پھر ان دونوں کو بھی فکر لاحق ہوئی اور یہ روپوش ہو گئے۔

آخر ایک دن دونوں نے باہم مشورہ کیا اور بجیر نے اپنے بھائی کعب سے کہا کہ تو ذرا ٹھہر میں اس آدمی کا (یعنی آنحضرت صلعم) کا پتہ کر کے آتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ کس وجہ سے لوگ اُس کے گرویدہ ہو رہے ہیں چنانچہ بجیر مدینہ آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سنتے ہی مسلمان ہو گیا اور پھر کعب کو لکھا کہ آپ کی دعوت سچی ہے اور میں اُن پر ایمان لے آیا ہوں۔ تو بھی آ کر اسلام قبول کر لے اور یہ شعر لکھے (ترجمہ)

> "ـــــ کون میری طرف سے کعبؓ کو یہ پیغام پہنچائے گا کہ کیا تو کلمہ شہادت (جس پر تو مجھے ملامت کرتا ہے) پڑھنا چاہتا ہے یا نہیں؟ عقل مندی اسے قبول کرنے میں ہے اگر تمہارے بچاؤ کی کوئی صورت ہے تو تُولات و عزیٰ کو چھوڑ کر صرف خدائے واحد کی طرف لوٹ آ۔ ہمارے باپ ابو سلمیٰ (زہیر کی کنیت) کا دین بالکل لایعنی چیز ہے اس لئے اب وہ مجھ پر حرام ہے۔"

ان اشعار کے ساتھ بجیر نے کعب کو لکھا کہ تمہارا خون بھی مباح قرار دیا جا چکا ہے۔ اس لئے تم جلد یہاں آکر توبہ کر لو کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی توبہ کرنے والے کی توبہ رد نہیں کرتے بلکہ اُسے معاف کر دیتے ہیں اور اگر تمہیں یہ صورت حال منظور نہ ہو تو پھر اپنے بچاؤ کی کوئی اور صورت کر لے۔

بجیر کی تحریر دیکھتے ہی کعب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور زمین باوجود اپنی فراخی کے اُسے تنگ نظر آنے لگی۔ اس نے بہت سوچا لیکن سوائے اسلام قبول کرنے کے اُسے بچاؤ کی کوئی اور صورت نظر نہ آئی۔ اس لئے وہ ناچار مدینہ کی طرف روانہ ہو پڑا۔

مدینہ پہنچ کر کعب جہینہ قبیلہ کے ایک فرد کے ہاں قیام پذیر ہوا اور اُسے اپنی کہانی سنائی۔ وہ شخص دوسرے دن صبح کی نماز میں کعب کو اپنے ساتھ لے گیا اور جب حضور نماز سے فارغ ہوئے تو اُس جہینی نے کعب سے کہا "آگے بڑھ کر رسول مقبولؐ سے امان طلب کرو" ـــــ کعب فوراً حضورؐ کے روبرو جا بیٹھے اور اپنا ہاتھ حضور کے دست مبارک پر رکھ کر عرض کی کہ

یا رسول اللہ کعب بن زہیر آپؐ کی خدمت میں امان مانگنے آیا ہے اگر مَیں اُس کو لے آؤں تو حضورؐ اس کی توبہ قبول فرمالیں گے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو مجسم عفو و رحمت تھے۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا "ہاں اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی" اس پر کعب کھل پڑا اور کہنے لگا:

"یا رسول اللہ مَیں ہی کعب بن زہیر ہوں اَشْهَدُ اَنْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَسُوْلُ اللّٰهِ"

اور اُس کے بعد اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنا وہ قصیدہ پڑھا جو اُس نے اپنی معافی سے قبل ہی تیار کر رکھا تھا اور جو اسلامی اور عربی ادب (دونوں) کی تاریخ میں آج بھی محفوظ ہے اس کے چند اشعار سماعت فرمائیں ؎

اُنبِئْتُ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ اَوْعَدَنِی
وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ مَامُولُ
مَهْلاً هَدَاكَ الَّذِی اَعْطَاكَ نَافِلَةَ
اَلْقُرآنِ فِیْهِ مَوَاعِیْظٌ وَ تَفْصِیْلُ
لاَ تَاخُذَنِّی بِاَقْوَالِ الْوُشَاةِ وَ لَمْ
اُذْنِبْ وَ قَد كَثُرَتْ فِیَّ الْاَقَاوِیْلُ

(ترجمہ) مجھے بتا دیا گیا کہ رسولؐ خدا نے مجھے دھمکی دی ہے حالانکہ رسول

خدا سے تو عفو کی امید کی جاتی ہے اور میں رسول خدا کے پاس عذر خواہ ہو کر آیا ہوں اور رسول خدا کی شان یہ ہے کہ وہ عذر قبول فرماتے ہیں۔ مجھے مہلت عطا ہو کہ مَیں اپنا حال بیان کروں وہ خدا جس نے اور علوم کے علاوہ آپؐ کو قرآن کریم جیسا عطیہ دیا ہے جو وعظ و نصیحت سے معمور ہے وہ میری عفو کے لئے رہنمائی کرے۔ چغل خوروں اور غمازوں کی باتوں پر اعتبار کر کے مجھ سے مواخذہ نہ فرمایئے کیونکہ انہوں نے بے حقیقت باتیں کی ہیں۔ مَیں اُن گناہوں کا ہرگز مرتکب نہیں ہوُا جو وہ میری طرف منسوب کرتے ہیں۔

اور جب کعب اپنا قصیدہ سناتے سناتے اس شعر پر پہنچا کہ ؎

اِنَّ الرَّسُوْلَ لَسَيْفٌ يُسْتَضَاءُ بِهٖ
مُهَنَّدٌ مِنْ سُيُوْفِ الْهِنْدِ مَسْلُوْلَ

یعنی رسول خدا ایک ایسی چمکتی تلوار ہیں کہ جس سے راہِ حق کے لئے روشنی طلب کی جاتی ہے اور ایک عمدہ برہنہ شمشیر ہندی ہیں۔

تو آنحضرتؐ نے بطور "صلہ" کعب کی طرف اپنی ردائے مبارک پھینکتے ہوئے اس شعر کی یوں اصلاح فرمائی کہ "سیوف الہند" مسلول کی بجائے "سَيُوْفِ اللّٰهِ مَسْلُوْلُ" کہو —— چنانچہ مطبوعہ قصائد میں یہ شعر اب اسی طرح مرقوم چلا آرہا ہے۔

ردائے مبارک

کعب کو جو ردائے مبارک آنحضرتؐ نے عطا فرمائی تھی وہ تا عمر اس کے پاس رہی۔ امیر معاویہؓ نے کعب کی زندگی میں دس ہزار درہم کے عوض یہ چادر کعب سے خریدنا چاہی مگر کعب نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ —— "مَیں اپنی زندگی میں کسی کو اس چادر کے لئے اپنے آپ پر ترجیح نہیں دوں گا" —— لیکن اس کی موت کے بعد امیر معاویہ نے اس چادر کو اس کے وارثوں سے بیس ہزار درہم کے عوض خرید لیا جسے خلفاء بنی امیہ یکے بعد دیگرے عیدین کے موقع پر اوڑھتے رہے۔ بعد ازاں یہ چادر بنو عباس کے قبضے میں آئی اور اُس کے بعد سلاطین آل عثمانؒ کے توشہ خانے میں پہنچی اور اغلباً اب یہ ترکی میں موجود ہے لیکن بعض کہتے ہیں کہ تاتاریوں کے حملے کے وقت ضائع ہو گئی تھی۔

قصیدۂ بردہ

اس چادر کے باعث ہی اس قصیدہ کا نام "قصیدہ بردہ" مشہور ہو گیا یعنی "قصیدہ چادر" بعض لوگ ناواقفیت کے باعث بوسیری کے قصیدہ کو "قصیدہ بردہ" کا نام دیتے ہیں لیکن اس کا نام "قصیدہ برءہ" ہے جس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ بوسیری کو فالج ہو گیا تھا اور اطباء و حکماء اُس کا علاج کرنے میں ناکام رہے تھے اس پر علامہ موصوف نے اپنا یہ مشہور قصیدہ لکھا جس کے بارے میں ادباء و محققین کی متفقہ رائے ہے کہ کعب کے قصیدہ کے بعد بوسیری کا قصیدہ آنحضرتؐ کی بہترین مدح ہے۔

جب بوسیری نے آنحضرتؐ کے عشق میں ڈوب کر علیل ہونے کے باوجود یہ قصیدہ کہا تو خواب میں انہیں آنحضرتؐ کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضورؐ نے خوش ہو کر آپ کے جسم پر اپنا دستِ مبارک پھیرا۔ پھر جب بیدار ہوئے تو اپنے آپ کو کاملاً صحت یاب پایا جس پر انہوں نے اپنے اس قصیدے کا نام "قصیدہ برءہ" یعنی "قصیدہ شفاء" رکھ دیا اور بعض لوگوں نے اس پس منظر سے ناآگہی کے باعث "ء" کو "د" سمجھ کر اسے ہی "قصیدہ بردہ" سمجھ لیا۔

فنِ شعر کے اعتبار سے کعب کا مقام بہت بلند ہے لیکن آپ کے اشعار میں غیر معروف الفاظ اور پیچیدہ تراکیب بہت آتی ہیں اگر یہ بات نہ ہوتی تو یہ یقیناً اپنے والد زہیر کے ہم پلہ سمجھے جاتے لیکن کعب کے لئے یہ فخر کیا کم ہے کہ حطیہ جیسے مشہور و معروف شاعر نے اُن سے یہ درخواست کی کہ اپنے شعروں میں اس کا ذکر کریں۔ جسے کعب نے قبول کر لیا اور پھر کئی اشعار میں ذکر کیا۔

حضرت کعب ۹ھ میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور انہوں نے امیر معاویہ کے زمانہ میں وفات پائی۔

تتمہ

جماعت احمدیہ کے متعلق دو تاریخی نظمیں

بِمُنَاسَبَةِ فَتْوَى الْحُكُوْمَةِ الْبَاكِسْتَانِيةِ ضِدَّ الْاَحْمَدِيين

نوٹ: مسٹر بھٹو وہ شخص ہے جس کو ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں جماعت احمدیہ پاکستان نے اپنی بے نظیر تنظیم اور عملی جدوجہد سے اس قدر امداد دی کہ وہ اس کے طفیل اس ملک کا وزیر اعظم بن گیا جس کی اُسے ہرگز توقع نہ تھی۔

پھر جب اس نے اپنی من مانی کارروائیوں سے مخلوق خدا پر ظلم کرنا شروع کر دیا تو اُس کی حکومت ڈانواں ڈول ہو گئی اس لئے اس نے اپنی حکومت کو سنبھالا دینے کے لئے احمدیوں ہی کو قربانی کا بکرا بنایا اور اپنی ناشکری اور محسن کشی کی ایک بے نظیر مثال قائم کر دی۔

اس نے نادان لوگوں کو ختم نبوت جیسے علمی مگر حساس مسئلہ میں الجھا کر اپنے اقتدار کو عارضی طول دینے کے لئے احمدیوں کے خلاف اس ملک میں مذہبی فساد کا ایک طویل ڈرامہ رچایا اور اُس کے اپنے اعتراف کے مطابق ملتان کے کالج کے طلبہ کے ذریعہ ربوہ سٹیشن پر فساد کروایا جو سارے ملک میں پھیل گیا۔

اس نے اس فساد کو عمداً تقریباً چار ماہ تک جاری رہنے دیا۔ اس عرصہ میں متعدد احمدیوں کو شہید کیا گیا۔ کئی ایک کو جیل بھجوایا گیا۔ متعدد احمدیوں کے مکانات اور دکانیں لوٹ لی گئیں اور بالآخر ایک خود ساختہ کمیٹی (جو خود ہی مدعی اور خود ہی منصف بھی تھی) کے ذریعہ احمدیوں کے خلاف کفر کا فتویٰ لگوا دیا۔

ان فسادات کے دوران احمدیوں پر ہونے والے مظالم کی ایک ہلکی سی تصویر اس نظم میں دی گئی ہے۔ یہ نظم جماعت احمدیہ کے لندن سے شائع ہونے والے عربی رسالہ "اَلتَّقْوٰی" کے جماعت کے صد سالہ جشن کے شمارہ نمبر ۴ اور ۵، ۱۹۸۹ء کے صفحہ ۱۰۵ پر شائع ہوئی ہے۔ محمد اسحٰق صوفی

عِبَادَ اللّٰهِ حَقاً اَخْبِرُوْنَا   حَدِيْثَ الْمُسْلِمِيْنَ الصَّابِرِيْنَا
لَقَدْ نَهَبَ اللِّئَامُ بِحَدِّ سَيْفٍ   عَقَارَ الْمُسْلِمِيْنَ الصَّالِحِيْنَا
فَكَمْ قَدْ حُرِّقَتْ بَيْتٌ وَ دَارٌ   بِاَيْدِى الْمُفْسِدِيْنَ الطَّالِحِيْنَا

وَ كَمْ قد اَظْهَرُوْا يُغْضًا وَ حقداً ❊ وَ كَمْ قَدْ اَظْهَرُوا الدَّاءَ الدَّفِيْنَا
وَ كُمْ قتَلُوا مِنَ الصِّبيَانِ ظُلْمًا ❊ وَ اَحْيَوْا سُنَّةَ الْمُتَجَبِّرِيْنَا
وَ كَمْ مِنْ صَارِخٍ مَاتُوا عُطَاشَى ❊ فَمَا لانَتْ قُلُوْبُ الظَّالِمِيْنَا
وَ كَمْ تَرَكُوْا الْاَرَامِلَ وَالْيَتَامَى ❊ عَلَى وَجْهِ الْبَسِيْطَةِ نَائِحِيْنَا
وَ كَمْ تَرَكُوا مِنَ الْاَبْرَارِ قَتْلَى ❊ وَ صَرْعَى فِي الدِّمَاءِ مُلَطَّخِيْنَ
وَ كَمْ رَقَصُوا وَ غَنّو فَوْقَ مَيْتٍ ❊ وَ شَانُوا اِسْمَ كُلِّ الْمُسْلِمِيْنَا
وَ كَمْ اُخِذُوْا بِلَاجُرْمٍ وَ ذَنْبٍ ❊ فَبَاتُوْا فِي السُّجُوْنِ مُصَفَّدِيْنَا
وَ كَمْ مِنْ آفَةٍ جُرَّتْ نَهَاراً ❊ وَلَيْلاً حَسْبَ اَمْرِالْحَاكِمِيْنَا
فَلَا كَلَّتْ وَ لَا شَلَّتْ اَيَادٍ ❊ اَيَادِي الظّٰلِمِيْنَ الْغَاشِمِيْنَا .
اَهَانُوْا نَبِيَّهُمْ فِي كُلِّ اَرْضٍ ❊ وَقَانَا اللّٰهُ شَرَّ الْحَاكِمِيْنَا
فَيَا لِلسَّفْهِ مِنْ قَوْمٍ وَنَاسٍ ❊ اَضَاعُوْا دِيْنَهُمْ لِلسَّائِسِيْنَا
فَهَلْ تَركَ النَّبِيُّ قَضَاءَ شَيْءٍ ❊ اُمِرْنَا اَخْذَهٗ مِنْ سَائِسِيْنَا
وَ هَلْ يَقِيَ التَّفَاخُرُلِ "يَزِيْدَ" ❊ بِاَنِ الشَّرَّ فِي الْمُتَقَدِّمِيْنَا
فَلَا وَاللّٰهِ لَمْ يَبْقَى التَّفَاخُرْ ❊ لِاٰلِ "يَزِيْدَ" فِي الْمُتَاَخِّرِيْنَا
يَقُولُ النَّاسُ اِعْلَانًا وَسِرًّا ❊ وَ هَلْ مِنْ حِيْلَةٍ فِي الْمُرْجِفِيْنَا
بِاَنَّ الفُتْيَا كَانَتْ لِلسِّيَاسَة ❊ وَ مَا كَانَتْ قَضَاءَ الْمُتَّقِيْنَا
جَلَالُ سِيَاسَةٍ لَابُدَّ يَمْضِي ❊ وَ لَا يَمْضِي جلَالُ الصَّالِحِيْنَا

جون ۱۹۷۲

۲۔ مُعْجِزَةُ الْمُبَاهَلَةِ عَلَى يَدِ اِمَامِ الْجَمَاعَةِ الْاَحْمَدِيَّةِ حَضْرَةُ مِيرزَا طَاهِر احمد الْخَلِيْفَةُ الْمَسِيحُ الرَّابِعُ اَيَّدَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى

نوٹ: آمر ضیاء الحق ایک غاصب اقتدار تھا۔ اس نے اپنے ناجائز اقتدار کو بچانے کی خاطر ملانوں کو خوش کرنے کے لئے اپنا آرڈیننس نمبر ۲۰ جاری کر کے احمدیوں پر پاکستان میں عرصہ حیات تنگ کر دیا اور جماعت کے مقدس امام کے متعلق کہا کہ اگر میں بھٹو جیسے شخص کو پھانسی دے سکتا ہوں تو مرزا طاہر احمد کی (نعوذ باللہ) اُس کے بالمقابل کیا حیثیت ہے اس لئے ہمارے امام کو اس ملک سے ہجرت کر کے انگلستان میں پناہ لینی پڑی۔

لندن پہنچ کر ہمارے مقدس امام نے مسلسل چار سال تک اپنے خطبات جمعہ میں اس آمر ضیاء کو سمجھانے کی متعدد کوششیں کیں کہ احمدیوں پر ظلم کو بند کرے لیکن یہ اپنی طاقت کے نشہ میں

یہاں تک مخمور تھا کہ ایک دفعہ اس نے (خواہ مذاق میں ہی) یہ کہا کہ میں قادر مطلق ہوں اس لئے اس نے ہمارے مقدس امام کی بار بار کی نصائح پر مطلقاً کوئی توجہ نہ دی۔

اس صورتِ حال کے پیش نظر ہمارے مقدس امام نے سنت نبوی پر عمل کرتے ہوئے تمام مکفرین، مکذبین اور ائمۃ التکفیر کو ۱۰ جون ۱۹۸۸ء کو ایک دعوت مباہلہ دی اور اس بارہ میں الٰہی فیصلہ کے لئے ایک سال کی مدت معین کر دی اس مطبوعہ دعوۃ مباہلہ کی ایک ایک نقل پاکستان کے تمام بڑے بڑے علماء کو بھجوائی اور اس کی ایک کاپی جنرل ضیاء کو بھی بذریعہ رجسٹری بھجوا دی۔ اس آمر نے اس دعوتِ مبالہ کو نہ صرف ٹھکرا دیا بلکہ احمدیوں کو مزید تنگ کرنے اور انہیں تنگ کر کے پاکستان سے نکالنے پر بھی غور شروع کر دیا۔

ان حالات کو دیکھ کر ہمارے مقدس امام نے اپنے ۱۲ اگست ۱۹۸۸ء میں اس آمر کو مخاطب کرتے ہوئے اسے واشگاف الفاظ میں کہا کہ "تم خدا کے عذاب سے نہیں بچ سکتے کیونکہ سارے فتنہ کی جڑ تم ہو"۔

اس اعلان کے صرف ۵ دن بعد یعنی ۱۷ اگست ۱۹۸۸ء کو یہ فرعون وقت بمعہ اپنے پورے لاؤ لشکر کے ایک طیارہ کے حادثہ میں جل کر اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا۔

اس دعوۃ مباہلہ اور اس کے نتیجہ میں اس کی ہلاکت کو درج ذیل اشعار میں قلمبند کیا گیا ہے۔ یہ اشعار بھی رسالۃ التقوٰی میں شائع ہو چکے ہیں لیکن افسوس کہ وہ شمارہ میرے تک نہیں پہنچ سکا۔

اس نظم کے موصول ہونے پر ہمارے امام ہمام نے جو خط اس عاجز کو لکھا ان اشعار کے آخر میں درج کیا جا رہا ہے۔ محمد اسحٰق صوفی

اَلَا يَاقَوْمِ اِسْتَمِعُوا بِقِيْنًا　　اُخَبِّرُكُمْ بِخَبَرِ الْجَابِرِيْنَا
فَكَانَ هُنَاكَ رَجُلٌ مُسْتَبِدٌّ　　اَمِيْرُ الْجَيْشِ رَاسُ الظَّالِمِيْنَا
تَرَاَسَ مُلْكَهٗ غِشًّا وَ مَكْرًا　　وَ كَمْ مِنْ حِيْلَةٍ لِلْمَاكِرِيْنَا
وَ سَمَّى نَفْسَهٗ لِلْحَقِّ ضَوْءً　　لَحَاهُ اللّٰهُ اَعْمَى الْعَامِهِيْنَا
طَغٰى فِى الْاَرْضِ كَ "فِرْعَوْنَ"　　ظُلْمًا وَ اَحْىَ سُنَّةَ الْمُتَجَبِّرِيْنَا
فَكَمْ مَنَعَ الْجَمَاعَةَ مِنْ صَلٰوةٍ　　وَ تَهْلِيْلٍ كَدَابِ الْكَافِرِيْنَا
وَ كَمْ هَدَمَ الْمَسَاجِدَ وَالْمَعَابِدْ　　بِاِسْمِ الدِّيْنِ نَمْطَ الْجَاهِلِيْنَا
وَ كَمْ قَتَلَ مِنَ الْاَبْرَار ظُلْمًا　　وَ بَغْيًا حَسْبَ دَابِ الْجَابِرِيْنَا
و كم نبش المقابر والمدافن　　و اخرج الموتٰى هناك مكفّنينا

فَهَلْ يُوْجَدْ لَظِيرٌ مِثْلُ هٰذَا   لَحَاهُ اللّٰهُ شَرَّالظَّالِمِينَا

وَ كَانَ يَدَّعِى حُمْقًا وَ جَهْلاً   سَيُهْلِكُ قَوْمَنَا الْمُتَعَبِّدِيْنَا

فَهَدَّدَنَا وَ اَوعَدَنَا رُوَيْداً   كَمَا كُنَّا لِاِمِّهٖ مُقْتَوِيْنَا

اَبَا لَهَبٍ فَلاَ تَعْجَلْ عَلَيْنَا   وَ اَنْظِرْنَا نُخَبِّرْكَ الْيَقِيْنَا

فَطَالَبْنَا مُقَابَلَةَ ابْتِهَالٍ   اِقَامَةَ حُجَّةٍ لِلْمُنْكِرِيْنَا

وَ كَانَ يُحَلِّقُ فِى الْجَوِّتِيْهًا   فَاُسْقِطَ فِى جَحِيْمِ الظَّالِمِينَا

وَ اُحْرِقَ فِىْ لَهِيْبِ النَّارِحَيًّا   فَصَارعِبَرَةً لِلنَّاظِرِيْنَا

وَ اُحْرِقَ مَعَهٗ القُوَّادُطُرًّاً   فَهُمْ كَانُوا رِفَاقًا ظَالِمِيْنَا

فَبَانَ الْحَقُّ وَالْكِذْبُ عَيَانًا   بِاِهْلاَكِ اَكَابِرِ كَاذِبِيْنَا

فَهَلْ قَدَرَ عَلَى اِهْلاَكِ قَوْمٍ   هُمُوْ سَلَكُوا طَرِيْقَ الصَّالِحِيْنَا

فَلاَ وَاللّٰهِ لَمْ يَقْدِر عَلَيْنَا   وَعِشْنَا بَعْدَهٗ كَالْفَائِزِيْنَا

فَاٰبَ فِى الْاَجِيْجِ وَ بِالْخَزَايَا   وَ اُبْنَا اَوْبَةَ الْمُتَشَكِّرِيْنَا

عَلَى نِعَمٍ مِنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ   كَذَاكَ اللّٰهُ يَجْزِى الصَّادِقِيْنَا

فروری ۱۹۹۰ء
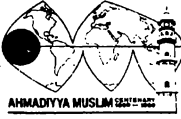
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

لندن
9:5:1369
1990

76401

مکرم صوفی محمد اسحاق صاحب۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آپ کا خط ملا۔ خدا تعالیٰ آپ کو علم اور ایمان کی دولت عطا فرمائے اور ایسے نیک اعمال کی توفیق دے جو اُس کی بارگاہ میں مقبول ہوں۔ اللہ آپ کی تمام نیک تمنائیں پوری فرمائے، ہر شر سے محفوظ رکھے اور صحت و عافیت والی کامیاب و کامران، بامراد اور فعّال لمبی زندگی عطا فرمائے اور اپنی دائمی رضا کی جنّت نصیب فرمائے، دین اور دنیا دونوں سنوار دیے اور ہمیشہ اپنی حفاظت اور رحمت کے سائے تلے رکھے۔

آپ کی عربی نظم اچھی ہے۔ یہاں چھپوانے کے لئے تو کسی اجازت کی ضرورت نہیں۔ وہاں دیکھ لیں اگر الفضل مناسب سمجھے تو ضرور شائع کرے گا۔ فلسطین میں اشاعت کے لئے بھجوا رہا ہوں۔ اللہ آپ کو فصاحت و بلاغت عطا کرے اور عربی زبان میں مزید ملکہ عطا فرمائے۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

والسلام
خاکسار

[دستخط]
خلیفۃ المسیح الرابع

بیت الفضل
دارالعلوم غربی۔ ربوہ